اِدھر اُدھر سے

(صحافتی تبصروں، تجزیوں پر مشتمل انٹرنیٹ کالم)

حیدر قریشی

دوسری بار

انٹرنیٹ ایڈیشن

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

Idhar udhar Say

(Columns)

By: Haider Qureshi

Year of 1st Edition: 2008

ISBN 81-81-8223-356-9

Price: Rs.200/-

نام کتاب: اِدھر اُدھر سے (صحافتی تبصروں، تجزیوں پر مشتمل انٹرنیٹ کالم)
کالم نگار: حیدر قریشی

مصنف کا پتہ: Rossertstr.6, Okriftel,
65795 Hattersheim,Germany
E-Mail: haider_qureshi2000@yahoo.com

سرورق: مصطفیٰ کمال پاشا
سنِ اشاعت اول: ۲۰۰۸ء
دوسری بار: ۲۰۱۲ء۔انٹرنیٹ ایڈیشن
قیمت: دوسو روپے
مطبع: عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

Published By
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (India)
Ph: 23214465, 23216162, Fax: 0091-11-23211540
E-Mail: info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
Website: www.ephbooks.com

انتساب

برادرم خورشید اقبال کے نام!

جنہوں نے مجھ سے یہ کالم لکھوائے اور انہیں

اپنی ویب سائٹ پر اہتمام سے شائع کیے

غم ہو یا خوشی ہو، وہ محبت ہو کہ نفرت

ہم نے کوئی جذبہ بھی چھپا کر نہیں رکھا

ترتیب

ابتدائیہ

منظر اور پس منظر کے کالم ۱۵؍اپریل ۲۰۰۲ء سے لے کر ۱۸؍نومبر ۲۰۰۳ء کے عرصہ میں شائع ہوئے تھے۔اور کتابی صورت میں ان کی اشاعت ۲۰۰۴ء میں ہوگئی تھی۔ **خبر نامہ** کے کالم ۲۱؍اپریل ۲۰۰۳ء سے لے کر ۲۵ دسمبر ۲۰۰۳ء تک کے عرصہ میں شائع ہوئے اور سال ۲۰۰۶ء میں کالموں کے مجموعہ کی کتابی صورت میں اشاعت ہوئی۔اس کے بعد میں کالم نگاری ترک کر چکا تھا اور میری توجہ صرف ادب تک تھی۔لیکن اسی دوران میرے عزیز دوست خورشید اقبال صاحب کا اصرار آڑے آیا۔مجھے ان کی ویب سائٹ www.urdudost.com کے لیے **اِدھراُدھر سے** کے نام سے کالم کا نیا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس کالم کا آغاز کرتے وقت میرے ذہن میں یہی تھا کہ دلچسپ نوعیت کی خبروں کو اِدھر اُدھر سے جمع کر کے ایک ہلکا پھلکا سا کالم لکھا کروں گا،جیسا کہ آپ کو میرے شروع کے کالموں میں دکھائی دے گا۔لیکن جنرل پرویز مشرف کے ۹؍مارچ ۲۰۰۷ء کے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف اٹھائے گئے اقدام نے بتدریج ایسی صورت اختیار کر لی کہ باقی ساری خبریں پسِ پشت جانے لگیں اور ملکی سیاست ،وکلاء اور عدلیہ کی جدوجہد کی خبریں کالم کو بہت زیادہ سنجیدہ بناتی گئیں۔۱۲؍مئی ۲۰۰۷ء کو کراچی میں ہونے والے سانحہ نے اور پھر لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے انتہا پسندوں کے خلاف حکومتی کاروائی نے ساری توجہ پاکستان کے حالات پر مرکوز کرادی۔

ان واقعات کی وجہ سے میرے ان بیس کالموں میں سے لگ بھگ آدھے کالم ایسے ہیں جو اس ہلکے پھلکے انداز میں ہیں جیسے میں لکھنا چاہتا تھا۔بعد میں حالات کی فکرمند کرنے والی صورت نے گہری سنجیدگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور یوں آدھے کالم تجزیاتی نوعیت کے ہوگئے۔بہر حال جو کچھ لکھا گیا، جیسا لکھا گیا اب کتابی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔

میں نے اس کتاب کی فہرست میں ہر کالم کی تاریخ اشاعت درج کی ہے جبکہ ہر کالم کے آخر میں اس کالم کے لکھے جانے کی تاریخ درج کی ہے۔قارئین اس فرق کو مدِ نظر رکھیں۔بعض کالموں کی حساس نوعیت کے باعث مجھے ان کی فوری اشاعت پر زور دینا پڑا۔خورشید اقبال صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایسے حالات میں عام طور پر تعاون کرنے میں کافی تیزی کا مظاہرہ کیا اور جس دن کالم لکھا گیا اسی دن، یا ایک دو دن کے فرق سے کالم کو آن لائن بھی کر دیا۔

باقاعدہ صحافی نہ ہوتے ہوئے بھی میرے کالموں کا تیسرا مجموعہ چھپنے جا رہا ہے تو میں اپنے صحافی ہونے سے انکار کرنے کے باوجود ادیب کے ساتھ صحافی بھی ہو ہی گیا ہوں۔اگرچہ پاکستان کا ہر عام شہری اپنی سیاسی سوجھ بوجھ کے لحاظ سے میرے جتنا صحافی ہو چکا ہے، تاہم اب مجبوراً اپنے صحافی ہونے کا اقرار کرنا پڑ رہا ہے تو یہ واضح کر دوں کہ اس میں مجھ سے زیادہ قصور اردوستان کے کاشف الہدیٰ صاحب کا ہے جنہوں نے میرے پہلے کالموں کے دو مجموعے مکمل کرائے۔اور اب برادرم خورشید اقبال کا قصور ہے جنہوں نے اردو دوست ڈاٹ کام کے لیے مجھ سے یہ کالم لکھوائے۔

ان دونوں دوستوں کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔
شکریہ کاشف الہدیٰ صاحب!
شکریہ خورشید اقبال بھائی!

حیدر قریشی

E-Mail: haider_qureshi2000@yahoo.com

اِدھر اُدھر سے : ۱

(میں نے نائن الیون کے سانحہ کے بعد منظر اور پس منظر کے زیرِعنوان ۲۵ کالم لکھے تھے جو کتابی صورت میں بھی چھپ چکے ہیں۔ میں نے ان کالموں میں آنے والے مزید تکلیف دہ دنوں کا ایک خاکہ سا بھی بتا دیا تھا۔اب تک کی عالمی صورتحال سے لگتا ہے کہ وہ سب کچھ ہونے جا رہا ہے۔جب میں نے مذکورہ کالم نگاری کا سلسلہ مکمل کر لیا تو بعض دوستوں کے کہنے پر خبر نامہ کا ایک ہلکا پھلکا سلسلہ شروع کر دیا۔اس کی کتاب بھی مکمل ہو گئی تو یہ سلسلہ بھی بند کر دیا۔یہ دونوں کالم اردوستان ڈاٹ کام پر کاشف الہدیٰ صاحب نے آن لائن بھی رکھے ہوئے ہیں۔صحافیانہ کالم نگاری خاصی مشکل جاب ہے اور جب جاب بغیر کسی تنخواہ کے ہو تو اور بھی مشکل ہو جاتی ہے۔اب اردو دوست ڈاٹ کام کے خورشید اقبال صاحب نے حکم دیا ہے کہ ان کی ویب سائٹ کے لئے کالم لکھوں۔ جرمنی کے تھکا دینے والے محنت مزدوری والے روز وشب میں تھوڑا بہت ادبی کام کرنا بھی خاصا مشکل ہوتا ہے،جبکہ صحافتی کالم لکھنے کے لئے تازہ ترین خبروں سے ہر وقت باخبر رہنا ضروری ہوتا ہے۔بہر حال جیسے جیسے مجھے وقت کی سہولت کے ساتھ اہم یا دلچسپ یا دکھی کرنے والی خاص خبریں ملتی رہیں گی، اِدھر اُدھر سے میں وہ خبریں جمع کر کے اپنے ذاتی تاثرات کے ساتھ پیش کر دیا کروں گا۔جب تک قارئین ان میں دلچسپی لیتے رہیں گے لکھنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔)

اس وقت سب سے اہم خبر عراقی صدر صدام حسین کی پھانسی کی ہے۔انہیں ۳۰ دسمبر ۲۰۰۶ء بروز ہفتہ اس دن یہ سزا دی گئی جب سارے عرب میں عیدالاضحیٰ تھی۔اس وجہ سے صدام سے ناخوش کئی لوگوں کو بھی افسوس ہوا کہ امریکیوں نے ناحق اتنی عجلت سے کام لیا۔ویسے اس سزا پر عملدرآمد پر ملا جلا ردِ عمل سامنے آیا۔عراق کی سنی آبادی میں دکھ اور غصے کی کیفیت پیدا ہوئی،جبکہ شیعہ آبادی نے نہ صرف خوشی کا اظہار کیا بلکہ جشن جیسا سماں بنا دیا۔کسی کی موت پر اتنی خوشی منانا افسوسناک ہے۔تاہم مجھے یہ احساس ہوا کہ صدام حسین نے اپنے ہی ملک کی ایک بڑی آبادی کو اتنا تنگ کر رکھا تھا کہ وہ ان کی موت پر بے اختیار خوشی منانے لگ گئے۔صدام حسین کے مقدمہ کی قانونی صورتحال تو شرمناک رہی۔دورانِ سماعت ان کے دو یا تین وکلاء کو قتل کر دیا گیا۔ایک موقعہ پر عدالت کے چیف جج نے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ اپنی

مرضی کا فیصلہ کرانے کے لئے حکومت مجھ پر دباؤ ڈال رہی ہے۔چنانچہ بعد میں موجودہ چیف جج صاحب کو چیف بنایا گیا اور انہوں نے اپنے اصل حکمرانوں کی خواہش کے مطابق فیصلہ سنا دیا۔عراقی قانون کے مطابق کسی مجرم کو عید کے روز پھانسی نہیں دی جاتی۔اس سزا پر عملدرآمد سے عراقی قانون کی بھی خلاف ورزی کی گئی ہے اور بین الاقوامی طور پر تو انسانی حقوق کے عالمی ادارہ نے بھی اس مقدمہ کو عالمی طریق انصاف کی خلاف ورزی قرار دیا ہے۔لیکن اصل معاملہ یہ ہے کہ یہاں صرف طاقت کا قانون چلایا گیا ہے جو درحقیقت امریکہ سرکار کے ہاتھ میں ہے۔

صدام حسین نے بھی تین دہائیوں سے زائد عرصہ تک اپنے ملک کے عوام پر ہی طاقت کا قانون چلائے رکھا تھا۔امریکی امداد کے بل پر ایران کے ساتھ ایک ایسی بے مقصد جنگ چھیڑ دی جس میں دونوں طرف کے دس لاکھ افراد مارے گئے،عراقی شیعہ آبادی کے ساتھ ناانصافیوں اور مظالم کا سلسلہ روا رکھا گیا،صلیبی جنگوں کے اسلامی ہیرو صلاح الدین ایوبی کُرد قوم کا فرد تھے۔صدام حسین نے ماضی کے اسلامی ہیرو کی قوم کا جینا بھی حرام کئے رکھا۔دو لاکھ کے لگ بھگ کرد عوام کو صدام حسین کے دور میں ہلاک کیا گیا۔امریکی امداد اور اشاروں پر کام کرتے کرتے صدام حسین اُس وقت امریکی جال میں پھنس گئے جب انہوں نے در پردہ امریکی شہ پر کویت پر قبضہ کر لیا۔۱۹۹۱ء سے لے کر اب تک پھر صدام حسین کا قافیہ تنگ سے تنگ تر ہوتا گیا اور عراق کے عوام کے دکھ بڑھتے چلے گئے۔صدام حسین امریکی اشاروں پر جو مظالم روا رکھے ہوئے تھے،آخر کار خود بھی امریکی اشارے پر دوسروں کے ہاتھوں ظلم کا نشانہ بنے۔اس پر شیعہ آبادی نے جس طرح خوشی کا اظہار کیا اور خود مغربی میڈیا نے جس طرح اس کی تشہیر کی،اس سے لگتا ہے کہ امریکہ اسی برس ایران پر حملہ کرنے یا اسرائیل سے حملہ کرانے کا تہیہ کئے بیٹھا ہے۔فی الوقت جس طرح شیعہ،سنی منافرت میں اضافہ ہوا ہے،اس سے لگتا ہے کہ پہلے اس منافرت کو مزید ہوا دی جائے گی اور پھر ایران پر حملہ ہو گا تا کہ پھر سنی اس حملہ پر خوشی کا اظہار کر سکیں۔اس وقت ایرانی حکومت اور اسرائیلی حکومت کی طرف سے صدام کی پھانسی پر ایک جیسا ردِعمل ظاہر کیا گیا ہے۔اگر یہی صورتحال قائم رہی تو کوئی بعید نہیں کہ ایران پر حملہ کے وقت اسرائیل اور عرب ممالک کا ردِعمل ایک جیسا ہو۔دیکھیں ابھی اگلے تین چار ماہ میں کیا پیش رفت ہوتی ہے۔

مسلمانوں کے نفاق اور انتشار کے نتیجہ میں ہی مسلمانوں کو عالمی سطح پر یہ مار پڑ رہی ہے۔چاہئے تو یہ تھا کہ ہر طرح کے باہمی اختلافات ختم کرنے کی کوشش کی جاتی لیکن نفاق اور انتشار کا حال یہ ہے کہ

پاکستان کے صوبہ سرحد میں جہاں مولویوں کی حکومت ہے، وہاں تین عیدالاضحیٰ منائی گئیں۔ ہفتہ کے روز سعودی عرب کے حساب کے مطابق افغان مہاجرین اوران کے پاکستانی ملازمین نے عید منائی۔اتوار کے دن صوبائی حکومت نے عید منائی جبکہ سوموار یکم جنوری کو وفاقی حکومت کی طرف سے عید منائی گئی۔یہ مولویوں کی حکومت والے صوبہ کا حال ہے۔اس صورتحال پر اب کیا تبصرہ کیا جائے،سوائے اس کے کہ شرم سے سر جھکا لیا جائے۔

پاکستان میں آئی ایس آئی کے سابق سربراہ، ریٹائرڈ لیفٹیننٹ جنرل حمید گل ایک زمانہ میں خفیہ ایجنسیوں کو سیاست میں گھسیٹ لائے تھے۔تب سے ہماری ایجنسیوں کو سیاست کا چسکا لگا ہوا ہے۔ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جو عالمی سازش رچی گئی تھی اور جس کے نتیجہ میں انہیں عدالتی قتل کے ذریعے تیسری دنیا کے حکمرانوں کے لئے عبرت کا نشان بنادیا گیا۔بھٹو کے خلاف آئی ایس آئی نے ہی اسلامی جمہوری اتحاد کی تشکیل کرائی تھی اور یوں آئی ایس آئی کو اپنے اصل فریضہ سے ہٹا کر، سیاست میں نیا گل کھلا کر عالمی سیاست کے کھلاڑیوں کے مقاصد کی تکمیل کی گئی۔اسی آئی ایس آئی کردار والے ایک جرنیل حمید گل اب ملک میں جمہوریت کا راگ الاپ رہے ہیں۔حالیہ دنوں میں انہوں نے ایک ٹی وی ٹاک شو میں اعتراف کیا کہ ہم لوگ ہر بار امریکہ کے ہاتھوں ٹریپ ہوتے رہے ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے جرنیل اپنی سادگی اور معصومیت میں ٹریپ ہوتے رہے ہیں، بلکہ خوشی اور شوق کے ساتھ ٹریپ ہوتے رہے ہیں۔اگر جنرل حمید گل کی ندامت سچی ہے تو انہیں چاہئے کہ پاکستانی تاریخ کے اوراق کھنگالیں اور دیکھیں کہ اتحاد و اتفاق ملی کے خلاف اصل سازشیں کہاں سے شروع کی گئیں؟ قوم کا پاؤں اس ٹریپ میں ابھی تک پھنسا ہوا ہے۔جب تک اپنی اُس بنیادی غلطی کو مانا نہیں جائے گا اور اس کی تلافی نہیں کی جائے گی، تب تک پوری قوم دکھ اور تکلیف میں مبتلا رہے گی۔

نوئیڈا سے خبر آئی ہے کہ وہاں مہندر سنگھ اور اس کے ایک ملازم سریندر سنگھ کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔یہ دونوں مل کر کم عمر بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کرتے تھے اور پھر انہیں قتل کر دیتے تھے۔اب تک ۱۷ بچوں کی لاشیں یا ان کی باقیات مل چکی ہیں۔پورے علاقہ کے عوام میں غم و غصہ کی شدید لہر دوڑ گئی ہے۔یو پی سرکار نے ہر بچے کے گھر والوں کو دو دو لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا ہے۔یہ خبر اتنی تکلیف دہ ہے کہ میرے لئے اس پر کسی تاثر کا اظہار کرنا مشکل ہو رہا ہے۔اللہ تعالیٰ ہمارے معاشرے کے حال پر رحم کرے۔

اُدھر مدھیہ پردیش کے ضلع اشوک نگر کے ڈونگر پچھاڑ سے ایک انوکھی خبر آئی ہے۔وہاں پرشوتم نامی

ایک شخص اپنی بیوی شیلا بائی کے ساتھ رہ رہا تھا۔اچانک لاپتہ ہو گیا۔اس کے مفقود الخبر ہونے کے بعد شیلا بائی نے عجب سنگھ سے شادی کر لی۔اب پاکستان اور ہندوستان کے درمیان قیدیوں کے تبادلوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو پتہ چلا پرشوتم بھی وہاں قید تھا اور اب ہندوستان بھیج دیا گیا ہے۔شیلا بائی کے موجودہ شوہر نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر شیلا بائی اپنے پہلے خاوند کے ساتھ رہنا چاہے تو وہ رستے سے ہٹ جائے گا۔اگر پرشوتم اسے قبول نہیں کرتا تو اسے شیلا قبول رہے گی۔اگلے تین چار روز تک اس معاملہ میں کوئی سماجی فیصلہ ہو جانے کی توقع ہے۔بعض اخبارات کو اس خبر سے ایک مسلمان عورت گڑیا کا کیس یاد آیا ہے، ان کا شوہر عارف پاکستان کی قید میں چلا گیا تھا جبکہ ہندوستانی حکومت نے اسے بھگوڑا سمجھ لیا تھا۔تب گڑیا نے توفیق کے ساتھ دوسری شادی کر لی۔ایک عرصہ کے بعد اس کا پہلا شوہر لوٹ آیا۔ سو یوں ایک مسلم ہندوستانی خاتون کے بعد ایک ہندو خاتون بھی ویسے ہی المیہ سے گزر رہی ہیں۔

مجھے اس خبر سے فلم ''پیار کوئی کھیل نہیں'' یاد آ گئی۔مہیما چوہدری نے اس میں گڑیا اور شیلا دونوں کے جذبات کی ترجمانی کر دی تھی۔پہلے شوہر کی واپسی پر مہیما نے جو شاندار اداکاری کی ہے وہ ایسی ساری گڑیاؤں اور شیلاؤں کے اندر کی اذیت کی داستان بیان کرتی ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کے قیدیوں کے تبادلوں کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو ایک دکھ کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔پاکستان سے ہندوستان کی طرف جتنے قیدی بھی گئے ہیں سب کی ظاہری حالت مناسب تھی، لیکن ہندوستان سے جو قیدی پاکستان کو واپس کئے گئے ہیں، ان میں سے بیس پچیس کے قریب قیدی ایسے تھے جو ٹی وی پر دیکھنے سے بھی صاف دکھائی رہے تھے کہ انہیں تشدد کر کے ذہنی معذور بنا دیا گیا ہے۔یہ بڑا دردناک منظر تھا۔کیا ہندوستان کے آزاد صحافیوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں نے ان لوگوں کے بارے میں کچھ کیا ہے جنہیں زندہ درگور کر دیا گیا ہے؟

پینگوئن والوں نے ہندوستانی صحافی افتخار گیلانی پر قید میں ہونے والے وحشیانہ تشدد کی جو داستان شائع کی ہے، پاکستانی قیدی اس سے بھی زیادہ تشدد کا نشانہ بنائے گئے ہیں۔افتخار گیلانی رہا ہو کر آئے تو پھر سے اپنی صحافیانہ سرگرمیوں میں فعال ہیں۔ان کے برعکس پاکستانی قیدیوں کو ذہنی معذور بنا دیا گیا ہے۔یہ سیاسی سے زیادہ انسانی مسئلہ ہے اور ہندوستان کے صحافیوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس پر موثر احتجاج کرنا چاہئے۔

۲ر جنوری ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے : ۲

تصوف کے حوالے سے ابھی تک یہ سننے اور پڑھنے میں آتا رہا ہے کہ کسی راجہ، مہاراجہ، بادشاہ وغیرہ پر جب تصوف کا اثر ہوتا تھا تو وہ تاج تخت چھوڑ کر جنگل کی راہ لیتا تھا اور پھر دنیاوی باشاہت کی بجائے آسمانی باشاہت کا تاج پہن کر سامنے آتا، یہی وجہ ہے کہ ایسے صوفی، سادھو صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی انہیں احترام کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ کسی روحانی شخصیت کی نگاہ کا فیض ایسا ہوتا تھا کہ بڑے بڑے چور، ڈاکو بھی اپنے پیشوں سے تائب ہو کر قطب کے مقام کے حامل بن جاتے تھے۔ تصوف کی ایک اور صورت اپنے وقت کے جابر حکمرانوں کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنے والوں کی ہوا کرتی تھی۔

آج کے جدید بلکہ ''مابعد جدید'' عہد میں تصوف کو بھی تماشا بنایا جانے لگا ہے۔ پاکستان میں جنرل پرویز مشرف کی قیادت میں ایک صوفی کونسل کے قیام کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس کے سرپرست پرویز مشرف اور صدر چوہدری شجاعت حسین ہیں۔ کہاں دنیا داری کی آلودگی سے پاک اور بے نیاز صوفی، سادھو جو اقتدار کو لات مار کر نکل جاتے ہیں اور کہاں پاکستان میں اقتدار پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے والا گروہ جو ذاتی اقتدار کے استحکام کی خاطر تصوف کو بھی آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنے لگا ہے۔ جنرل پرویز کی بہت ساری غلطیوں اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے میں اب ان کا پہلے جیسا مداح تو نہیں رہا پھر بھی میں ان کا بھلا ضرور چاہتا ہوں۔ تصوف کی دنیا میں بھی عوام کو دھوکہ دینے کے لئے کئی ٹھگ قسم کے لوگ سادھو اور صوفی پن کا ڈھونگ رچا لیتے ہیں۔ یہاں شجاعت حسین جیسے لوگوں نے صوفی کونسل کا ڈھونگ رچایا ہے۔ چودھری شجاعت کے مقابلہ میں تو اپنے الطاف بھائی کی پیری میں پھر بھی کچھ دَم ہے کہ غریب عوام کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ چودھری شجاعت کی صوفی کونسل کا سرپرست بن کر جنرل پرویز مشرف اپنی پوزیشن مزید خراب کر رہے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنے ارد گرد کے سیاسی ٹھگوں کے پورے کردار کو سمجھیں (ان کے پاس تو ان کی ساری فائلیں موجود ہیں) اور صوفی کونسل کے ڈھونگ کو باعزت طریقے سے ختم کر دیں۔ مثبت سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے روشن خیالی کا نعرہ اور روشن خیال اقدامات ہی کافی رہیں گے۔ آپ روشن خیالی کے تقاضوں کے مطابق سارے اہم، بنیادی اچھے کام مکمل

کر لیں اور معاف کرائے گئے قرضے قومی خزانے میں واپس کرا دیں تو قوم ویسے بھی آپ کو دعائیں دے گی۔ اس میدان میں ابھی آپ کو بہت سارے اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔ میری دلی خواہش ہے کہ اس معاملہ میں پرویز مشرف تضحیک کا نشانہ نہیں بنیں، سو ان سے گزارش ہے کہ اپنی سرپرستی میں بنائی گئی صوفی کونسل کو فوراً ختم کر دیں۔

اہلِ ظاہر نہ کریں کوچۂ باطن کی تلاش
کچھ نہ پائیں گے یہاں رنج و مصیبت کے سوا

دسمبر ۲۰۰۶ء کے آخر میں ہونے والا اس سال کا حج اس لحاظ سے بابرکت تھا کہ جمعہ کے دن کی وجہ سے حجِ اکبر تھا۔ اس کی ایک اور بے حد اہم خصوصیت یہ رہی کہ اس بار شیطان کو کنکریاں مارنے کے دوران رش اور بدانتظامی کی وجہ سے ہونے والی اموات نہیں ہوئیں اور رمی جمرات کے سارے مرحلے خیر و عافیت سے مکمل ہو گئے، و گرنہ ہر سال متعدد حجاج کرام رمی جمرات کے دوران کچلے جاتے تھے اور یہ سلسلہ کئی برسوں سے نہایت بے حسی کے ساتھ دیکھا جا رہا تھا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ میری تجویز سعودی حکام تک پہنچ گئی اور انہوں نے اس پر عمل کر کے اس مسئلے کا حل نکال لیا، تاہم یہاں یہ بتانے میں کوئی حرج نہیں کہ میں نے فروری ۲۰۰۳ء میں حج کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس کا کچھ احوال اپنے سفر نامہ ''سوئے حجاز'' کے دوسرے ایڈیشن مطبوعہ ۳۰ ستمبر ۲۰۰۴ء میں شامل کر دیا تھا۔ اس میں نہ صرف ہلاکتوں کی وجہ کو بیان کیا تھا بلکہ آسان پیرائے میں اس مسئلے کا حل بھی تجویز کر دیا تھا۔ سال ۲۰۰۵ء کے حج پر جب پھر اموات ہوئیں تو میرے سفر نامہ کے ان اقتباسات کو روزنامہ انقلاب بمبئی میں ندیم صدیقی صاحب نے شائع کیا تھا۔ وہ اقتباسات حوالوں کے ساتھ یہاں بھی پیش کئے دیتا ہوں:

''ہجوم کے باعث جو ہلاکتیں ہوتی ہیں اس میں ہجوم کی زیادتی سے زیادہ بدانتظامی کا دخل ہے۔ جہاں سے لوگ پتھر مارنے کے لئے جا رہے ہیں وہیں سے واپس آ رہے ہیں۔ کوئی لائن یا ترتیب نہیں ہے۔ بس جب ایک طرف کا چھوٹا سا ہجوم اور مخالف سمت کا چھوٹا سا ہجوم برابر کی زور آزمائی شروع کر دیتا ہے تو پھر کچلے جانے سے یا دَم گھٹنے سے اموات ہو جاتی ہیں۔۔۔۔ جتنی اموات بھی ہوتی ہیں محض بدانتظامی کی وجہ سے۔۔۔ وہ بدانتظامی جو سارے اسلامی ملکوں کی شناخت بن چکی ہے۔''

(**سوئے حجاز** ایڈیشن دوم صفحہ نمبر ۱۲۲، ۱۲۳)

''منیٰ میں رمی جمرات کے موقعہ پر ہر سال اموات ہوتی ہیں۔ یہ اموات صرف اور صرف بد

انتظامی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔اس سلسلے میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جہاں سے لوگ پتھر مارنے کے لئے آ رہے ہوتے ہیں ان کی واپسی بھی وہیں سے ہوتی ہے۔اسی لئے آتے ہوئے ہجوم اور جاتے ہوئے ہجوم کے ٹکراؤ سے بھگدڑ مچتی ہے اور کمزور لوگ مارے جاتے ہیں۔اسی حج کے موقعہ پر اور اسی رش کے عالم میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے وقت جو جگہ ہوتی ہے وہ منیٰ کے مقابلہ میں خاصی محدود جگہ ہوتی ہے لیکن چونکہ وہاں آنے اور جانے کے رستے بالکل الگ الگ بنے ہوئے ہیں۔اسی لئے نہ وہاں کوئی بھگدڑ مچتی ہے نہ وہاں لوگوں کی اموات ہوتی ہیں۔ان دو مثالوں سے ہی مسئلے کا حل واضح ہو جاتا ہے۔یعنی رمی جمرات کے لئے آنے اور جانے کے بالکل الگ الگ رستے بنائے جانے چاہئیں۔یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہوگا صرف نیت کرنے کی بات ہے اور کام شروع کر دیا جائے تو اگلے حج سے پہلے سارا انظام سیٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔'' (**سوئے حجاز** ایڈیشن دوم صفحہ نمبر ۱۳۳)

خوشی کی بات ہے کہ اس بار میری بیان کردہ تجویز کے مطابق نہ صرف آنے اور جانے کے رستے الگ الگ بنائے گئے بلکہ دو منزلہ رستوں کو تین منزلہ بھی کر دیا گیا ہے۔اگر میری تجویز سعودی حکام کی نظر تک پہنچی ہے تو مجھے خوشی ہے لیکن اگر سعودی حکام کو کئی سال تک حجاج کی اموات پر بے حسی کے بعد یکا یک از خود احساس ہوا ہے اور ان کا ذہن اتنا کام کر گیا ہے کہ انہوں نے خود ہی مسئلہ کا حل ڈھونڈ نکالا ہے تو تب بھی خوشی کی بات ہے۔

ویسے مجھے اپنی خوش فہمی میں رہنے کا زیادہ مزہ آ رہا ہے۔

اقوام متحدہ کے نئے سیکریٹری جنرل 'بین کی مون' نے اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ان کا تعلق جنوبی کوریا سے ہے۔انہوں نے ہندوستان کے نمائندہ وجے نمبیار کو اپنا چیف آف سٹاف مقرر کیا ہے۔بظاہر تو سارا سیٹ اپ امریکی خواہشات کے مطابق ترتیب پایا ہے،دیکھیں اب یہ لوگ عالمی امن کے قیام واستحکام کے لئے کیا کچھ کر پاتے ہیں اور اقوام متحدہ کو کس حد تک خود مختار اور موثر بنا پاتے ہیں۔فی الوقت تو اقوام متحدہ امریکہ سرکار کی خواہشات کو پورا کرنے کا ایک ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔امریکی مطلق العنانی کا سلسلہ تب سے زور پکڑ گیا ہے جب سے سابق سوویت یونین کی شکست وریخت ہوئی ہے۔سوویت یونین کو توڑنے میں امریکہ نے سب سے زیادہ مسلمان ممالک کو استعمال کیا۔مسلمان حکومتوں کے حکمرانوں،جرنیلوں اور مذہبی گروہوں نے مل کر امریکی جہاد میں بھر پور حصہ لیا۔لیکن سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد وہی مسلمان ممالک،حکمران،جرنیل اور مذہبی گروہ اب امریکہ کی زد پر ہیں۔پہلے

جنہیں مجاہدین کہا جاتا تھا،وہ اب دہشت گرد کہلائے ہیں۔اب مسلمانوں کو اس کا ادراک کر لینا چاہئے کہ انہوں نے سوویت یونین کے خلاف قطعاً کوئی جہاد نہیں کیا تھا۔جہاد کے نام پر بے وقوف بنائے گئے تھے اور استعمال کئے گئے تھے۔سوویت یونین کو توڑنے میں امریکی سازش کا حصہ بننے والے سارے مسلمان طبقات نے بیسویں صدی کا سب سے بڑا گناہ کیا تھا اور اب اسی گناہ کی سزا مل رہی ہے۔افغانستان کے جن جہادی گروپوں کو مجاہدین قرار دیا گیا،سوویت یونین کے ٹوٹنے اور امریکہ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد انہوں نے افغانستان میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کئے رکھا۔سعودی عرب نے مجاہدین میں صلح کرانے کے لئے کوشش کی۔تمام بڑے لیڈروں کو خانہ کعبہ میں بٹھا کر صلح کرائی گئی،کعبہ شریف میں بیٹھ کر حلف اُٹھائے گئے اور پھر کابل پہنچنے تک کعبہ میں بیٹھ کر کھائی گئی ساری قسمیں توڑ دی گئیں اور ان مخصوص مسالک کے علماء میں سے کسی کو اس حلف کو توڑنے پر مجاہدین کی مذمت کرنے کی بھی توفیق نہیں ملی۔کیا پتہ افغانستان کا موجودہ بُرے حال تک پہنچنا درحقیقت کعبہ شریف میں بیٹھ کر قسمیں کھا کر مکر جانے والوں کے لئے ربِ کعبہ کی طرف سے سزا ہو۔لیڈروں کے گناہوں کی سزائیں تو پوری قوم کو بھگتنا ہوتی ہیں۔

سوویت یونین کے خلاف امریکہ کا آلۂ کار بننے والوں کا جواب یہ ہوتا ہے کہ افغانستان میں روس کے داخلے کے بعد اگر پاکستان ''امریکی جہاد'' نہ کرتا تو افغانستان کے بعد پاکستان کی باری آنے والی تھی۔معاملہ روس اور افغانستان کا تھا،پاکستان پرائی آگ میں کود پڑا۔یہ وہ جواز ہے جسے اب امریکہ نے اپنی پالیسی لائن بنا لیا ہے۔اس کا بھی یہی کہنا ہوتا ہے کہ جس ملک سے امریکہ اور دنیا کی سلامتی کو خطرہ محسوس ہوگا (یہ محسوس ہونا،اپنے اپنے احساس کی بات ہے)،اپنے اور دنیا کے امن کے تحفظ کی خاطر امریکہ اس کے خلاف ہر طرح کی کاروائی کرنے کا حق رکھتا ہے۔اقوام متحدہ کا ادارہ ایسی کاروائیوں کی توثیق کر دیتا ہے۔بین کی مون بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکیں گے۔

مہاراشٹر کے شہر اورنگ آباد میں ۵؍جنوری کو ایک مسلمان نوجوان سہیل احمد عبدالقیوم گلمنڈی علاقہ میں سپاری ہنومان مندر میں گھس گیا۔وہاں اس نے پوجا میں مشغول پنڈت کی پٹائی کر دی اور ساتھ ہی اللہ اکبر کے نعرے لگانے لگ گیا۔جب یہ خبر مندر سے باہر نکلی تو ہزاروں شیوسینک وہاں جمع ہو گئے۔سہیل احمد عبدالقیوم کو پہلے تو وہاں موجود لوگوں نے اچھی طرح مارا پیٹا،پھر اسے پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔شہر میں شیوسینکوں نے اپنے اشتعال کا مظاہرہ کیا لیکن مسلمانوں کے تحمل نے مزید کوئی خرابی پیدا نہیں ہونے

دی۔اخبار کی اطلاع کے مطابق سہیل احمد عبدالقیوم کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں ہے۔میرے خیال میں یہ جو کچھ بھی ہوا ہے بہت برا ہوا ہے۔اگر مسلمان نوجوان کا ذہنی توازن واقعتاً ٹھیک نہیں ہے تب بھی اس کے گھر والوں کو ایسے نوجوان کو سنبھال کر رکھنا چاہئے تھا۔خبر سے لگتا ہے کہ ذہنی عدم توازن والی بات شاید بنائی جا رہی ہے۔سیدھے سادہ مسلمان نوجوان کو کہیں سے تو یہ تحریک ملی ہوگی کہ وہ اس طرح مندر میں جائے،اور اس طرح پنڈت کو مارنے کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرے۔جنونی مسلمان اپنی انتہا پسندی کے باعث اسلام کے نادان دوست بن چکے ہیں۔سہیل احمد عبدالقیوم کی حرکت سے مہاراشٹر میں بڑی سطح پر فرقہ وارانہ آگ لگ سکتی تھی۔بچ بچا ہو گیا ہے تو خدا کا شکر ادا کیا جانا چاہئے۔ایسے پاگلوں کو بھی کچھ تو عقل سے کام لینا چاہئے۔

۶؍جنوری کے اخبار میں اورنگ آباد کی تکلیف دہ خبر پڑھی اور ۷؍جنوری کو روزنامہ جنگ نے خبر دی ہے کہ برمنگھم کے ایک نوجوان عمران جاوید کو قتل پر اکسانے کے الزام میں جرم ثابت ہو جانے پر سزا کا سامنا ہے۔گزشتہ برس ڈنمارک کے ایک اخبار میں نازیبا کارٹونز کی اشاعت پر احتجاجی مظاہروں کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا،تب انگلینڈ میں ہوئے مظاہرہ میں عمران جاوید نے ’’امریکہ پر بم گراؤ،ڈنمارک پر بمباری کرو۔امریکی اور ڈینش لوگوں کو قتل کرو‘‘ کے نعرے لگائے تھے۔اس نوجوان پر قتل پر اکسانے کا الزام ثابت ہو گیا ہے،چنانچہ اسے پولیس کی حراست میں دے دیا گیا ہے۔اپریل میں سزا کا فیصلہ سنایا جائے گا۔یہ سزا چند برسوں سے لے کر عمر قید تک ہو سکتی ہے۔جب عمران جاوید کا جرم ثابت ہو جانے کا فیصلہ سنایا گیا تو کمرۂ عدالت میں موجود ایک شخص نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور پھر بلند آواز کے ساتھ کہا ’’میں جج،جیوری،عدالت اور تم سب پر لعنت بھیجتا ہوں‘‘۔پولیس اسی وقت اسے پکڑ کر باہر لے گئی۔چند اور افراد نے بھی عدالت کے خلاف توہین آمیز نعرے لگائے۔اگر ایسے نعروں سے اسلام کا اور مسلمانوں کا کچھ بھلا ہونے والا ہے،تو ایسی نعرہ بازی کرتے رہئے۔لیکن اگر اس کے مقابلہ میں یورپ میں دستیاب علمی سہولتوں سے فائدہ اُٹھا کر جدید علوم میں ہمارے نوجوان دلجمعی کے ساتھ آگے بڑھنا چاہیں تو شاید مسلمانوں کے لئے زیادہ تقویت کا موجب بن سکیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی سماجی،معاشی اور تعلیمی صورتحال کا مطالعہ کرنے والی سچر کمیٹی کی تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اتر پردیش میں مسلمان آبادی والے دو ہزار دیہات ایسے ہیں جہاں کوئی تعلیمی ادارہ نہیں ہے۔بہار اور مغربی بنگال میں بھی ایک ہزار کی تعداد میں مسلم آبادی والے ایسے دیہات ہیں

جہاں کوئی اسکول نہیں ہے،کوئی تعلیمی سہولت نہیں ہے۔اسلام میں علم حاصل کرنے کی بہت زیادہ تلقین کی گئی ہے،مذکورہ رپورٹ کے مطابق مسلمان آبادی والے دیہاتوں میں اسکول کھولنے کے معاملہ میں سرکاری طور پر تساہل ہوا،وسائل کی کمی کی مجبوری تھی یا مسلمانوں کے ساتھ جان بوجھ کر ناانصافی ہوئی ہے، تاہم مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ حکومت سے اپنے حق کے مطالبہ کے ساتھ اپنی مدد آپ کے تحت بھی اپنے بچوں کے لئے تعلیم کا کچھ انتظام شروع کر لیں۔

پاکستان میں موبائل فون چھیننے کی وارداتیں اتنی عام ہو گئی ہیں کہ اس کے لئے کوئی انوکھی سے انوکھی مثال بھی انوکھی نہیں رہی۔ایک وزیر صاحبہ سے اس کے باڈی گارڈز کی موجودگی میں پرس اور موبائل چھین لیا گیا تھا۔اس سے عام شہری کی حالتِ زار کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔افسوس کی بات یہ ہے کہ موبائل چھیننے والے معمولی سی مزاحمت پر گولی مار دیتے ہیں۔انسانی زندگی کی اس ارزانی پر کیا کہا جائے۔اب تازہ ترین خبر یہ ہے کہ لاہور میں ڈی آئی جی پولیس تصدق حسین کو سات اور آٹھ جنوری کی درمیانی شب پستول کی نوک پر لوٹ لیا گیا،ان کی نقدی اور موبائل فون چھین لینے کے بعد ان کی طرف سے مزاحمت کرنے پر ڈاکوؤں نے فائر کر دیا۔جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔اگر چہ ان کی حالت اب خطرے سے باہر ہے،لیکن پولیس تھانوں کی سرپرستی میں ہونے والے جرائم اب اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ اعلیٰ پولیس افسران بھی ان کی زد میں آنے لگے ہیں۔

۹؍جنوری ۲۰۰۷ء

اِدھراُدھر سے : ۳

امریکہ کی حکومت نے امریکی مسلمانوں کو اپنے قریب لانے کے لئے فوج میں مسلمانوں کو بھرتی کرنے کا پروگرام تیار کیا ہے۔نائن الیون کے بعد مسلمانوں کو جس طرح سول سوسائٹی سے فاصلے پر کر دیا گیا تھا،اس کے بعد ایسے اقدام سے یقیناً فاصلے دور کئے جا سکتے ہیں۔لیکن یہاں بھی دونوں اطراف خدشات موجود رہیں گے۔امریکہ مسلمانوں کو فوج میں بھرتی کر کے بھی ان پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے ہچکچائے گا۔جبکہ مسلمان یہ سمجھیں گے کہ اس بہانے سے انہیں عراق،افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔نتیجہ یہ نکلے گا کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ،بلکہ بُش کی صلیبی جنگ میں امریکی فوج کی انفنٹری بھی (امریکی) مسلمان ہوں گے اور حملہ کی زد میں آنے والے بھی مسلمان ہوں گے۔غلط فہمیاں تب ہی دور ہو سکتی ہیں جب دونوں طرف نیتیں بالکل صاف ہوں۔ ویسے بش کی نیت تو بالکل صاف ہے،اس میں کہیں کوئی شک شبہ والی گنجائش نہیں ہے۔افغانستان اور عراق تک بش نے جو کچھ کیا ہے ''کُھل کُھلا'' کر کیا ہے۔اُدھر ٹونی بلئیر کو بھی اس سے ملتی جلتی مشکل کا سامنا ہے۔وہاں فوج میں بھرتی کی عمر کی حد ۳۱ سال تک کر دی گئی ہے اس کے باوجود مسلمان برطانوی شہری فوج میں بھرتی ہونے سے گریز کر رہے ہیں۔

گیارہ جنوری کو صدر بش جب اپنی تقریر میں عراق میں مزید فوج بھیجنے کا اعلان کر رہے تھے،اس وقت بعض امریکیوں نے وائٹ ہاؤس کے باہر عراق جنگ کے خلاف مظاہرہ کیا۔مظاہرین نے بینرز اٹھائے ہوئے تھے اور مغربی بینڈ باجے کے ساتھ کافی ہنگامہ بپا کیا ہوا تھا۔بینرز پر اس قسم کے نعرے درج تھے۔جھوٹ بولنا کمال نہیں۔جھوٹ بولنا بہادری نہیں۔میرا بھائی عراق میں ہے اسے واپس لاؤ۔لیکن سب سے زبردست بینر وہ تھا جس میں لکھا ہوا تھا کہ بش کی دونوں بیٹیوں کو عراق میں بھیجو۔اس پر ہمیں وہ وقت آ گیا جب ایم ایم اے کی قیادت پاکستان میں عراق پر حملہ کے خلاف مظاہرے کرا رہی تھی اور ایم کیو ایم کے قائد الطاف حسین نے انہیں ہوئی جہاز کے ٹکٹ بھیج کر لکھا تھا کہ غریب عوام کو بے وقوف بنانے کی بجائے عراق سے محبت اور ہمدردی کا عملی ثبوت دیں اور خود عراق میں جا کر امریکہ کے خلاف جہاد کریں۔ایم ایم اے کی قیادت نے الطاف بھائی کی پیش کش پر معنی خیز خاموشی اختیار کر لی تھی،صدر

بش بھی یقیناً ایم ایم اے کی قیادت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس مطالبہ پر معنی خیز خاموشی ہی اختیار کئے رہیں گے۔

مغربی بنگال کے چیف منسٹر بدھا دیپ بھٹا چارجی نے صنعتی مقاصد کے لئے زرعی اراضی کے حصول کے چل رہے مسئلہ پر جمعیتہ العلمائے ہند کو فرقہ پرست تنظیم قرار دیا ہے۔اس پر جمعیتہ العلمائے ہند مغربی بنگال کے جنرل سیکریٹری صدیق اللہ چودھری نے جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ وزیر اعلیٰ اور ان کے ساتھی تاریخ سے ناواقف ہیں،ہم فرقہ پرست نہیں ہیں۔اس کے بعد صدیق اللہ چودھری نے جمعیتہ العلمائے ہند کے فرقہ پرست نہ ہونے کے جو شواہد پیش کئے ہیں ان میں سب سے اہم یہ ہے کہ انہوں نے قیامِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔

یہ دلچسپ امر ہے کہ ہندوستان میں جمعیتہ العلمائے ہند والے خود کو (بجا طور پر) پاکستان مخالف ثابت کرتے ہیں لیکن طرفہ تماشہ دیکھیے کہ پاکستان میں اسی ''اسکول آف تھاٹ'' کے سارے مولوی لوگ جو پاکستان کی مخالفت کرتے رہے تھے،اب نظریۂ پاکستان کے چیمپئن بنے ہوئے ہیں۔

جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی ہے اور یوں بھی۔

لندن کی سوِنڈن کراؤن کورٹ نے نسل پرست برٹش نیشنل پارٹی کے ۲۲ سالہ سرگرم رکن مارک بلہم کو پانچ سال قید کی سزا سنائی ہے۔اس پر الزام تھا کہ اس نے مقامی براڈ اسٹریٹ مسجد میں پٹرول سے بھری ہوئی بوتل پھینکی تھی۔اگرچہ بوتل ٹوٹی نہیں اور آگ نہیں لگی،تاہم اس کے جرم کی نوعیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے یہ سزا سنائی گئی ہے۔فیصلہ کے موقعہ پر مارک ملہم کی طرف سے مطالبہ سامنے آیا کہ اسے عدالت سے خطاب کرنے کا موقعہ دیا جائے۔عدالت نے سیاسی انداز کی تقریر کرنے کی اس درخواست کو مسترد کرتے ہوئے یہ ریمارکس دیئے:

''تم جیسے بیوقوف لوگوں کو جرم سے روکنے کے لئے سخت سزا کی ضرورت ہے۔تم نسل پرست ہو۔تم عمارت کو جلانا چاہتے تھے۔سوِنڈن میں مختلف نسلیں آباد ہیں اور ان سب کو اکٹھا رکھنا اہم ہے''

عالمی سیاست اور اس کی ترجیحات اپنی جگہ لیکن یہ عدالتی فیصلہ برطانیہ کی عام عدالتوں کے عادلانہ کردار کی ایک چھوٹی سی لیکن روشن مثال ہے۔یہ لوگ مسلمان عمران جاوید کو سزا دیتے ہیں تو اپنے مارک ملہم کو بھی سزا دیتے ہیں۔

مسلمانوں کی جذباتیت اور مشتعل مزاجی کے منفی رویوں کی ایک تازہ مثال کویت سے آئی ہے۔روزنامہ

نوائے وقت انٹرنیٹ ایڈیشن (۱۱رجنوری ۲۰۰۷ء) سیکشن تازہ خبریں کی ایک خبر کا ابتدائی اور آخری حصہ کسی تبصرہ کے بغیر درج کر رہا ہوں۔خبر کا آخری حصہ بجائے خود خبر کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔

''کویت (آن لائن۔نمائندہ خصوصی) کویت کے علاقہ الفراونیہ میں جوتوں کی ایک دوکان میں جوتوں پر نبی اکرم ﷺ کا اسم محمدؐ لکھا ہوا پایا گیا جس کے بعد لوگوں نے مشتعل ہو کر شوز سٹور کا گھیراؤ کر کے احتجاج کیا۔پولیس نے موقع پر پہنچ کر حالات کو قابو میں کر لیا۔۔۔۔۔۔۔کویت کے محکمہ اوقاف اور اسلامک افیئرز نے کہا ہے کہ انہیں جانچ پڑتال کے بعد جوتوں پر اسم محمدؐ لکھا ہوا نہیں ملا،اس لئے ایسے جوتوں کی خرید و فروخت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔''

آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل (ر) حمید گل نے کہا ہے کہ پاکستان میں اس سال یا اگلے سال متوقع انتخابات میں بڑے پیمانے پر دھاندلی کی مشقیں شروع کر دی گئی ہیں۔دھاندلی کے لئے ایسی تیکنیک استعمال کی جاتی ہے کہ ملکی اور غیر ملکی مبصروں کو خبر تک نہیں ہوتی۔الیکشن کمشنر خواہ کتنا ہی دیانتدار ہو ،دھاندلی کی ماہر انتظامیہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔انہوں نے کہا کہ اس دفعہ ریکارڈ دھاندلی کا امکان ہے۔

موجودہ حکومت کس حد شفاف انتخابات کرانے میں نیک نیت ہے؟ یہ تو موجودہ حکومت بہتر جانتی ہے یا پھر انتخابات ہونے پر اندازہ ہو جائے گا۔تاہم جنرل حمید گل نے جو کچھ کہا ہے اپنے وسیع تجربہ کی بنیاد پر بالکل درست کہا ہے، کیونکہ وہ خود ایسا سب کچھ کراتے رہے ہیں۔ بے شک انہیں دھاندلیوں کی ساری تراکیب کا بخوبی علم اور وسیع تجربہ ہے۔

نئے سال کے آغاز کے ساتھ پاکستان، انڈیا اور سعودی عرب میں شدید سردی کی لہر آ گئی۔ یہاں تک کہ بعض شہروں میں درجۂ حرارت زیرو سے بھی نیچے چلا گیا اور ٹھنڈے علاقوں میں منفی چودہ تک پہنچ گیا۔چونکہ ان علاقوں میں اتنی سردی کا خطرہ نہیں ہوتا اس لئے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ہیٹنگ سسٹم بھی نہیں ہے۔اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ موسم کی یکا یک تبدیلی سے کئی انسانی جانیں ضائع ہو گئیں۔دوسری طرف یورپ اور امریکہ میں انہیں دنوں میں درجۂ حرارت غیر معمولی طور پر بڑھ گیا۔یہاں جرمنی میں جنوری کے مہینے میں چودہ ڈگری تک پہنچ گیا۔میں جاب پر جاتے ہوئے اوور کوٹ اور مفلر لے کر جاتا ہوں، چودہ ٹمپریچر والے دن مجھے کوٹ، جرسی اور مفلر اتارنا پڑ گئے اور کاٹن کی جیکٹ سے کام چلانا پڑا۔وقتی طور پر سہی پھر بھی دو مختلف موسمی خطوں میں ایسی ڈرامائی تبدیلی کیوں آئی؟ابھی تک اس کا کوئی واضح تحقیقی جواز سامنے نہیں آیا۔تاہم مغربی سائنس دان موسم میں اس ڈرامائی تبدیلی پر پریشان ہو گئے ہیں اور مختلف

امکانات پر غور کیا جا رہا ہے۔

بھارتی وزیر خارجہ پرنب مکر جی پاکستان کا دو روزہ دورہ کر آئے ہیں۔اس سے دونوں ملکوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور سمجھانے میں مدد ملے گی اور بنیادی مسائل کے حل کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنے میں آسانی پیدا ہوگی۔ جب پرنب مکر جی ہمارے صدر جنرل پرویز مشرف سے مل رہے تھے تو مجھے صدر مشرف کا دورۂ ہند یاد آ رہا تھا۔اس دورہ میں پرویز مشرف نے رانی مکر جی کی تعریف کرتے ہوئے بطور خاص انہیں پاکستان کا دورہ کرنے کی دعوت دی تھی۔اس کے بعد سے اب تک کتنی ہی بھارتی فلمی شخصیات پاکستان سے ہو آئی ہیں لیکن نہیں گئی تو رانی مکر جی نہیں گئی۔رانی مکر جی نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور پاکستان آئے گی سو اسے اپنا وعدہ پورا کرنا چاہئے، ورنہ ہم اس کا نام ''رانی مُکر گئی'' رکھ دیں گے۔ پرانی رنجشوں کے خاتمہ میں ثقافتی وفود کے دورے سیاسی وفود سے زیادہ مفید ثابت ہوتے ہیں اور یقین واثق ہے کہ رانی مکر جی کا دورہ پرنب مکر جی کے دورے سے کہیں زیادہ بہتر اور خوشگوار نتائج کا حامل ہوگا۔

امریکہ کی ایک عدالت نے فیصلہ دیا ہے کہ جو لوگ اپنے بچپن یا لڑکپن میں بعض پادریوں کی جنسی وارداتوں کا شکار ہوئے ہیں، وہ چاہیں تو ویٹکن کے خلاف ہرجانہ کا دعویٰ کر سکیں گے۔اپنے پاکستانی اور ہندوستانی ماحول کے حساب سے اندازہ تھا کہ امریکہ میں بلکہ پورے یورپ میں بھی اس فیصلہ کو مسیحیت دشمنوں کی عالمی سازش قرار دے کر اس کے خلاف مظاہرے کرائے جائیں گے اور پادری صاحبان اس کی مذمت میں بیانات دیں گے لیکن ابھی تک ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔اخلاقی مسائل جیسے پادری صاحبان کے ساتھ ہیں ویسے ہی یہاں کے بعض پنڈت اور مولوی صاحبان کے ساتھ بھی ہیں۔ لیکن یہاں کسی کو مندر کے اندر سے یا مسجد کے منسلکہ حجرے سے رنگے ہاتھوں بھی پکڑ لیا جائے تو اُلٹا پکڑنے والوں کو دشمن کا ایجنٹ قرار دے کر گھناؤنی سازش کا مرتکب قرار دے کر ملعون بنا دیا جاتا ہے۔ پاکستان میں مذہبی امور کی وزارت کے وزیر مملکت نے کچھ عرصہ پہلے بیان دیا تھا کہ ہمارے دینی مدارس میں جنسی حوالے سے اخلاقی مسائل موجود ہیں۔اس پر ان کے خلاف وہ بیان بازی ہوئی کہ بے چارے وزیر کو معذرت خواہانہ وضاحت کر کے جان چھڑانا پڑی۔اپنے اپنے اندرونی مسائل کا سامنا کرنے کے معاملے میں مغرب اور ہمارے مشرق کے کرداروں کے یہی فرق ہیں۔اور اس کا نتیجہ بھی صاف ظاہر ہے۔

امریکہ اور برطانیہ نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں میانمار (سابق برما) کی فوجی حکومت

کے خلاف قرارداد پیش کی جو جمہوری اقدار کے فروغ اور انسانی حقوق کی ابتری سے متعلق تھی۔ جمعہ کے روز بارہ جنوری کو روس اور چین نے مل کر اسے ڈبل ویٹو کر دیا۔قرارداد ایک ویٹو سے بھی مسترد ہو سکتی تھی، تاہم ڈبل ویٹو سے روس اور چین نے ایک طرح عالمی سطح پر بڑھتی ہوئی امریکی جارحیت کی مزاحمت کا اشارہ دیا ہے۔ورنہ فوجی اور شخصی حکومتوں کے خاتمہ اور انسانی حقوق کے معاملات پر امریکہ کا کردار پاکستان اور عرب ممالک میں گزشتہ نصف صدی سے ایک تماشہ بن کر رہ گیا ہے۔امریکہ کو ایسی باتیں صرف وہاں یاد آتی ہیں جہاں اس کے مفادات کو خطرہ لاحق ہو۔ جہاں امریکہ کے مفادات وابستہ ہوں وہاں وہ مزے سے کہہ دیتا ہے کہ جمہوریت اس ملک کا اپنا اندرونی معاملہ ہے۔جیسے حال ہی میں جنرل مشرف کی وردی اور جمہوریت کے سلسلے میں امریکہ نے کہا ہے کہ یہ پاکستان کا اندرونی معاملہ ہے جس میں ہم دخل نہیں دے سکتے۔

انڈیا سے ایک ایسی خبر آئی ہے جس سے دلی تکلیف ہوئی ہے۔فلمسٹار زیبا پاکستانی فلم انڈسٹری میں وہی مقام رکھتی ہیں جو انڈیا میں ہیما مالنی کا ہے۔وہ ہندوستان کے سفر پر گئی ہوئی تھیں۔ان کے بقول انہوں نے تین شہروں کا سفر کرنے کے لئے ویزہ کی درخواست دی تھی۔ ہندوستانی سفارتخانے نے غالباً دو شہروں کے سفر کی منظوری دی، اجمیر شریف کی منظوری نہیں دی۔زیبا کے بیان کے مطابق انہیں یہ علم ہی نہیں تھا کہ تین شہروں (دہلی، رُڑکی اور اجمیر شریف) کی بجائے انہیں دو شہروں کا ویزہ دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اجمیر شریف سے اپنی عقیدت کے مطابق وہاں بھی چلی گئیں۔اس پر متعلقہ حکام نے اس کا نوٹس یوں لیا کہ زیبا کو فوری طور پر ملک چھوڑنے کا حکم دے دیا۔زیبا کا جو فنکارانہ مقام اور مرتبہ ہے صرف اسی کا لحاظ کر لیا جاتا تو انہیں ان کی تیکنیکی غلطی کا بتا کر پھر خود اجمیر شریف کے ویزہ کی منظوری دے کر وہاں سرکاری خرچ پر قیام کی مزید سہولت دی جا سکتی تھی۔قانون کے نام پر ہندوستان کے متعلقہ اداروں کی اس بداخلاقی پر مجھے دلی طور پر صدمہ پہنچا ہے۔لگتا ہے دونوں ملکوں کے انتہا پسند عناصر جو دونوں طرف اقتدار کے کوریڈورز میں بھی کسی نہ کسی حد تک موجود ہیں، موقعہ ملنے پر اس قسم کی حرکتیں کر کے بہتر ہوتے ہوئے تعلقات کو خراب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہندوستان میں جن لوگوں نے زیبا کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے وہ حقیقتاً اُسی لابی کے لوگ ہیں جو ہند پاک تعلقات کو بہتر ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔

اُدھر انگلینڈ میں بھارتی اداکارہ شلپا شیٹی کے ساتھ ایک ٹی وی پروگرام ''بگ برادر'' میں زیادتی ہوگئی ہے۔اس پروگرام میں شامل انگریز اداکاروں نے شلپا کی انگریزی کا مذاق اُڑایا اور نسل پرستی

کا تاثر دیا۔شلپا اس صورتحال پر رونے لگ گئیں، اس سے نہ صرف ہندوستان میں شدید ردِعمل ہوا بلکہ سیاسی سطح پر بھی کچھ کھلبلی سی مچ گئی۔معاملہ برطانوی پارلیمنٹ تک جا پہنچا اب پروگرام کے کمپئیر نے شلپا سے معافی مانگ لی ہے اور اطلاع کے مطابق شلپا نے اسے معاف بھی کر دیا ہے۔اخباری اطلاع کے مطابق شلپا شیٹی کو اس پروگرام میں شرکت کرنے کے لئے چھ لاکھ چھیاسی ہزار ڈالر معاوضہ دیا گیا۔شلپا تو خیر بڑی اچھی انگریزی جانتی ہیں۔لہجوں کا فرق تو قدرتی ہوتا ہے اور ہر زبان کو جب دوسرے لوگ بولتے ہیں تو ہوتا ہے۔جن لوگوں نے شلپا کا مذاق اڑایا وہ ساری زندگی اردو یا ہندی سیکھنے پر گزار لیں پھر بھی ان کی اردو یا ہندی کا لہجہ جس طرح کا ہوگا اس کے مقابلہ میں شلپا شیٹی کی انگریزی ہزار گنا بہتر رہے گی۔اس واقعہ سے ہمارے ان آرٹسٹوں کو سبق سیکھنا چاہئے جنہیں میرے جتنی انگریزی آتی ہے (یعنی نہیں آتی) لیکن اس کے باوجود ڈھٹائی کے ساتھ اردو میڈیا پر انگریزی بگھار رہے ہوتے ہیں۔

شلپا شیٹی کے ساتھ نسلی امتیاز برتنے کی زیادتی طوفانی صورت اختیار کر گئی اور اس کی توہین کرنے والی اداکارہ جیڈ گوڈی کو پروگرام بگ برادر سے باہر کر دیا گیا ہے۔ برطانیہ سے ایک اور طوفانی خبر یہ ہے کہ وزیراعظم ٹونی بلیئر کی ایک سینیئر مشیر روتھ ٹرنر کو گرفتار کر کے ''رقم لے کر اعزازات بانٹنے'' کے کیس میں تفتیش کی گئی۔ٹونی بلیئر سے بھی پولیس اس سلسلہ میں پوچھ تاچھ کر چکی ہے۔ یہ اسکینڈل ٹونی بلیئر کے اقتدار سے جاتے جاتے مزید رسوائی کا موجب بن سکتا ہے۔اعزازات بانٹنے کے لئے رقم لینے کا اسکینڈل اہلِ مغرب کے لئے نئی بات ہوگی۔ ہمارے ہاں تو شاید ہی کوئی اعزاز کسی کو جوڑ توڑ کے بغیر دیا گیا ہو۔ ہندوستان کے ایک دولت مند شاعر اور ادیب کے بارے میں مجھے ذاتی طور پر معلوم ہے انہوں نے پچیس ہزار روپے کے ایک انعام کے حصول کے لئے دو لاکھ روپے خرچ کر دیئے تھے۔

برطانیہ کے دو سیاسی طوفانوں کے ساتھ ۱۸؍جنوری کو سچ مچ کا طوفان بھی آ گیا۔ برطانیہ کا یہ طوفان نہ صرف جرمنی تک پہنچا بلکہ اس نے پورے شمالی یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ برطانیہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، ڈنمارک، پولینڈ، بلجیم، چیک جمہوریہ، سلواکیہ وغیرہ ممالک اس طوفان سے متاثر ہوئے۔ جرمنی میں بھی یہ طوفان آیا۔لیکن اس دن بارہ بجے دوپہر کو جاب پر جاتے ہوئے مجھے بس کچھ تیز ہوا کا احساس ہوا تھا۔لیکن دو بجے کے بعد ہوائیں طوفانی ہوگئیں۔ جرمنی میں دو سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے آنے والی اس قدرتی آفت سے گیارہ اموات ہوئیں جبکہ پورے یورپ میں ۵۰ سے اوپر لوگ مارے گئے۔اس سے انسانوں پر قدرت کی گرفت کا اندازہ ہوا۔تمام تر ترقی کے باوجود سارا نظام زندگی درہم

برہم ہوگیا۔جس ملک میں کسی ریلوے اسٹیشن یا سڑک کی مرمت کے دوران متبادل انتظام ہمیشہ مہیا کیا جاتا ہے وہاں اس قدرتی آفت کے بعد ریلوے اور ائر پورٹ کا سارا سسٹم ٹھپ ہوکر رہ گیا۔میں جب جاب سے فارغ ہوا تو انڈر گراؤنڈ ریلوے کے ذریعے متبادل رستے سے سنٹرل ریلوے اسٹیشن فرینکفرٹ تک تو پہنچ گیا لیکن وہاں سے آگے جانے کے لئے کوئی ٹرین نہیں ملی۔اپنے بیٹے طارق کو فون کیا تو وہ اس طوفانی موسم میں اپنی کار لے کر آیا اور مجھے گھر لے گیا۔لیکن ۱۹؍جنوری کو پھر ساری ٹرینیں معمول کے مطابق رواں تھیں۔میں اطمینان سے جاب پر گیا اور ٹھیک وقت پر واپس گھر پہنچ گیا۔آندھی کی پیشگی اطلاع کی وجہ سے اندازہ تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی طرح لال یا کالے گرد وغبار سے بھری ہوئی آندھی ہوگی جس میں لوگ سر منہ چھپاتے پھریں گے۔گھروں کے دروازے کھڑکیاں بند ہونے کے باوجود ہر گھر مٹی سے اَٹ جائے گا۔لیکن یہ طوفان بھی کم بخت بہت زیادہ صفائی پسند نکلا۔کہیں بھی خاک اڑتی نظر نہ آئی۔گوروں کا طوفان بھی گورا نکلا۔

چندروز پہلے سعودی عرب سے خبر آئی تھی کہ وہاں دو بزرگ بابوں نے ایک دوسرے کی جوان بیٹیوں سے شادی کر لی ہے اور یوں بڑھاپے میں وٹے سٹے کی انوکھی مثال قائم کردی۔اب پاکستان سے خبر آئی ہے کہ گوجرانوالہ کے ایک ۸۰ سالہ بابا جی نے اولادِ نرینہ کی خواہش سے مجبور ہوکر ایک ۱۸ سالہ لڑکی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔انگریزی میں دولہا، دلہن کی عمر بتائی جائے یعنی Eighty اور Eighteen تو بات کچھ گول مول ہوکر گزارا کر جاتی ہے لیکن اردو میں تو اس فرق کو چھپائے نہیں چھپایا جاسکتا۔تینوں بزرگوں کی ''جواں ہمتی'' پر انہیں داد دینے کے ساتھ یہ بتانا ضروری ہے کہ جب اتنی بڑی عمر کے بزرگ اتنی کم عمر لڑکیوں کے ساتھ شادیاں کرتے ہیں تو محلّہ کے نوجوان بہت خوش ہوتے ہیں۔

۲۲؍جنوری ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۴

اسرائیل اندرونی طور پر ایک اخلاقی بحران سے گزر رہا ہے۔اس کے صدر موشے کیٹساف پر جنسی زیادتی کے الزام کی فردجرم عائد کردی گئی ہے۔چیف آف آرمی اسٹاف لبنان میں ہزیمت کے بعد کرپشن کے الزام میں ہٹائے جاچکے ہیں۔اور وزیر انصاف نے مطالبہ کیا ہے کہ وزیراعظم کو بھی مستعفی ہو جانا چاہئے۔اس ساری صورتحال پر اسرائیل کے نائب وزیراعظم شمعون پیریز نے تشویش کا ظہار کرتے ہوئے کہا ہے کہ:اسرائیلی قیادت کی بدعنوانیوں اور ذاتی کمزوریوں نے ملک کو خطرے سے دوچار کردیا ہے۔صدر کے خلاف بدکاری کا جرم ثابت ہوچکا ہے، چیف آف آرمی اسٹاف کرپشن کی وجہ سے فارغ ہو چکے ہیں۔وزیراعظم کے خلاف بھی کرپشن کے کیس سامنے آرہے ہیں۔موجودہ قیادت کرپشن میں ملوث ہوچکی ہے جس کی وجہ سے ملک کو خطرات لاحق ہوگئے ہیں۔

ایک یہودی صدر ہے جو ایک جنسی اسکینڈل میں ملوث ہوا تو قانون کی لپیٹ میں آرہا ہے، ایک پاکستان کا مسلمان صدر تھا جنرل یحیٰی خان جس کے جنسی اسکینڈل ملک کے بچے بچے کی زبان پر تھے، جس نے ملک کو دولخت کرادیا لیکن اس کے اقتدار پر رہتے ہوئے کسی عدالت کو جرأت نہ تھی کہ اس کے خلاف بدکاری کے کسی کیس کی سماعت بھی کر سکے۔تب سے اب تک اقتدار کے ایوانوں میں کیا کچھ نہیں ہو رہا؟ لیکن مجال ہے کوئی بڑے سے بڑا حق گو صحافی بھی کبھی اس کا کوئی ہلکا سا اشارہ کر سکے۔عدالتوں میں جانے اور سماعت کرنے اور فردِ جرم عائد کرنے کی باتیں تو خواب وخیال کی باتیں ہیں۔جس دن مسلمان ممالک کے حکمرانوں کا ان کے مضبوط اقتدار کے دوران عدالتی انصاف شروع ہوگیا سمجھ لیں مسلمان ممالک کے حالات میں بہتری کے امکانات پیدا ہوگئے، وگرنہ علامہ اقبال نے یونہی تو نہیں کہہ دیا تھا

؎ یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

سعودی عرب کے حکمران شاہ عبداللہ نے کویت کے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ سعودی عرب ایران کے خلاف کوئی متحدہ محاذ نہیں بنا رہا ہے۔اور یہ بات انہوں نے ایرانی مذاکرات کار علی لارے جانی کی سعودی عرب میں آمد پر بھی انہیں کہی تھی۔اس بیان کو عام نظر سے دیکھا جائے تو ایک خوشکن اور اطمینان بخش قسم کا بیان ہے جس سے دو برادر اسلامی ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات کی امید کی

جاسکتی ہے۔تاہم ڈپلومیٹک زبان میں دیکھا جائے تو یہ بیان کئی شبہات کوراہ دیتا ہے۔عراق اورایران کے درمیان جو بے معنی اور مسلمانوں کو ہی کمزور کرنے والی طویل جنگ ہوئی تھی،اس جنگ میں سعودی عرب اوراس کے حلیف عرب مما لک نے کھل کرصدام حسین کی مدد کی تھی۔ان سب کی پشت پرامریکہ موجود تھا۔تب سے ہی افغانستان اور پاکستان تک شیعہ،وہابی فساد کی جومختلف صورتیں سامنے آئیں،ان میں عرب مما لک کا محاذ ایک طرف اورایران دوسری طرف موجود رہا ہے۔اب امریکہ اوراسرائیل کسی نہ کسی بہانے سے ایران کونشانہ بنانا چاہتے ہیں اور حالیہ دنوں میں ایسے اشارے مل رہے تھے کہ جیسے عرب مما لک بھی امریکہ کا ساتھ دینے پر تیار ہیں۔اسی وجہ سے شاہ عبداللہ کوعلی لارے جانی کو بھی یہ پیغام دینا پڑااور کویتی اخبار میں بھی اس وضاحت کو انٹرویو کی صورت میں جاری کرایا گیا ہے۔ ڈپلومیٹک زبان میں ایسی وضاحت کا مطلب کئی زاویے رکھتا ہے۔اللہ ایران پر بھی اور سارے اسلامی ملکوں پر بھی رحم فرمائے۔

کبھی کبھی ایسی عجیب سی خبریں سننے میں آتی ہیں جو ہمارے ذہنی سانچوں میں فِٹ نہیں بیٹھتیں۔ قدرتی آفات اور حادثات کا شکار ہونے والوں سے ہمدردی کی جانی چاہئے لیکن ہمارے ذہنی سانچے ایسے ہیں کہ کسی مخالف فرد یا گروہ کی ہلاکت کوخدا کی طرف سے سزا قرار دے دیتے ہیں۔دومختلف قسم کی لیکن ایک ہی مفہوم کی خبریں آئی ہیں۔انڈونیشیا کے علاقہ سلاوسی میں زیرِسمندر آنے والے زلزلہ کے نتیجہ میں ایک شخص ہلاک اور دوزخمی ہوگئے ہیں۔اب سوچنے والی بات ہے کہ کیا یہ زلزلہ صرف اسی ایک گنہگار کو سزا دینے کے لئے آیا تھا؟ابھی یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ اس کا مذہب کیا ہے۔مذہب معلوم ہونے کے بعد اس کے مخالف مذہب والے آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہمارا مخالف تھا اس لئے خدا نے زلزلہ بھیجا اور چُن کر صرف اسی کو ہلاک کیا۔دوسری خبر امریکہ کے شہر مینی پولس میں ۲۹ سالہ جوان ہنیسن کی ہے جو نشے میں دھت تھا۔ایک ہوٹل کی ۱۷ویں منزل سے نیچے گرا لیکن زندہ بچ گیا۔اسے کچھ چوٹیں آئی ہیں تاہم اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔اس خبر سے خانپور میں ۱۹۷۳ء میں آنے والے تباہ کن سیلاب کی یاد آگئی۔اس سیلاب میں کئی پختہ مسجدیں گر گئی تھیں لیکن بازارِحسن کے چند کوٹھے گرنے کے ساتھ کئی کچے کوٹھے بھی گرنے سے بچ گئے تھے۔سو حادثات اور قدرتی آفات کو کسی مخصوص ذہنی سانچے کے ساتھ دیکھنے کی بجائے انسانی ہمدردی کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔

لندن سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک مسلم لیڈی پولیس افسر نے تربیت مکمل ہونے کے بعد پاسنگ آؤٹ کی تقریب میں ادارہ کے سربراہ سے مصافحہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔اصلاً مذکورہ پولیس افسر نے

تقریب سے پہلے اس کی اجازت لے لی تھی اس لئے کوئی ظاہری بدمزگی نہیں ہوئی۔تاہم اب یہ سوال اُٹھائے جارہے ہیں کہ تربیت کے دوران جسموں سے جسم ٹکراتے تھے،اگر وہ سب کچھ روا تھا تو صرف مصافحہ کرنے میں کیا حرج تھا؟اگر خاتون نے کسی مرد کو چھونا نہیں ہے تو وہ مجرموں کو گرفتار کیسے کریں گی؟سیدھی سی بات ہے آپ جن ملازمتوں میں جانا چاہتے ہیں اپنے ملک کے قوانین کے مطابق اسکی ساری صورتحال کا پہلے ہی جائزہ لے لیں۔اگر آپ کی ثقافت سے ان کا ٹکراؤ ہو رہا ہے تو کوئی اور بہتر ملازمت دیکھ لیں جہاں آپ کے لئے آپ کے معتقدات کے مطابق قباحت نہ ہو۔اس سے پہلے ویسٹ یارکشائر کے ایک پرائمری اسکول ہیڈ فیلڈ چرچ کی اسسٹنٹ ٹیچر عائشہ نے پہلے کلاس روم میں نقاب کے ساتھ پڑھانا شروع کیا۔اس پر اعتراض ہوا تو عائشہ نے کہا کہ بچوں کے سامنے نقاب اتار کر پڑھاؤں گی لیکن مرد ٹیچرز سے پردہ کروں گی۔تب معاملہ عدالت تک گیا،جہاں عائشہ کونشانہ بنانے پر انہیں گیارہ سو پاؤنڈ کی ادائیگی کی گئی تاہم عائشہ کوبطور جرمانہ گیارہ سو پاؤنڈ کی رقم ادا کرنے کے باوجود ملازمت سے نکال دیا گیا۔وہ ابھی تک اپنے حق کے لئے عدالتی تگ ودو کر رہی ہیں۔ایسی خبریں متضاد جذبات وخیالات میں ڈال دیتی ہیں۔پاکستان کے اسکولز جہاں مرد اور لیڈی ٹیچرز ایک ساتھ پڑھاتے ہیں،وہاں کی صورتحال کیا ہے؟وہاں تو کسی لیڈی ٹیچر کو نقاب کا مسئلہ نہیں ہے پھر لندن میں رہ کر اس طرح کا مطالبہ کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔شاید یہ سب امریکہ کے نائن الیون اور انگلینڈ کے سیون سیون کے بعد ہونے والے سخت اقدامات کے ردِعمل کی کوئی نفسیاتی صورت ہے۔وگرنہ اسی لندن میں اوراسی یورپ میں کتنی ہی مسلم خواتین ملازمتیں بھی کرتی ہیں اورانہیں ایسے مسائل سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔

جیوٹی وی اردو کا سب سا بڑا نیٹ ورک رکھنے والا چینل بن گیا ہے۔اے آر وائی ٹی وی چینل کو اصل مقبولیت ڈاکٹر شاہد مسعود کی وجہ سے ملی تھی،ان کے پروگرام ویوز آن نیوز نے نائن الیون کے بعد بڑی حد تک پاکستانی عوام کے جذبات کی ترجمانی کی تھی۔ابھی تک اے آر وائی چینل سے نادیہ خان، مسعود رضا،براہِ راست اے آر وائی چینل سے جیوچینل میں جا چکے ہیں۔عامر غوری نے اے آر وائی سے پرائم ٹی وی ہوتے ہوئے جیوچینل کو جائن کیا تھا۔اب ڈاکٹر شاہد مسعود نے بھی جیوچینل کو جائن کر لیا ہے۔ اے آر وائی چینل پر اس وقت ڈاکٹر شاہد مسعود کا پروگرام غیر اعلانیہ طور پر بند کر دیا گیا تھا جب انہوں نے جنرل پرویز مشرف پر قاتلانہ حملہ کرنے والے کوسزا سنائے جانے پر ایک ''کاری گر'' قسم کا پروگرام پیش کیا تھا۔اس پر جنرل پرویز مشرف نے شدید ردِعمل ظاہر کیا اور ڈاکٹر صاحب مطلعٔ اسکرین سے غائب ہوگئے

۔کچھ عرصہ کے بعد جب اندرون خانہ معافی تلافی ہوگئی تو ڈاکٹر صاحب کا پروگرام نہ صرف پھر سے بحال ہوگیا، بلکہ یہ بات بھی سامنے آئی کہ وہ جب چاہیں جنرل مشرف سے اسی وقت براہِ راست رابطہ کر سکتے ہیں۔سوتب سے اگر چہ ڈاکٹر شاہد مسعود کے پروگرام میں پہلے جیسا دَم خم نہیں رہا، تاہم ان کے تجزیہ کی صلاحیت اور دوسرے تجزیہ کاروں کے تجزیوں پر مزید تجزیاتی نظر کے باعث وہ ابھی تک فعال ہیں۔ہر چند اس فعالیت پر آفتاب اقبال نے اپنے فکاہی کالم ''حسبِ حال'' میں ایک ایسا جملہ لکھا تھا جو واقعی ڈاکٹر شاہد مسعود کی تازہ ترین صورتحال کے بالکل حسبِ حال تھا۔تاہم توقع ہے کہ زندگی کے مزید تجربات سے گزرنے کے بعد اور جیو جیسے نسبتاً لبرل چینل میں آنے کے بعد ان کے تجزیاتی انداز میں مزید بہتری آئے گی۔مذکورہ سارے فنکاروں اور تجزیہ کاروں کے اے آر وائی کو چھوڑ کر جیو چینل کو جائن کرنے کے عمل کو سیاسی جماعتوں کی فلور کراسنگ کی طرح نہیں لیا جا سکتا۔کیونکہ یہ تو میڈیا کی ملازمتوں کا معاملہ ہے اور جسے جہاں سے بہتر پیش کش ہوا اُسے وہاں جانے کا حق حاصل ہے۔اے آر وائی چینل بھی ایک اچھا چینل ہے لیکن ایک تو جیو کے مقابلہ میں ان کا نیٹ ورک کافی کمزور ہے، دوسرے اس چینل کا بڑا انحصار ڈاکٹر شاہد مسعود پر تھا۔جب ادارے افراد پر منحصر ہو جائیں تو پھر اس طرح کسی کے چلے جانے سے یقیناً اداروں کو دھچکا پہنچتا ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ بے نظیر بھٹو ہم جیسے روشن خیال مولویوں کے ساتھ بیٹھیں، امریکہ ناراض نہیں ہوگا۔مولانا فضل الرحمٰن سرکاری اپوزیشن لیڈر ہیں۔پاکستانی فوج اور امریکہ سے ان کے گہرے مراسم رہے ہیں۔سوویت یونین کے خلاف ''امریکی جہاد'' کے لئے پاکستان سے مولانا فضل الرحمٰن کے مکتبِ فکر نے ہی افغانی، پاکستانی، عربی اور افریقی ''مجاہدین'' تیار کئے تھے۔تب ایسے سارے علماء بڑے فخر کے ساتھ امریکیوں کو اپنے ''اہلِ کتاب بھائی'' کہا کرتے تھے۔اس بھائی چارے میں ٹانگوں کی سواری کرنے والے علماء پجارو گاڑیوں اور پٹرول پمپوں اور بے شمار دوسری جائیدادوں کے مالک بن گئے۔سو امریکہ پہلے بھی ایسے علماء سے خوش تھا اور اب بھی اسے افغانستان اور قبائلی علاقوں میں آنے والے دنوں میں جو سخت کاروائی کرنی ہے وہ ''اہلِ کتاب'' علماء بھائیوں کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔امریکہ کی ایک طرح سے مجبوری ہے۔اس لئے مولانا فضل الرحمٰن کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ بے نظیر اگر مولانا سے مل بیٹھیں گی تو امریکہ ناراض نہیں ہوگا۔ **۲۸ رجنوری ۲۰۰۷ء**

اِدھر اُدھر سے:۵

۳۰ رجنوری کو باقی دنیا کے ساتھ یورپ بھر میں جوش وجذبہ کے ساتھ یوم عاشور منایا گیا اور نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کی یاد کو تازہ کیا گیا۔اس موقعہ پر تمام پاکستانی ٹی وی چینلز نے اپنے اپنے طور پر اور مناسب طور پر دکھ اور کرب کا اظہار کیا، سوائے ایک چینل کے۔پرائم ٹی وی بنیادی طور پر حکومت پاکستان کا چینل ہے جسے آگے کسی اور پارٹی کو چلانے کے لئے دیا گیا ہے۔مجھے قطعاً علم نہیں ہے کہ یورپ میں پرائم ٹی وی کے اربابِ اختیار کون لوگ ہیں؟ لیکن ۳۰ رجنوری کو جب سارے پاکستانی چینل اس دن کی مناسبت سے پروگرام پیش کر رہے تھے، پرائم ٹی وی نے بے ہودہ موسیقی کے پروگرام شروع کئے ہوئے تھے۔جرمنی میں دوپہر کے بارہ بجنے سے پہلے پہلے، یعنی اپنی جاب پر جانے سے پہلے میں نے جتنی بار بھی پرائم ٹی وی کو چیک کیا وہاں محرم کی مناسبت سے کچھ دینے کی بجائے بالکل برعکس پروگرام دیکھنے میں آیا۔یومِ عاشور پر پرائم ٹی وی کی بے حسی افسوسناک ہے۔

اردو دنیا میں آجکل گیان چند جین کی کتاب ''ایک بھاشا دو لکھاوٹ'' پر خاصی گرما گرم بحث چل رہی ہے۔مجھے ۲ رجنوری ۲۰۰۷ء تک اس بحث سے متعلق جتنا مواد مل سکا تھا اُس کی بنیاد پر میں نے دو ماہی ''گلبن'' لکھنؤ کے (زیر اشاعت) شمارہ جنوری تا اپریل ۲۰۰۷ء کے لئے ایک خط بھیجا ہوا ہے۔اس خط کا یہ اقتباس ۲ رجنوری تک کی میری معلومات کا احاطہ کرتا تھا:

''گیان چند جین صاحب کی کتاب کے حوالے سے فاروقی صاحب نے جو لکھ دیا ہے وہ حرفِ آخر ہے، بعد میں زیادہ تر لکھنے والے صرف جوشیلے قسم کے مضمون یا تاثرات لکھ کر انہیں بنیادی باتوں کو دہرا رہے ہیں، جنہیں فاروقی صاحب متانت کے ساتھ احسن طور پر بیان کر چکے ہیں۔ہاں اس دوران پروفیسر مرزا خلیل بیگ کا ایک مضمون نظر سے گزر رہا ہے، تادمِ تحریر (آج ۲ رجنوری ۲۰۰۷ء تک) روزنامہ منصف حیدرآباد میں اس کی تین اقساط چھپ چکی ہیں۔پہلی قسط میں ان کے نام لکھے گئے جین صاحب کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ گیان چند جین صاحب ساہتیہ اکیڈمی کے لئے ایک کتاب لکھ رہے تھے۔(یہ مضمون کتابی سلسلہ الانصار حیدرآباد، شمارہ ۴، سال ۲۰۰۶ء میں چھپنے کی تصدیق بھی ہوئی ہے) میں نے گلبن، اردو بک ریویو اور ایک دو اور جرائد میں چھپنے والے مضامین اور خطوط میں نوٹ کیا کہ

جین صاحب کی مذمت کرنے والے ادباء کسی نہ کسی طرح گوپی چند نارنگ صاحب کو کوئی ظاہری الزام نہ ہونے کے باوجود safe side دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔اس کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟ ہندوستان میں رہنے والے اور اردو سے وابستگی کا سنجیدہ تعلق رکھنے والے ادباء کو گیان چند جین صاحب کے مذکورہ مکتوب بنام مرزا خلیل بیگ پر غور کر کے تحقیق مزید کرنی چاہئے۔کتاب کے انتساب میں گوپی چند نارنگ صاحب حصہ دار ہیں۔کہیں ایسا تو نہیں کہ کتاب نارنگ صاحب کی ڈیمانڈ پر ساہتیہ اکیڈمی کے لئے لکھی گئی،لیکن جب توقع سے زیادہ سخت ہوگئی تو انہوں نے ساہتیہ اکادمی کی بجائے پرائیویٹ ادارے کے ذریعے کتاب کی اشاعت کا اہتمام کر دیا؟ضروری نہیں کہ ایسا ہو،لیکن اس پر سنجیدگی کے ساتھ تحقیق ضرور کر لی جائے تاکہ اس پردۂ زنگاری کے پیچھے جو کوئی بھی ہے پوری طرح سامنے آسکے۔''

اس خط کی اشاعت سے پہلے ہی اب مجھے پندرہ روزہ 'صدائے اردو' بھوپال کا شمارہ یکم جنوری ۲۰۰۷ء ایک دوست نے بھیجا ہے۔اس میں مرزا خلیل بیگ کے نام گیان چند جین کے مذکورہ بالا خط کے متن کے ساتھ اس کا عکس بھی شائع کیا گیا ہے اور ڈاکٹر حنیف نقوی کے خط بنام شمس الرحمٰن فاروقی کو بھی شائع کیا گیا ہے۔دونوں خطوط سے حقیقت بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے۔میرے نزدیک باوجود اس کے کہ گیان چند جین صاحب نے ہندی اردو مسئلہ کو کفر و اسلام کا مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے،اس معاملہ کو اس سے ہٹ کر دیکھنا چاہئے۔میں نے اپنے خط میں جن امکانات کی بات کی تھی وہ اب زیادہ تحقیق چاہتے ہیں۔کیونکہ ان خطوط کے ذریعے بڑی حد تک یہ واضح ہو گیا ہے کہ:

۱۔گیان چند جین صاحب نے یہ کتاب ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی تحریک پر لکھی اور ان کی دی ہوئی بعض بنیادی گائیڈ لائنز کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔

۲۔جب کتاب مکمل کر لی گئی،تب یا تو اس وجہ سے ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے اس کی اشاعت مشکل ہوگئی کہ بی جے پی کی بجائے کانگریس کی حکومت آگئی تھی۔یا پھر خود گوپی چند نارنگ صاحب کو احساس ہوا کہ کتاب ان کی خواہش سے زیادہ سخت ہوگئی ہے اور ساہتیہ جیسے سرکاری ادارہ کے ذریعے اس کی اشاعت بہت سے مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔

۳۔چونکہ ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اس کتاب کی اشاعت کی ذمہ داری لے چکے تھے،اس لئے پھر انہوں نے اپنے سرکاری وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے پرائیویٹ طور پر اس کی اشاعت کا انتظام کر دیا۔ پرائیویٹ انتظام کرنے کے حوالے سے ایک اور پبلشر کی کہانی بھی سامنے آئی ہے،تاہم یہاں یہ بات

غیر متعلق ہے۔

یوں گیان چند اور گوپی چند کے اشتراک سے یہ کتاب اپنی مخصوص معنویت میں دوچند ہوگئی۔اگر یہ باتیں اسی طرح یا اس سے کچھ ملتے جلتے انداز میں درست ثابت ہوتی ہیں تو پھر باقی ساری بحثیں فروعی ہیں۔کسی موازنۂ فاروقی و نارنگ کی ضرورت نہیں۔یوں بھی بنیادی تنازعہ کے بارے میں فاروقی صاحب اور مرزا خلیل بیگ نے جو لکھ دیا ہے،اس کتاب کے حوالے سے ابھی تک حرفِ آخر ہی ہے۔گیان چند اور گوپی چند جیسے ''محبانِ اردو'' کی پہچان ہو جانا کافی ہے۔افسوس یہ ہے کہ یہ دونوں لوگ اردو ہندی تنازعہ کو کم کرنے میں اور دونوں زبانوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے میں بے حد مفید ثابت ہو سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے ایک مثبت کام کرنے کی بجائے ایک پرانے تنازعہ کو نئے رنگ میں ہوا دی اور گھات اردو کے اندر سے لگائی۔

دوسری طرف ردِ عمل میں ''ہندو اردو رائٹرز'' کا مسئلہ اُٹھانے والوں سے کہوں گا کہ یہ رویہ مناسب نہیں ہے۔ہندوؤں اور سکھوں میں اردو کے خدمتگاروں کی ماضی میں بھی ایک قابلِ ذکر تعداد رہی ہے اور اس وقت بھی متعدد ہندو یا سکھ اردو میں عمدہ تخلیقی کام کر رہے ہیں۔متعدد ناموں میں سے ایک نام جوگندر پال جی کا ہی دیکھ لیں۔ہندوستان کے کسی مسلمان اردو ادیب نے بھی مسلمانوں کے مسائل کو اتنی ہمدردی اور اپنائیت کے ساتھ تخلیقی سطح پر پیش نہیں کیا ہوگا جس اعلیٰ سطح پر جوگندر پال جی پیش کر چکے ہیں۔اس لئے گیان چند یا گوپی چند جیسے ادیبوں کے کئے دھرے کے نتیجہ میں سارے ہندو اردو رائٹرز پر طعنہ زنی کرنا کسی کو زیب نہیں دیتا۔بلکہ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس جھگڑے کے نتیجہ میں آمنے سامنے آنے والے دونوں بڑوں نے ہندو اور مسلمان کی تخصیص کے بغیر جوگندر پال جیسے بڑے فکشن رائٹر کو نظر انداز کرنے کا گناہ کیا ہے۔ہو سکے تو دونوں اپنے گناہ کا کفارہ ادا کریں۔

برطانیہ میں ''اکیڈمک ٹیکنالوجی اپروول اسکیم'' کے تحت جدید سائنس کے اہم اور حساس شعبوں میں دوسرے ممالک سے داخلہ لینے والوں کو اب سخت جانچ پڑتال سے گزرنا ہوگا۔نیوکلیئر فزکس اور بایوکیمسٹری سمیت کئی دوسرے شعبوں میں داخلہ لینے والوں کے سلسلے میں اب نہ صرف ان کے ممالک میں ان طلبہ کے بارے میں پتہ کیا جائے گا بلکہ ان کے ذہنی و فکری پس منظر کا بھی پتہ چلایا جائے گا۔خیال ہے کہ اس اسکیم کا مقصد مسلمان ممالک کے نوجوانوں کو ان سائنسی شعبوں میں آگے نہ آنے دینا ہے۔خبر تشویشناک ہے لیکن مسلمانوں کی جذباتیت کے نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ بھی سامنے آرہا ہے۔پہلے ہی

مسلمانوں میں جدید سائنسی علوم سے تعلق واجبی سا تھا، اوپر سے ایسی اسکیمیں باقی یورپ کی طرف سے بھی آنے لگیں تو یقیناً مسلمان سائنسی میدان میں اور بھی پیچھے رہ جائیں گے۔

ایک طرف ایسی خبریں آرہی ہیں دوسری طرف مسلمان ڈاکٹروں کی طرف سے ''اسلامی سائنس''قسم کے فتویٰ آرہے ہیں۔ یہ خبر بھی لندن سے ہی آئی ہے کہ اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے سربراہ ڈاکٹر عبدالماجد نے خسرہ اور گلسوئے کی بیماری کے حفاظتی ٹیکوں کو حرام قرار دیتے ہوئے والدین کو تاکید کی ہے کہ وہ بچوں کو یہ ٹیکے نہ لگوائیں۔ان کے بقول ان ٹیکوں میں ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جو انسانی اور حیوانی ٹشو سے اخذ کی جاتی ہیں۔ڈاکٹر ماجد کے بیان پر برطانیہ کے محکمہ صحت اور برٹش میڈیکل ایسوسی ایشن نے تنقید کی ہے۔ یہ اس رویے کی ایک صورت ہے جو یورپ میں اسلامی زندگی گزارنے کی خواہش کے ساتھ مطالبوں کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔بعض مسلمان اب یہ کہنے لگے ہیں کہ یورپ میں ہمیں اسلامی قوانین کے مطابق زندگی گزارنے کا حق دیا جائے۔اس پر پارلیمنٹ کے ایک مسلمان اور پاکستانی نژاد ممبر پارلیمنٹ نے کہا کہ ایسے مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلے اسلامی ممالک میں اسلامی قوانین نافذ کرائیں تاکہ وہاں بسنے والے مسلمان اسلامی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرسکیں۔ویسے ایک بات ہے کہ اگر ہمارے یورپ میں مقیم پاکستانی مسلمان صرف سچ بولنے کا عہد کرلیں اور پھر خود ہی بتائیں کہ وہ یورپ میں اس گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں یا نہیں۔جس کی سزا سنگسار کرنا ہے؟اگر یہ لوگ اسلام اور اسلامی قوانین کا نفاذ سچے دل سے چاہ رہے ہیں اور اس سوال کا جواب سچ سچ دے دیں تو صرف اسی کی سزا کے نتیجہ میں شاید ایک بڑی تعداد، بہت بڑی تعداد خود ہی سنگساری کے لائق ٹھہرے۔ایسے مطالبات امریکہ اور برطانیہ کے عالمی کردار کا ردِعمل ہے تو تب بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں۔آپ لوگ اپنی ذاتی زندگیاں اسلامی تعلیم کے مطابق گزاریں۔سچ بولیں،(منافقانہ سچ نہیں،حقیقی سچ)،کسی کی حق تلفی نہ کریں ،نماز ،روزہ کی پابندی کریں،پاکیزہ زندگی بسر کریں،رزقِ حلال کھائیں،فریب کاری،ہیرا پھیری نہ کریں،غیبت اور بہتان طرازیوں سے بچیں،آپ کو ان اعمال سے کون روکتا ہے؟

امریکہ سے دو اہم خبریں آئی ہیں۔ایک خبر کے مطابق صدر بش کی جنگجویانہ پالیسی کے خلاف مظاہروں میں شدت آتی جارہی ہے۔لوگوں کا غم وغصہ بڑھتا جارہا ہے اور مظاہروں کی تعداد میں اور پلے کارڈز پر درج نعروں کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ویسے یہ وہی امریکی عوام ہیں جنہوں نے بے سروسامان افغانستان اور ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے عراق پر حملہ کے وقت جنگ کی ایسی مخالفت نہیں کی

تھی۔اب چونکہ امریکہ کو وہاں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا ہے اور میڈیا رپورٹس سے کہیں زیادہ امریکی فوجی جوانوں کے تابوت امریکہ پہنچ رہے ہیں اسی لئے امریکی عوام اب سڑکوں پر نکل کر اس جنگ کی مخالفت کرنے لگے ہیں۔چلیں اسی بہانے سے سہی،عراقی اور افغانی عوام کی امریکی بربریت سے نجات کی کوئی صورت تو نکلے۔

دوسری خبر کے مطابق فرٹیلیٹی ٹریٹ منٹ کے تحت بوسادا نامی ایک ۶۷ سالہ ہسپانوی خاتون نے دو جڑواں بچوں کو پیدا کیا ہے۔ یہ خاتون لاس اینجلس کے ایک کلینک میں داخل ہوئیں۔اس خاتون نے اولاد کی خاطر اسپین میں اپنا گھر بیچ کر یہ علاج کرایا۔کلینک کے کٹیلاگ میں سے خوبصورت بھورے بالوں والے ایک اٹھارہ سالہ نوجوان کے ڈونر ایگز منتخب کئے اور نیلی آنکھوں والے اطالوی،امریکی کے سپرم منظور کئے،اس کے بقول یہ سب ایسا تھا جیسے آپ بروشر دیکھ کر کوئی مکان پسند کررہے ہوں۔طریق علاج کے مطابق پہلے بوسادا کی ہارمون تھراپی کی گئی،جس کے نتیجہ میں اٹھارہ سال کے بعد دوبارہ ماہواری کا عمل شروع کیا گیا۔پھر پہلی ہی کوشش میں اسے حمل ٹھہر گیا۔اس نے ۲۹ر دسمبر ۲۰۰۶ءکو دو بچوں کرسٹائن اور پاؤ کو جنم دیا ہے۔اگرچہ سائنس تو اب کلوننگ تک پہنچ چکی ہے جہاں کسی مرد یا عورت کی ضرورت نہیں رہتی اور پیدائش کا عمل جاری رہ سکتا ہے۔تاہم مرد کے بغیر صرف عورت کا بچے کو پیدا کرنا اور پھر وہ بھی ۶۷ سال کی عمر میں۔۔۔یقیناً یہ مزے کی خبر ہے۔

انڈیا میں شیوسینا کے رہنما بال ٹھاکرے نے ہندوستان کے صدر عبدالکلام پر اس وجہ سے تنقید کی ہے کہ وہ کشمیری نوجوان افضل گرو کی فائل کو فائنل کیوں نہیں کررہے۔مقصد یہ ہے کہ افضل گرو کی سزائے موت پر عملدرآمد کیوں نہیں کیا جارہا۔قطع نظر اس سے کہ افضل گرو کی سزائے موت کے فیصلہ پر صدر کی طرف سے معافی کا آپشن موجود ہے،یقیناً صدر جمہوریۂ ہند ملک کے وسیع تر مفاد میں اور سارے پس منظر کو ذہن میں رکھ کر ہی فیصلہ کریں گے،بال ٹھاکرے کی تنقید کا یہ رُخ اس لحاظ سے بے حد افسوسناک ہے کہ انہوں نہ صرف وفاق کی علامت صدر پر تنقید کی بلکہ نہایت نامناسب بلکہ نازیبا الفاظ استعمال کئے۔بال ٹھاکرے ابھی تک ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وبال ٹھاکرے بنے ہوئے تھے لگتا ہے اب وہ ہندوستان کی مرکزیت کے لئے بھی وبال ٹھاکرے بن رہے ہیں۔

پاکستان میں یکے بعد دیگرے خودکش بم دھماکوں،اور راکٹ فائرز کی خبریں آرہی ہیں۔پہلے اسلام آباد میں میریٹ ہوٹل کے پارکنگ میں حملہ ہوا،پھر پشاور میں دھماکہ ہوا،ڈیرہ اسماعیل خان میں حملہ

ہوا، بنوں میں راکٹ فائر ہوئے۔ایک ہفتہ میں مجموعی طور پر آٹھ حملے ہوئے ہیں۔اس سلسلہ میں ابھی بنوں سے ایک مولوی صاحب کی گرفتاری کی خبر آئی ہے۔جنرل پرویز مشرف جو پالیسی چل رہے ہیں وہ ایک حد تک امریکہ کی بھی خواہش ہے۔امریکہ بھی چاہتا ہے کہ قبائلی علاقوں اور افغانستان میں اثر رکھنے والے علماء کے تعاون کے ساتھ وہاں امن قائم کیا جائے اور پھر پائپ لائنیں بچھانے کا سلسلہ شروع کیا جائے۔لیکن اب یہ بھی واضح ہوتا جا رہا ہے کہ امریکہ پاک فوج کے ذریعے علماء کے ساتھ جس حد تک رو رعائت کر سکتا تھا، کر چکا ہے۔اگر علماء کی طرف سے دباؤ بڑھانے کا سلسلہ جاری رہا تو خطرہ ہے کہ پاکستان کے قبائلی علاقے براہ راست امریکی یا نیٹو افواج کے شدید حملوں کی زد میں نہ آ جائیں۔شاید یہی وجہ ہے کہ متحدہ مجلس عمل کی صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والی دو اہم سیاسی شخصیات آگے پیچھے دل کے عارضہ میں مبتلا ہوئی ہیں اور امریکہ سے آئے ہوئے ڈاکٹر مبشر احمد چوہدری سے علاج کرا رہی ہیں۔

برطانیہ میں رقم ''برائے اعزاز'' کیس میں ایک بار پھر وزیر اعظم ٹونی بلیئر سے پولیس نے پوچھ تاچھ کی ہے اور ایسا لگ رہا ہے کہ یہ اسکینڈل ٹونی بلیئر کے لئے مزید مشکلات پیدا کرے گا۔دوسری طرف سے سویڈن سے خبر آئی ہے کہ وہاں کے وزیر اعظم فریڈرک رینفیلڈ کے خلاف پولیس نے مقدمہ درج کر لیا ہے۔سربیا کی ایک ۲۶ سالہ خاتون نے سویڈن میں اسائلم کی درخواست دی تھی، جو پہلے مرحلہ میں مسترد کر دی گئی تھی، اس پر اپیل کی گئی۔اپیل کا مرحلہ ابھی جاری ہے۔اس دوران خاتون کو سویڈن میں ملازمت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔یورپ میں ورک پرمٹ کے بغیر کام کرنا قانوناً جرم ہے۔سویڈن کے وزیر اعظم نے اس خاتون کو ورک پرمٹ نہ ہونے کے باوجود اپنی گھریلو ملازمہ کے طور پر رکھا ہوا تھا اور لوکل کونسل کے سوشل شعبہ میں جس کے وہ خود سربراہ تھے، وہاں بھی اس خاتون کو ملازمت دے رکھی تھی۔ان دونوں غیر قانونی اقدامات کے باعث ان کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا ہے۔اس کیس سے وزیر اعظم کو ذاتی طور پر بھی اور ان کی حکومت کو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔لیکن ان خبروں میں ہمارے بلند بانگ دعووں والے مشرقی معاشروں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ہمارے پاس یا تو ماضی کی کہانیاں ہیں یا پھر صرف خالی خولی دعوے ہیں۔جبکہ قانون کی حکمرانی اور اس پر عملدرآمد کی ایسی روشن مثالیں مغربی معاشرے کا معمول ہیں۔اور تو اور دنیا بھر کی ناپسندیدہ ترین شخصیت صدر بش بھی دنیا بھر میں جو مرضی کرتے پھریں، اپنے ملک میں ان کی بیٹیوں نے ٹریفک کے قوانین کی معمولی سی خلاف ورزی کی تو انہیں بھی حوالات میں بند کر دیا گیا تھا۔مسلمان ملکوں میں کیا کوئی حکمران قانون کی خلاف ورزی پر اس طرح

قانون کی لپیٹ میں لایا جا سکتا ہے؟۔اسی لئے تو۔۔۔۔۔

فلسطین میں حماس اور الفتح کے اختلافات لڑائی جھگڑے سے آگے بڑھ چکے تھے۔مشکل سے دونوں فلسطینی گروپوں میں جنگ بندی کرائی گئی تھی اور پھر دونوں گروپوں میں خونریز لڑائی شروع ہو گئی ہے۔ایک دن کی لڑائی میں دونوں طرف کے ۱۷؍افراد ہلاک اور ۱۷۰ زخمی ہوئے ہیں۔فلسطین کی خفیہ پولیس کے سربراہ بھی اس لڑائی میں مارے گئے۔ہلاکتوں کی تعداد میں روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ایک طرف اسرائیل فلسطینیوں کو مار رہا ہے دوسری طرف فلسطینی اب ایک دوسرے کا گلا کاٹنے پر لگے ہوئے ہیں۔

سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی اہلیہ اور امریکہ میں ڈیموکریٹک پارٹی کی متوقع نئی صدارتی امیدوار سینیٹر ہیلری کلنٹن نے کہا ہے کہ ایران امریکہ اور اسرائیل کی سلامتی کے لئے خطرہ ہے۔امریکی، اسرائیل عوامی امور کی کمیٹی سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ امریکہ اور اسرائیل کے دشمنوں کے عزائم جان کر انہیں شکست دینے کے لئے بہترین طریقہ تلاش کرنا چاہتی ہوں۔دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کامیابی، ایران کو اس کے ایٹمی پروگرام سے روکنے اور حماس و حزب اللہ کا اثر کم کرنے کے لئے ہمیں نئی تیکنیک کی ضرورت ہے۔ایران کے خلاف جنگ کا آپشن کھلا رکھنے کے ساتھ انہوں نے پوری دنیا کو اپنے ساتھ ملا کر دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کا عندیہ دیا۔

میں ہیلری کلنٹن کے ذکر پر بل کلنٹن کی بیوی ہونے کی وجہ سے انہیں پیار سے بلی کلنٹن کہا کرتا ہوں لیکن یہ تو بڑی ٹیکنیکل قسم کی بلی لگتی ہے۔ڈیموکریٹس کا صدر آ گیا تو تب بھی دنیا کے حالات بہتر ہونے کی امید کم ہے۔

مورخہ ۳؍فروری کو ایک ہی دن دو دلچسپ خبریں سامنے آئیں۔پاکستان میں اوکاڑہ شہر میں ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے جنرل پرویز مشرف نے کہا کہ پاکستان اب قرضے لینے والا ملک نہیں رہا بلکہ قرضے دینے والا ملک بن گیا ہے۔اور اسی دن کی خبر ہے کہ کہ امریکی سینٹ میں ایک بل پیش کیا گیا ہے جس میں دہشت گردی کے خلاف پاکستان کی امداد کے لئے تین ارب ڈالر کی امداد ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔دونوں خبریں ہی اپنی اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔ویسے جی چاہتا ہے کہ جنرل مشرف سے دو تین سو روپے کا قرض مانگ کر دیکھ لیا جائے کہ واقعی پاکستان قرض دینے والا ملک بن گیا ہے یا نہیں۔

بمبئی ایریا کے بلدیاتی انتخاب میں شیوسینا اور بی جے پی نے اکثریت حاصل کر لی ہے۔مذہبی

انتہا پسند ہر طرف کامیاب ہو رہے ہیں تو اس کی ایک وجہ لبرل اور معتدل جماعتوں کا باہمی انتشار بھی ہے۔ممبئی میونسپل کارپوریشن کے ان انتخابات کے نتائج پر مسلمان مذہبی رہنماؤں نے یہ کہتے ہوئے اطمینان کا اظہار کیا ہے کہ ہم نے کانگریس اور این سی پی کو جو پیغام پہنچانا تھا،اس الیکشن کے نتائج کے ذریعے ان تک پہنچ گیا ہے۔مسلم مذہبی جماعتوں نے کانگریس اور این سی پی کے خلاف ووٹ دینے کی اپیل کی تھی۔اس وجہ سے بھی مذہبی انتہا پسند شیو سینا اور ان کے اتحادی اس انتخاب میں کامیابی حاصل کر سکے ہیں۔

اٹلی میں فٹ بال میچ کے دوران ہنگامہ ہونے پر ایک پولیس افسر ہلاک کر دیا گیا۔اطالوی فٹ بال فیڈریشن نے اس ہفتہ ہونے والے باقی سارے لیگ میچ ملتوی کر دیئے ہیں۔یورپ میں فٹ بال کے بڑے مقابلوں میں عام طور پر اسی طرح کا دنگا،فساد دیکھنے میں آتا ہے۔یورپی تہذیب کا یہ رُخ کافی افسوسناک ہے۔ان کے مقابلہ میں تو اپنے سارے سپورٹس سٹار کے نازنخرے،اسکینڈلز اور اپنے ہاں کے میچ کے دوران کے ہنگامے بھی مہذب لگتے ہیں۔

۶رفروری ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۶

۱۴رفروری کو ویلنٹائن ڈے منایا جا رہا ہے۔عام طور پر ہندوستان میں انتہا پسند ہندو تنظیم شیو سینا اس موقعہ پر ''محبت دشمن'' (فلمی زبان میں ولن) کا کردار ادا کرتی ہے۔جا بجا ان کے لٹھ بردار متشددانہ کارروائیاں کرتے ہیں۔ پاکستان میں اسی دن یہ نیک کام انتہا پسند ہندوؤں کی بجائے جماعت اسلامی کرتی ہے۔میں ذاتی طور پر سڑکوں پر ہونے والی محبت کو مناسب نہیں سمجھتا لیکن مجھے یہ بھی احساس ہے کہ نئی نسل اور نئے دور کی اپنی رفتار ہے جس کے آگے ہم بند نہیں باندھ پائیں گے۔ویلنٹائن ڈے مغربی ممالک کی رسم ہے۔اگر ہم مغربی ایجادات سے استفادہ کریں گے تو مغربی تہذیب اپنے اثرات بھی لے کر آئے گی۔ویسے تو یہ اثرات سیٹلائٹ کے ذریعے ہی ہمارے برصغیر میں اس حد تک سرایت کر گئے ہیں کہ فوری طور پر ان سے نجات کی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔سو ویلنٹائن ڈے کی مخالفت کرنے والوں کو اسی خلوص کے ساتھ مغربی ممالک کی تمام ایجادات سے استفادہ کرنا بھی بند کر دینا چاہئے۔تاہم میرا یہ خیال متعدد دوسرے مواقع کے ساتھ ہر ویلنٹائن ڈے پر بھی مزید پختہ ہوتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں طرف کے ہندو اور مسلم انتہا پسندوں کے رویوں اور طرزِ عمل میں بڑی ہم آہنگی ہے۔دونوں الگ الگ ہو کر بھی ایک ہیں۔

بہر حال میری طرف سے تمام اہلِ دل،اہلِ محبت کو ویلنٹائن ڈے پر مبارکباد!

اسی ویلنٹائن ڈے کے موقعہ پر محبت کی ایک قدیم ترین داستان کی تازہ ترین خبر پیش خدمت ہے۔

اٹلی کے شہر Mantova کے مضافات میں ماہرینِ آثارِ قدیمہ کو چھ ہزار سال پرانے دو انسانی ڈھانچے ملے ہیں۔ان ڈھانچوں کے قدیم ہونے کی مدت ماہرینِ آثارِ قدیمہ کی دلچسپی کی چیز ہے میرے لئے حیرانی والی خبر یہ ہے کہ دونوں ڈھانچوں کی جو تصویر شائع ہوئی ہے اس کے مطابق دونوں ایک دوسرے سے گلے ملے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں تو ابھی تک رومانوی کہانیوں میں کرداروں کا آخری انجام اس سے ملتا جلتا بتایا جاتا ہے۔مثلاً ایک کردار مر گیا تو دوسرا کردار اس کی قبر تک جا پہنچا،وہاں زمین شق ہوئی تو وہ بھی وہاں سما گیا اور دونوں ایک ساتھ دفن ہو گئے۔یا دریا میں ڈوبے ہوؤں کی لاشیں نکالی گئیں تو دونوں ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے۔یا پھر فلمی گانوں میں اس خواہش کا اظہار ملتا ہے

کہ ؎ مجھے موت بھی جو آئے، ترے بازوؤں میں آئے

مگر اٹلی کے محبت کرنے والے ان نامعلوم کرداروں نے ایسی ساری کہانیوں پر ایک طرح سے مہرِ صداقت ثبت کر دی ہے۔اے محبت زندہ باد!۔۔۔۔ویسے مجھے خیال آرہا ہے کہ اگر ان دونوں کرداروں کو کلوننگ کے طریقِ کار کے مطابق دوبارا جگا دیا جائے تو ان کی اصل داستانِ محبت تک پہنچا جا سکتا ہے۔

پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان حالیہ پانچ ون ڈے کرکٹ میچ کے سلسلہ میں پہلے میچ کے دوران اتوار کو جب شاہد آفریدی ۱۷ رنز پر آؤٹ ہو کر واپس جا رہے تھے تو ایک تماشائی نے ان پر آوازے کسے۔اس کے جواب میں انہوں نے تماشائی کی طرف اپنا بَلا لہرایا۔اصولاً یہ سپورٹس مین سپرٹ اور قواعد کے خلاف حرکت تھی۔لیکن اسے میچ ریفری بھی دیکھ رہا تھا۔اگر اس غلطی پر کوئی ایکشن لینا تھا تو اسی دن یا اس سے اگلے دن کارروائی شروع ہو جانا چاہئے تھی۔آئی سی سی کی طرف سے چار دن تک کوئی ردِ عمل سامنے نہیں آیا،لیکن جیسے ہی واقعہ کے چوتھے دن بدھ کو شاہد آفریدی نے ۳۵ گیندوں پر ۷۷ اسکور کی مار لگائی،،جمعرات کے دن ان کے خلاف پانچ دن پہلے والے واقعہ کے خلاف کارروائی شروع کر دی گئی اور پھر شاہد آفریدی پر چار ون ڈے میچ کھیلنے کی پابندی عائد کر دی گئی۔اگرچہ پاکستان کے کھلاڑیوں سے بھی بار ہا جذباتی حرکتیں ہوئی ہیں،تاہم آئی سی سی کے چیف ایگزیکٹیو نے جس طرح پانچ دن کی تاخیر سے کارروائی شروع کی ہے اس سے شکوک پیدا ہوتے ہیں۔بنیادی طور پر آئی سی سی کے چیف آسٹریلیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ڈیرل ہیئر کے جانبدارانہ کردار کے باوجود موصوف نے انہیں بچانے کی ہر ممکن کوشش کی۔جب غیر گورے ملکوں کی اکثریت نے مخالفت کی تو آئی سی سی کے چیف کو فیصلہ دینا پڑا۔لگتا ہے کہ وہ ابھی تک پاکستانی ٹیم کے کھلاڑیوں کے سلسلہ میں اپنے دلی جذبات پر قابو نہیں پا سکے۔

پاکستانی کھلاڑیوں کو بھی عقل سے کام لینا چاہئے۔اپنی جذباتیت اور مشتعل مزاجی سے وہ موجودہ قومی کیفیت کی ترجمانی تو بخوبی کر دیتے ہیں لیکن ان کے ایسے اقدامات سے سپورٹس مین سپرٹ مجروح ہوتی ہے۔ان کے حریفوں کو انہیں مشتعل کرنے کے آسان نسخے معلوم ہو گئے ہیں۔شاہد آفریدی کے معمولی سے غصہ کے نتیجہ میں کرکٹ ٹیم کو جو مجموعی نقصان اُٹھانا پڑا وہ اب سب کے سامنے ہے۔

انگلستان سے ایک دلچسپ مگر افسوسناک خبر آئی ہے۔وہاں ایک چالیس سالہ خاتون انیسہ ناصر نے ایک ٹریفک حادثہ میں زخمی ہونے کا جواز بنا کر ایک لاکھ پونڈ ہرجانے کا دعویٰ کر رکھا تھا۔انیسہ ناصر کے دس بچے ہیں جن کی عمریں ۵ ماہ سے ۱۵ سال تک ہیں۔محترمہ نے کیس یہ کیا تھا کہ وہ ایک بس

میں سفر کر رہی تھیں۔دورانِ سفر ان کی بس کے دوسری بس سے ٹکرانے کی وجہ سے اس کی کمر اور گردن پر زخم آئے ہیں،جس کا اسے ہرجانہ ادا کیا جائے۔واقعتاً ایسا ہوا ہوتا تو لازماً ان محترمہ کی دادرسی ہوتی۔لیکن ان کا دعویٰ جھوٹا تھا اور یہ جھوٹ کلوز سرکٹ ٹی وی کیمروں کے ذریعے پکڑا گیا۔وقوعہ کے وقت محترمہ انیسہ ناصر کسی بس میں سوار نہیں تھیں۔بلکہ بس کے انتظار میں بس اسٹاپ پر قطار میں کھڑی تھیں۔اس ٹھوس ثبوت کے بعد محترمہ نے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں اعتراف کیا کہ اس نے دھوکے سے رقم حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔اس کیس میں محترمہ کو جیل کی سزا ہو سکتی تھی لیکن ڈسٹرکٹ جج میر ائم شیلوے نے ان کے بچوں کی کم عمری اور گھریلو حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انہیں جیل کی سزا نہیں دی۔انہیں چار ماہ کی معطل سزا،۱۸۰ گھنٹے بلا معاوضہ کام کرنے اور ۶۵ پونڈ جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔یہ صرف ایک خاتون کا معاملہ نہیں ہے،ہمارے بہت سارے پاکستانی،ہندوستانی اور افریقی احباب یہاں کے فلاحی قوانین کی سہولیات سے ناجائز فائدہ اٹھانے کے لئے کئی طرح کے فراڈ کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔اور ایسا کرتے ہوئے انہیں اسلامی طرزِ زندگی کی کوئی بات یاد نہیں آتی۔

ہندوستان میں اسرائیل کے مذہبی رہنما،چیف ربی اور دیگر یہودی علماء کی آمد پر ہندوؤں کی مختلف جماعتوں کی طرف سے ان کا خیر مقدم کیا گیا۔ایک نشست میں چند ممتاز اور جید مسلمان علماء نے بھی شرکت کی۔اس پر ان علماء کے خلاف بیانات جاری کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔برِصغیر کے مسلمان اس لحاظ سے بڑے ہی سادہ لوح ہیں کہ انہیں یہودی کم از کم گزشتہ ساٹھ سال سے اپنی مرضی اور سہولت کے مطابق استعمال کرتے آرہے ہیں۔اسرائیل کو بخوبی علم ہے کہ اس کے لئے سنجیدہ خطرہ کون لوگ ہو سکتے تھے۔اس نے ۱۹۵۲ء سے کچھ پہلے ان کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کا کام شروع کیا۔اس کے بعد انہیں یہ بھی اندازہ ہے کہ کس طرح مسلمانوں کو اندر سے لڑا کر مارنا ہے۔اندرونی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے کیسے انتہا پسندوں کی سرپرستی کرنی ہے۔کس طرح انہیں اشتعال دلا کر نقصان پہنچانا ہے۔مسلمانوں کی نفسیات سے آج مسلمانوں سے زیادہ یہودی باخبر ہیں۔اسی لئے وہ جب چاہتے ہیں انہیں آپس میں لڑا دیتے ہیں اور جب چاہیں ایسا مشتعل کرا دیتے ہیں کہ مسلمان ہوش کے بغیر خالی خولی جوش میں اپنی ہی قومی املاک کو برباد کر کے خوش ہو جاتے ہیں۔گزشتہ ساٹھ برسوں سے پاکستان کے اسرائیل سے متعدد بار بالواسطہ اور خفیہ رابطے ہوئے۔عرب ملکوں کے ساتھ اسرائیل کے مذاکرات ہوتے رہتے ہیں۔اب اگر مذاہبِ عالم کے درمیان مکالمہ کی کوئی صورت نکالنے کے لئے

یہودی، مسیحی اور ہندو مذہبی رہنماؤں کے ساتھ چند مسلمان علماء مل بیٹھے ہیں تو اس پر اتنا خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر یہودیوں کو کوئی سازش کرنا ہوئی تو مفاہمت کرنے والے حلقوں کے ذریعہ نہیں کریں گے بلکہ اس کام کے لئے اپنی مخالفت کرنے والے مشتعل مزاج حلقوں کو استعمال کریں گے اور بڑی آسانی کے ساتھ استعمال کرلیں گے، جیسا کہ گزشتہ ساٹھ سال کا ریکارڈ گواہ ہے۔

از روئے قرآن بت پرستوں کے بتوں کو بھی برا کہنے سے منع کیا گیا ہے، اور زیادہ سے زیادہ **لکم دینکم ولی دین** کہہ کر بات ختم کر دی ہے۔ قرآن کے برعکس بائبل میں تو بڑے واضح احکامات ہیں کہ بت پرستوں کے عبادت خانے گراؤ اور ان کے بتوں کو توڑو۔ ایسے احکامات کے ہوتے ہوئے اگر ہندو اور یہودی ایک دوسرے سے مکالمہ کر رہے ہیں تو بعض سخت آیات کے دوش بدوش قرآن شریف میں ایسی آیات بھی موجود ہیں۔ **اِنَّا الذین ا منوا والذین ھادوا والنصٰریٰ والصٰبئین من امن باللہ والیوم الا ٰخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم، ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (سورۃ البقرہ: ۶۲)**

سو ایسی آیات کے ہوتے ہوئے،۔۔۔ ماضی میں اسپین سے لے کر دوسری اسلامی سلطنتوں تک مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان دوستانہ روابط کی تاریخ کے ہوتے ہوئے،۔۔۔ اور آج کے درپیش سنگین مسائل سے عہدہ برا ہونے کے لئے،۔۔۔ مسلمانوں کو بھی مکالمہ کی راہ کھلی رکھنی چاہئے۔ ورنہ وقت تو اپنی رفتارِ بلاخیز کے ساتھ بڑھتا چلا جائے گا۔

پچھلے دنوں انگلینڈ میں پوسٹ آفس میں یکے بعد دیگرے چار پانچ لیٹر بم دھماکے ہوئے تھے۔ جس سے ایک ورکر خاتون زخمی بھی ہوئی تھیں۔ ظاہری طور پر یہی تاثر مل رہا تھا کہ یہ کام بھی مسلم گروپس کر رہے ہیں۔ لیکن اب اصل مجرم پکڑ لیا گیا ہے۔ ابھی تک یہ واضح نہیں ہے کہ گرفتار شدہ شخص ایشیائی یا عرب ہے یا انگریز۔ تاہم جس طرح اس کی گرفتاری کی خبر دی گئی، اس کا نام اخفا میں رکھا گیا اور اس کے خلاف دہشت گردی کا کوئی مقدمہ قائم کرنے کی بجائے ذہنی صحت کی خرابی کی کسی شق کے تحت کیس فائل کیا گیا، اس سے صاف لگتا ہے کہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والا کوئی انگریز ہی تھا۔ اس خبر کے ساتھ مجھے نائن الیون کے کچھ عرصہ بعد فرینکفرٹ میں رونما ہونے والا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک نجی طیارہ قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے فرینکفرٹ کی شہری حدود میں گھس آیا۔ یہاں کی بلند و بالا عمارات سے وہ کسی وقت بھی ٹکرا سکتا تھا۔ اس نے اپنے کسی مطالبہ کے ساتھ دھمکی آمیز پیغام بھیجا اور پورے شہر میں ہائی الرٹ ہو

گیا۔ اس خبر کے نشر ہوتے ہی میرے ملازم ساتھی مجھے اس طرح دیکھنے لگے جیسے میں نے طیارہ اغوا کیا ہو۔ اس وقت تک اسے دہشت گردی کی واردات سمجھا جا رہا تھا۔ لیکن جیسے ہی جہاز کو اتار لیا گیا پتہ چلا کہ اسے کوئی سر پھرا جرمن نوجوان اڑا رہا تھا۔ تب اسے ذہنی مریض قرار دے کر بات ختم کر دی گئی۔ ایسے رویوں سے لگتا ہے کہ اتنی ترقی کرنے اور روشن خیالی کے باوجود مغرب میں بھی بہت سارے تعصّبات مستحکم ہو رہے ہیں۔ ایک بات تو ہے کہ مغربی عوام کی بڑی تعداد اپنے میڈیا پر ہی انحصار کرتی ہے، جو میڈیا نے بتا دیا اسے سچ مان لیا، بہت کم افراد خود تجزیہ کر کے سچ جھوٹ کی تفریق کر پاتے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف کی داستان 'In the Line of Fire' کے نام سے چھپی ہے تو موضع میر والا کی مظلوم بی بی مختاراں کی داستان "In the Name of Honour" کے نام سے چھپ چکی ہے۔ دونوں کی کتابیں تصنیف کردہ نہیں بلکہ بیان کردہ ہیں اور انہیں لکھنے والے کوئی اور ہیں۔ دونوں کتابیں امریکہ سے شائع ہوئیں۔ پرویز مشرف کی کتاب کی تقریب رونمائی تزک و احتشام سے ہوئی۔ مختاراں بی بی کی کتاب کے بیس زبانوں میں تراجم ہو گئے ہیں جن میں ہندی اور عبرانی زبانیں بھی شامل ہیں۔ جنرل مشرف کی کتاب کا پیش لفظ نیویارک ٹائمز کے ایک کالم نگار نکولس کرسٹوف نے لکھا ہے جبکہ مختاراں بی بی کی کتاب میں امریکی صدر کی اہلیہ لارا بش کے تاثرات شامل ہیں۔ جنرل مشرف کی کتاب ایک ابال کی طرح سامنے آئی اور اب اس کا ذکر بھی نہیں ہوتا جبکہ مختاراں بی بی کی کتاب آنے کے بعد اب اس پر فلم بنائے جانے کی خبریں سننے میں آ رہی ہیں۔ یہاں دونوں شخصیات کے درمیان کسی قسم کا موازنہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ یہ باتیں اس ترتیب سے مجھے اب کافی تاخیر کے بعد معلوم ہوئی ہیں اس لئے اپنے ہی جیسے بے خبروں کے ساتھ انہیں شیئر کر رہا ہوں۔

اسلام آباد میں مسجد امیر حمزہ کو پہلے سرکاری طور پر تجاوزات میں شمار کرتے ہوئے گرا دیا گیا تھا۔ اس پر علماء نے احتجاج شروع کیا۔ اسی دوران جامعہ حفصہ کی طالبات نے بچوں کی ایک لائبریری پر مسلح قبضہ کر لیا۔ اس قبضہ کی جو ویڈیو ٹی وی پر دکھائی گئی وہ خاصی مجاہدانہ قسم کی تھی۔ کئی روز کی مارا ماری کے بعد حکومت پاکستان نے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ نہ صرف مسجد کی دوبارہ تعمیر کا معاہدہ کیا گیا بلکہ اس کے فوراً بعد مسجد کی تعمیر بھی شروع کرا دی گئی۔ یہ واقعہ بھی سابقہ اسی نوعیت کے کئی واقعات کی کڑی ہے۔ پرویز مشرف کی حکومت نے بعض ''جرأت مندانہ'' اقدامات لئے، ان پر مولویوں نے فوراً ردِعمل ظاہر کیا اور حکومت نے چند دن کے اندر وہ احکامات واپس لے لئے۔ پاسپورٹ میں مذہب کے خانہ کو ختم کرنے اور

اسے باقی دنیا اور سعودی عرب کے پاسپورٹ جیسا بنانے کے اقدام سے لے کر اس مسجد کو گرانے کے اقدام تک اگر حکومت غلطی پر تھی تو ایسی غلطیاں بار بار کیوں کی جا رہی ہیں؟ کیونکہ ایسے ہر اقدام پر اور اس کو واپس لینے پر یہ مثل صادق آ رہی ہے ’’نانی نے خصم کیا، بُرا کیا۔ کر کے چھوڑ دیا، اور بھی بُرا کیا‘‘
ویسے اس طرح کے تمام اقدامات سے پاکستان کے لبرل حلقوں میں یہ تاثر گہرا ہو رہا ہے کہ یا تو پرویز مشرف کے ارد گرد کے مولوی نواز طبقات جان بوجھ کر ایسا کروا رہے ہیں یا پھر پرویز مشرف خود ہی ایسا کر رہے ہیں۔ اور ایسے اقدامات سے ان کا مقصد ملک کی اصل سیاسی قوتوں کو کمزور کر کے مولوی طبقہ کی سیاسی قوت کو مستحکم کرنا ہے۔ اگر ایسا پاکستان میں سوچا جا سکتا ہے تو پرویز مشرف کے سرپرست بھی اس سے بے خبر نہیں ہوں گے، البتہ شاید پرویز مشرف اس سب کچھ کے آنے والے نتائج سے بے خبر ہیں۔ یا تو وہ اپنے سرپرستوں پر تکیہ نہ کریں، یا پھر اپنے سرپرستوں کی طرف سے آنے والے وقت کی چاپ کو سننے کی کوشش کریں۔

اس خبر سے اگلے روز ہی اسفند یار ولی خاں کا بیان آیا ہے جس میں انہوں نے پاکستان کے حالات کو ۱۹۷۱ء سے بھی زیادہ خراب اور تشویشناک بتاتے ہوئے کہا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے مسائل کا حل ایک بڑے جرگہ کے قیام میں ہے۔ امریکہ میں حامد کرزئی اور جنرل مشرف نے جرگہ پر اتفاق کیا تھا لیکن اب بقول اسفند یار ولی جس قسم کا جرگہ بنایا جا رہا ہے اس میں اسفند یار ولی اور محمود اچکزئی جیسے پختون اور بلوچ رہنماؤں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ اسفند یار ولی کے اس بیان سے احساس ہوتا ہے کہ جنرل مشرف مولوی اور ملک صاحبان پر مشتمل جرگہ بنانا چاہتے ہیں اور سیاسی قوتوں کو اس میں شامل نہیں کر رہے۔ ایسے اقدامات کے نتائج سے اللہ پاکستان کو بچائے۔

اسرائیل نے مسجد اقصیٰ کے قریب کھدائی کا جو کام شروع کر رکھا تھا اور جس کے خلاف وہاں کے مسلمانوں کی مزاحمت جاری تھی۔ عرب ممالک نے بھی اس صورتحال پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اقوام متحدہ کو باضابطہ طور پر اس طرف توجہ دلائی تھی۔ اس کے نتیجہ میں اسرائیل نے کھدائی کا کام روک دیا ہے۔ وقتی طور پر تو ایک خطرہ ٹل گیا ہے لیکن یہ خطرہ ختم نہیں ہوا۔

بگلیہار ڈیم کے ہند پاک تنازعہ میں جو عالمی بنک کے مقرر کردہ ثالث کے پاس گیا ہوا تھا، فیصلہ آ گیا ہے اور اس میں چار میں سے تین نکات میں پاکستان کے موقف کو درست مان لیا گیا ہے۔ اس فیصلہ کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ دونوں ممالک اس فیصلہ کو اپنی کامیابی قرار دے رہے ہیں۔ چلیں دونوں ہی

کامیاب ہوئے، اب اس پر فیصلے کی روح کے مطابق عملدرآمد کیجئے اور اپنی اپنی کامیابی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیے۔

امریکہ سے ایک بار پھر ایک ایماندار کی انوکھی خبر آئی ہے۔ اس سے پہلے ایک پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور نے ایک بڑی رقم کا بیگ ٹیکسی میں بھول جانے پر بیگ اس کے مالک تک پہنچا دیا تھا۔ اب ابھی واضح تو نہیں کہ ٹیکسی ڈرائیور کس ملک کا ہے کیونکہ اس کا نام مسٹر چوہدری ہی بتایا گیا ہے، اس لئے قوی قیاس ہے کہ یہ پاکستانی چوہدری ہی ہوگا۔ اس بار ایک امریکی خاتون ہیروں کی انگوٹھیوں کا بیگ ٹیکسی میں بھول گئی۔ اس کے جانے کے بعد جب چوہدری صاحب کو معلوم ہوا کہ ٹیکسی میں اتنے قیمتی ہیروں کی انگوٹھیاں رہ گئی ہیں تو انہوں نے کسی لالچ میں پڑنے کی بجائے اس بیگ کو نیویارک ٹیکسی ورکر الائنس کے ذریعے اصل مالک تک پہنچا دیا۔ مالک خاتون نے چوہدری صاحب کو انعام دینا چاہا تو انہوں نے انعام لینے سے انکار کر دیا۔ اس خبر سے اندازہ ہوا کہ پاکستان کی مٹی میں صرف گجرات کے چوہدری صاحبان جیسے لوگ ہی نہیں ہیں ٹیکسی ڈرائیور چوہدری صاحب جیسے ایماندار لوگ بھی ہیں۔

۱۳؍فروری ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے :۷

عراق اورافغانستان میں روزانہ ہلاکتیں ہورہی ہیں، پاکستان اور ہندوستان سے روزانہ خود کشی کی خبریں آرہی ہیں۔ پاکستان میں حالیہ دنوں میں یہ شرح بہت بڑھ گئی ہے۔اغوا، زنا بالجبر، اجتماعی زیادتی، پولیس کی مدد سے اور پولیس ہی کے ذریعے ڈاکوں کی وارداتوں کی خبریں، ٹریفک حادثات۔۔۔
ایسی خبریں جو پہلے صرف ایک ہلاکت اور ایک واردات بتاتی تھیں تو پوری بستی سوگوار ہو جایا کرتی تھی۔اب اتنی کثرت سے ہلاکتیں اور وارداتیں ہورہی ہیں اور میں بڑی ہی بے حسی کے ساتھ ایسی ساری خبروں سے گزر جاتا ہوں۔حالانکہ اس میں برقی میڈیا کا کوئی قصور نہیں ،لیکن میڈیا کی برق رفتاری اور وسعتوں کو سمیٹنے کے انداز نے ہم سب کو اتنا باخبر کر دیا ہے کہ ہم بالکل ہی بے حس ہو کر رہ گئے ہیں۔ بھیڑیئے اور میمنے کی کہانی میں آج کے عہد کے بھیڑیئے کی بار بار کی مکاری اور بار بار کا جھوٹ بھی اتنی بار دیکھا ہے اور اسے اتنی بے حیائی کے ساتھ بولتے دیکھا ہے کہ اب ایران پر حملہ کرنے کے لئے وہ جو الزام تراشیاں کر رہا ہے، اسے بھی ہم سب بے حسی کے ساتھ ہی دیکھ رہے ہیں۔ایسے میں نہ ہنسنا آتا ہے، نہ رونا۔نہ غصہ آتا ہے نہ دکھ کی کوئی لہر اندر سے متحرک کرتی ہے۔یہ سطور لکھتے وقت مجھے واقعتاً ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں بالکل بے حس ہو کر رہ گیا ہوں۔

شک ہو رہا ہے مجھ کو میں مرتو نہیں گیا
دل کو کوئی خوشی ہے نہ کوئی ملال ہے

اس کے باوجود کچھ نہ کچھ خبریں منتخب کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔

شمالی کوریا کے ساتھ امریکہ کا ایٹمی پنگا ایک سمجھوتے پر پہنچ گیا ہے۔اس کے نتیجہ میں عالمی ڈپلومیٹک سطح پر ایران کی پوزیشن خاصی نازک ہوگئی ہے۔امریکہ اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے لازماً چاہے گا کہ ایران کو مشتعل کئے رکھے اور اسی بہانے اپنی کاروائی کر گزرے۔اگرچہ شمالی کوریا کی طرف سے ہونے والی پیش رفت کے معاًبعد ایران کے لب و لہجے میں ایک واضح فرق محسوس کیا گیا۔لیکن عراق میں صدام حسین کے دور سے ان کے انجام تک سارا منظر نامہ ذہن میں رکھا جائے اور اس کے نتیجہ میں عراق کی موجودہ تباہی کو دیکھا جائے تو ایک بات ذہن میں آتی ہے۔

اگر صدام حسین امریکی سازش کو بھانپ لیتے اور ان کے ٹریپ میں آنے کی بجائے اتنی قربانی دے دیتے کہ کوئی مصنوعی سا انقلاب برپا کرا کے اپنے ہی کسی دوسرے عزیز کو آگے لے آتے جو امریکہ کے ساتھ معاملات کو ''صلح حدیبیہ'' جیسے انداز میں طے کر لیتا تو عراق اس تباہی سے دوچار نہ ہوتا جس کا اسے اس وقت سامنا ہے۔ایران کے لئے بھی اس وقت ویسی ہی صورتحال ہے۔یا تو ایران کی موجودہ حکومت شمالی کوریا کی طرح مفاہمت کی صورت نکال لے یا پھر احمدی نژاد کو ملک اور عوام کو بڑی تباہی سے بچانے کے لئے کسی طریقے سے موجودہ منظر سے ہٹ جانا چاہئے۔رفسنجانی گروپ یا کوئی بھی اور لوگ فوری طور پر سامنے آجائیں تو شاید اپنے عوام اور ملک کو بچا لیا جائے۔اس تبدیلی کے لئے مزید ہوم ورک کیا جا سکتا ہے لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ وقت بہت کم رہ گیا ہے۔بہادری اور بے وقوفی میں اور حکمت اور بزدلی میں بڑا ہی باریک سا فرق ہوتا ہے۔کاش! ایرانی قیادت اس فرق کو سمجھ لے اور ہم لوگ ایک بار پھر بھیڑیئے کا میمنے پر حملہ دیکھنے سے بچ جائیں۔اب تو بے حسی نے مزید دکھی کرنا بھی چھوڑ دیا ہے۔

پاکستان میں ہونے والی ہم خیال اسلامی ملکوں کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس بھی ایک انوکھی کانفرنس ہے۔کہا گیا ہے کہ اس میں فلسطین کے مسئلہ کو فوکس کیا گیا اور ایران پر ہونے والے کسی حملہ کی مخالفت کی گئی ہے۔لیکن یہ عجیب بات ہے فلسطین کے مسئلہ کو فوکس کرنے والے ''ہم خیالوں'' نے فلسطین کے کسی نمائندہ کو مدعو نہیں کیا۔اسی طرح ایران پر حملہ کی مخالفت کا تاثر تو دیا گیا ہے، اس کے باوجود پاکستان کے قریب ترین اسلامی ہمسایہ ملک ایران کو اس کانفرنس میں مدعو نہیں کیا گیا۔شام کو بھی نہیں بلایا گیا۔اس کانفرنس کا ایک انوکھا پن یہ بھی سامنے آیا کہ حکومت پاکستان کو وضاحت کرنا پڑی کہ یہ کانفرنس نہ تو امریکہ کے ایما پر ہوئی ہے، نہ اسرائیل کو تسلیم کرانے کا کوئی سلسلہ ہے، نہ ایران کے خلاف کوئی محاذ ہے، وغیرہ وغیرہ۔بھلا اب امریکہ یا اسرائیل کو کسی شیعہ وہابی فساد کرانے کی کیا ضرورت رہ گئی ہے؟ اس کانفرنس نے شیعہ، وہابی بلاکوں کو واضح کر دیا ہے۔اور ہمارے بظاہر بڑے حق گو قسم کے میڈیا منیجرز تو اب ٹی وی پر سترھویں صدی کے شیعہ، سنی اختلافات اور زخموں کو ذکر بھی فرمانے لگے ہیں۔

امریکہ میں اس وقت اگلے صدارتی امیدوار کے لئے ڈیموکریٹک پارٹی میں دو امیدوار آمنے سامنے ہیں۔سینیٹر ہیلری کلنٹن اور سیاہ فام سینیٹر ابامہ۔اس حوالے سے خبر یہ ہے کہ ایک نوجوان الیگزینڈر بٹیل نے چاہا کہ اپنی ویب سائٹ کے ذریعے خاص قسم کی ٹی شرٹس ''ابامہ بن لادن'' کے ٹریڈ مارک کے ساتھ بیچنے کا کاروبار کرے۔اس ٹی شرٹ میں سینیٹر ابامہ کو پگڑی پہنے ہوئے اور ہاتھ میں مشین گن لئے

ہوئے دکھایا گیا ہے۔ہیلری کلنٹن کو برقعہ پہنے ہوئے دکھایا گیا ہے، وہ بھی اس طور کہ اس کے گلے میں رسی بندھی ہوئی ہے اور اس کا دوسرا سرا ''ابامہ بن لادن'' کے ہاتھ میں ہے۔اس ٹریڈ مارک کو منظور کرانے کے لئے اس نے باضابطہ درخواست دی لیکن ٹریڈ مارک آفس نے 'ابامہ بن لادن' کی اصطلاح کی وجہ سے درخواست مسترد کر دی ہے۔

بریڈفورڈ سے آنے والی ایک خبر کے مطابق کالڈرڈیل کونسل کے کونسلر باب تھامسن نے اسلام قبول کرلیا ہے۔انہوں نے شراب نوشی ترک کر دی ہے اور پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا شروع کر دی ہیں۔ان کی نمازوں کے بارے میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نمازِ عشق ادا کر رہے ہیں۔کیونکہ گزشتہ دسمبر کے مہینہ میں وہ تعطیلات پر برطانیہ سے گیمبیا گئے تو وہاں ہوٹل میں ملازمہ قاتوا نامی ایک خاتون ان کے دل کو بھا گئیں۔باب تھامسن کی عمر ۵۲ سال ہے۔ان کی پہلی بیوی سے دو بیٹے ہیں اور تین سال پہلے میاں بیوی میں علیحدگی ہو چکی ہے۔دوسری طرف قاتوا کی عمر ۲۵ سال ہے اور اس کی ایک بیٹی بھی ہے۔باب تھامسن نے وہیں لڑکی کے والدین کی مرضی کے ساتھ شادی کر لی اور اب وہ اپنی بیوی اور اس کی بیٹی کو قانونی طور پر برطانیہ بلوا رہے ہیں۔اس شادی کے لئے ہی انہوں نے اسلام قبول کیا اور اب باقاعدہ طور پر پانچ وقت ''نمازِ عشق'' ادا کر رہے ہیں۔باب تھامسن قاتوا کے لئے یہ شعر کہہ سکتے ہیں۔

ایمان و جاں نثار تری اک نگاہ پر
تو جانِ آرزو ہے، تو ایمانِ آرزو

باب تھامسن کا کہنا ہے کہ ہوٹل میں آلو چھیلتے ہوئے قاتوا اتنی اچھی لگ رہی تھیں کہ وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر آلو چھیلنے لگ گئے۔ثابت ہوا کہ یہ محبت ''جب تک رہے گا سموسے میں آلو' والے مقام سے آگے کی محبت ہے۔

ہندوستان کے وزیر ریلوے لالو پرساد یادو ہیں تو پاکستان کے وزیرِ ریلوے شیخ رشید بھی کئی جہات سے لالو پرساد ہی ہیں۔دونوں طرف کے وزرا ریلوے کو ریلوے کے ناگہانی حادثات کی وجہ سے پریشانی رہتی ہے۔دونوں کو اپوزیشن ہمیشہ زد پر رکھتی ہے لیکن دونوں ہی ترت جواب دینے کے ماہر ہیں۔دونوں کی باتیں عمومی طور پر کھری کھری ہی ہوتی ہیں۔لالو پرساد کا تعلق صرف اپنے عوام کے ساتھ ہے جب کہ پاکستانی وزیر ریلوے 'فرزندِ راولپنڈی' کا اپنے عوام کے ساتھ ساتھ فوج سے بھی گہرا تعلق ہے۔پاکستانی وزیر ریلوے پہلے ایک عرصہ تک وزیر اطلاعات رہے ہیں اس لئے فلم اور ٹی وی کی

فنکاراؤں کے حوالے سے خاصی نیک شہرت رکھتے تھے۔تاہم ریلوے میں آنے کے بعد ''رن پٹھانی'' نامی ایک پُل نے ان کے کس بل نکال کر رکھ دیئے۔کچھ عمر کے بھی تقاضے ہوتے ہیں۔اب تازہ خبر یہ ہے کہ لالو پرساد یادو کے ساس اور سسر دونوں اکانومی کلاس کے ٹکٹ کے ساتھ فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔اس دوران ٹکٹ چیکر آ گیا اور اس نے دونوں سے اضافی کرایہ طلب کیا۔اس پر ٹکٹ چیکر کو دوسرے مسافروں نے بتایا کہ یہ دونوں وزیر ریلوے کے ساس سسر ہیں۔یہ جان کر ٹکٹ چیکر نے ان دونوں سے ادب کے ساتھ معذرت چاہی لیکن اضافی رقم وصول کر کے اپنی ڈیوٹی پوری کی۔جب لالو پرساد یادو کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے ٹکٹ چیکر کو نہ صرف شاباش دی بلکہ اس کی ترقی کے احکامات بھی جاری کر دیئے۔اب کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ لالو پرساد اپنے سسرائیلیوں سے نالاں تھے، اسی لئے ٹکٹ چیکر کی کاروائی سے خوش ہوئے، لیکن حقیقتاً یہ ایک اچھی اور حوصلہ افزا خبر ہے۔کاش! ہمارے پاکستانی وزیر ریلوے شیخ رشید اس میدان میں بھی اسی طرح نیک نامی کماتے۔لیکن اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ یا تو شادی کرتے یا پھر اپنی ایک آدھ خفیہ شادی کو تسلیم کر کے اپنے سسرائیل کو تسلیم کر لیتے۔بہرحال اس محرومی پر شیخ رشید ہندوستانی وزیر ریلوے سے پیچھے رہ گئے۔

ہندوستان سے ایک دلچسپ خبر آئی ہے۔ہندوستان کے موجودہ صدر کی مدتِ صدارت جون، جولائی میں مکمل ہو رہی ہے۔اس وقت اعلیٰ سطح پر نئے صدر کے نام پر غور ہو رہا ہے۔اسی دوران بعض سیاسی حلقوں کی طرف سے یا اُن کے حوالے سے یہ خبر سننے میں آئی کہ نئے صدر کے طور پر فلم سٹار امیتابھ بچن کا نام بھی زیرِ غور ہے۔اس پر ہندوستان میں ہی نہیں پاکستان اور جنوبی ایشیائی سوسائٹی میں بھی حیرت کی انوکھی سی لہر دوڑ گئی۔تاہم ابھی تک اس کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ہندوستان ٹائمز کے ونود شرما کے بقول ہم امیتابھ بچن سے محبت کرتے ہیں لیکن اتنی بھی محبت نہیں کرتے کہ انہیں ملک کا صدر دیکھیں۔اس کے باوجود ایک امکان سامنے آیا ہے تو جون، جولائی تک انتظار کر لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لاہور میں امریکی قونصلیٹ کے پرنسپل آفیسر برائن ڈی ہنٹ نے ویلنٹائن ڈے کے موقعہ پر امریکہ اور پاکستان کے رومانس کا احساس کرتے ہوئے، لاہور میں ایک پارٹی کا اہتمام کیا۔اس پارٹی میں صحافیوں کے مختلف سوالات کے جواب دیئے گئے۔پاکستان میں لوٹا کریسی کے ذکر پر انہوں نے یہ دلچسپ انکشاف کیا کہ امریکہ میں جہاں وہ رہتے ہیں وہاں کا ایک ممبر چھ دفعہ ری پبلیکن اور آٹھ دفعہ ڈیموکریٹس سے منتخب ہو چکا ہے۔وہ ہر بار پارٹی بدل لیتا ہے۔لیکن اس کی مقامی کارکردگی کی وجہ سے

لوگ اسے پسند کرتے ہیں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو جاتا ہے، چاہے وہ کسی بھی پارٹی میں ہو۔یوں امریکی عہدیدار نے بالواسطہ طور پر جنرل پرویز مشرف کی حمایت میں ہونے والی لوٹا کریسی کی حوصلہ افزائی کی ہے۔لیکن اگر ہمارے پاکستانی صحافی دوست ایک نکتہ کی وضاحت کرا لیتے تو امریکی سیاستدان کے کردار کا ایک رُخ تو واضح ہو جاتا۔سوال یہ کیا جانا چاہئے تھا کہ کیا مذکورہ امریکی سیاستدان منتخب ہونے کے بعد پارٹی تبدیل کرتا ہے یا منتخب ہونے سے پہلے پارٹی تبدیل کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ جس پارٹی کے ٹکٹ پر انتخاب لڑتا اور جیتتا ہے، پھر اسی پارٹی کا ہی رکن رہتا ہے۔اس لئے ایسی سیاسی ادل بدل کو لوٹا کریسی المعروف پٹیریاٹ سے کوئی مشابہت دینا زیادتی ہے۔

خورشید اقبال کے خسرِ محترم محمد سعید احمد کے انتقال کی وجہ سے اردو دوست ڈاٹ کام کے سارے کام رُک گئے تھے۔میرے گزشتہ کالم کی اشاعت میں بھی ایک ہفتہ کی تاخیر ہو گئی۔اس دوران کئی اہم اور افسوسناک خبریں سامنے آئیں۔پاکستان کے صوبہ سندھ میں کراچی اور صوبہ پنجاب میں لاہور، گوجرانوالہ، راولپنڈی جیسے کئی مقامات پر عمارتوں اور گھروں میں آگ لگنے کے حادثات ہوئے، اور آگ لگنے کے نتیجہ میں پندرہ منزلہ عمارتوں سے لے کر مارکیٹوں کی دوکانوں تک کی تباہی ہو چکی ہے۔لیکن سب سے بڑا سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس میں آگ لگنے سے ہوا۔دہلی سے روانہ ہو کر لاہور جانے والی سمجھوتہ ایکسپریس کے دو ڈبے پانی پت کے قریب جل کر راکھ ہو گئے۔ابھی تک کی اطلاعات کے مطابق ۶۸ مسافر زندہ جل گئے۔ان میں اکثریت پاکستانیوں کی ہے۔ہندوستان کی حکومت کی طرف سے ابھی تک کوئی واضح تحقیقی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔مختلف امکانات کی بنیاد پر تفتیش کی جا رہی ہے۔تاہم حادثہ کے فوراً بعد بی جے پی کے ایک رہنما نے جس سنگدلی کے ساتھ اس اندوہناک حادثہ کا الزام حکومت پاکستان کے سر منڈھنے کی کوشش کی، اس سے سخت ذہنی اذیت ہوئی۔اس حادثہ کی نوعیت کو دیکھ کر گودھرا سانحہ کی یاد تازہ ہو گئی۔اس کا الزام گجرات کے مسلمانوں کے سر لگا کر ان کا وحشیانہ قتلِ عام کیا گیا تھا، لیکن بعد میں سائنسی بنیادوں پر ہوئی تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ آگ ڈبے کے اندر سے ہی لگائی گئی تھی۔اس بار باہر سے آگ لگانے کا کوئی الزام ہے ہی نہیں، بالکل ویسی ہی واردات ہوئی ہے جس میں ۶۸ انسان زندہ جل گئے۔یقیناً یہ ان عناصر کی کاروائی ہے جو ہند پاک تعلقات میں بہتری نہیں چاہتے۔آئی جی پولیس ہریانہ کے بقول لشکر طیبہ اور جیش محمد اس دہشت گردی میں ملوث ہو سکتی ہیں۔بعض ہندوستانی ماہرین نے دھماکے کے اس طریقہ کار کو نیا قرار دیا ہے۔ہندوستانی پولیس بے شک پاکستانی دہشت گرد تنظیموں کے

امکان کو بھی مدِ نظر رکھ کر تفتیش کرے لیکن ہندوستان کے انتہا پسند ہندوؤں کے گروپوں کو بھی اس تفتیش میں پوری طرح فوکس کرے۔کیونکہ اس کاروائی کا طریقہ کار نیا نہیں ہے بلکہ گودھرا کے سانحہ جیسا ہی ہے۔وہاں ٹھاکرے، پروین توگڑیا، نریندر موذی، اور اسی قماش کے دوسرے رہنماؤں اور ان کے کارندوں کو یکسر نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔

بال ٹھاکرے نے سمجھوتہ ایکسپریس کے سانحہ کے حوالے سے افسوسناک بیان دیا اور اس کی ساری ذمہ داری پاکستان پر ڈال دی، جبکہ پاکستان میں آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل نے اس کی سو فیصد ذمہ داری ہندوستانی ایجنسیوں پر عائد کی ہے۔الزام تراشیاں اپنی جگہ۔۔۔اصل مجرموں اور پھر ان مجرموں کے عقب میں موجود ان کے سر پرستوں تک پہنچنا ضروری ہے۔ویسے ایک بات حیران کن ہے، حادثہ کے اتنے دن گزر جانے کے باوجود ابھی تک ہندوستان کی طرف سے پاکستانی حکام کو پاکستانی مسافروں کی فہرست کیوں نہیں دی گئی؟

پاکستان میں بم دھماکوں کا سلسلہ ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ایک طرف حکومتی ایجنسیوں کے افراد کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، دوسری طرف جامعہ حفصہ کی مسلح خواتین نے اسلام آباد میں ایک لائبریری پر قبضہ کر کے جنرل پرویز مشرف کے اس بیان کو مذاق بنا کر رکھ دیا کہ حکومت کی رٹ ہر قیمت پر قائم رکھی جائے گی۔اب خواتین کے حوالے سے یہ افسوسناک خبر آئی ہے کہ پنجاب میں سماجی بہبود کی صوبائی وزیر ظلِ ہما عثمان کو ایک مذہبی جنونی شخص نے سرِ عام گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ظلِ ہما نے گوجرانوالہ شہر میں عوامی مسائل کے سلسلہ میں ایک کھلی کچہری کا اہتمام کیا تھا۔اس موقعہ پر ایک جنونی مولوی محمد سرور نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔جس کے نتیجہ میں صوبائی وزیر ہلاک ہو گئیں۔یہ سانحہ ۲۰ فروری کو رونما ہوا اور اسی دن ظلِ ہما کی شادی کی سالگرہ تھی۔

یہاں تک کی خبر تو افسوسناک ہے لیکن اس سے آگے کی خبر افسوس سے آگے کا کوئی عبرتناک مقام ہے۔محمد سرور نامی یہ مذہبی جنونی سال ۲۰۰۲، ۲۰۰۳ میں چھ خواتین کو ہلاک کر چکا ہے اور تین چار خواتین پر ناکام قاتلانہ حملہ کر چکا ہے۔وہ اپنے کسی قتل پر نادم نہیں تھا اور صاف کہتا تھا کہ ایک بری عورت سو مردوں کو جہنم میں لے جاتی ہے۔یوں وہ معاشرے سے برائی کا خاتمہ کر رہا تھا۔ایسے ریکارڈ کے حامل شخص کو گزشتہ سال رہا کر دیا گیا۔یہ رہائی پولیس کی رپورٹس میں جان بوجھ کر سقم رکھنے کی وجہ سے ہوئی یا عدلیہ کے ججوں نے کرم فرمایا؟ یا پولیس اور عدلیہ نے ضیاء الحق کے دور کے بنائے ہوئے ''اسلامی'' قوانین سے استفادہ

کر کے اس شخص کو رہائی دلائی؟ خرابی جہاں بھی ہوئی ہو بنیادی ذمہ داری صوبائی اور مرکزی حکومتوں پر عائد ہوتی ہے۔ایسے افسوسناک کرداروں اور ایسے سانحات کے نتیجہ میں پاکستان کے امیج کو بہتر کرنے کی ساری کاوشیں اپنے ابتدائی پوائنٹ پر پہنچ جاتی ہیں۔اس مذہبی جنونی محمد سرور کے بارے میں اطلاع آئی ہے کہ موصوف اہل حدیث مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

انگلینڈ میں برکشائر کی ایک بارہ سالہ پاکستانی لڑکی نے اسکول میں حصول تعلیم کے دوران چہرہ کے نقاب کا حق استعمال کرنے کے لئے ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر رکھا تھا۔لڑکی یہ مقدمہ ہار گئی ہے۔ اسکول نے یہ کیس مسلم ایجوکیشنل سنٹر آکسفورڈ کی حمایت کے ساتھ لڑا ہے۔حالیہ دنوں میں انگلینڈ میں دہشت گردی کے ایک بڑے واقعہ میں ملوث ایک نوجوان کی ویڈیو فلم ریلیز کی گئی ہے جس میں اسے برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔برطانوی کلچر کے مسائل کے ساتھ جب دہشت گرد پردہ کا ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کریں گے تو ہماری خواتین کیسے اپنا یہ مذہبی یا ثقافتی حق مانگ سکیں گی۔ادھر انگلینڈ کے لارڈ نذیر احمد نے صراحت کے ساتھ انگلینڈ میں روایتی پردہ کے مسئلہ کی مخالفت کی ہے۔ان کے بقول پردہ کا مقصد خواتین کے لئے تحفظ ہے، جبکہ یہاں مغرب میں پردہ عدم تحفظ کی علامت بنتا جا رہا ہے۔پھر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اسلام میں پردہ کی نوعیت ثقافتی ہے۔یعنی بعض ممالک میں صرف سر کو ڈھانپا جاتا ہے، چہرہ کھلا رکھا جاتا ہے۔بعض ممالک میں چہرہ کو نیم پردہ کے ساتھ اور بعض میں مکمل پردہ کے ساتھ ڈھانپا جاتا ہے۔

میں نے ۱۹۹۶ء میں اپنی ''کھٹی میٹھی یادیں'' لکھنا شروع کی تھی۔اس کی پہلی قسط میں مغرب میں پردہ کے مسئلہ کو میں نے اپنے ذاتی مسئلہ کے طور پر لکھا تھا۔یہ نائن الیون والے حادثہ سے پہلے کی بات ہے، تب یہاں پردہ کے مسائل اس رنگ میں سامنے نہیں آرہے تھے جیسے اب سامنے لائے جا رہے ہیں۔اس کا متعلقہ اقتباس دوستوں کی دلچسپی کے لئے پیش ہے:

''اپنے ہاں تو غالبؔ اُس چار گرہ کپڑے کا افسوس کرتے رہے جس کی قسمت میں عاشق کا گریباں ہونا لکھا ہوتا ہے۔اِدھر مغرب میں اُس تین گرہ کپڑے کی قسمت پر رشک آتا ہے جو گرمیوں میں حسینانِ مغرب نے زیب تن کر رکھا ہوتا ہے۔ایک طرف ایسا توبہ شکن منظر ہوتا ہے، دوسری طرف برقعہ میں لپٹی لپٹائی مبارکہ بیگم۔۔۔۔۔میں نے اسے کئی بار سمجھایا ہے، پردہ کا مطلب خود کو دوسروں کی نظروں سے محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔پاکستان میں تو چلو ٹھیک ہے لیکن یہاں جرمنی میں اس قسم کا برقعہ تو پردے کے

تقاضے پورے کرنے کی بجائے ہر کسی کو متجسّس کر دیتا ہے کہ یہ کیا شے جا رہی ہے؟ میں نے دو تین دفعہ اسے تجربہ کرایا کہ عام آنے جانے والی گوریوں کی طرف کوئی آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتا لیکن مبارکہ کے بھاری بھر کم پردے کی وجہ سے ہر گزرنے والا ہمیں تعجب سے دیکھتا ہے اور ضرور دیکھتا ہے۔یوں مبارکہ کی بے پردگی ہو نہ ہو میری اچھی خاصی بے پردگی ہو جاتی ہے۔لیکن اس پر میری کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔''

گزشتہ برس سعودی عرب اور دوسری عرب ریاستوں نے مغربی ممالک سے لگ بھگ ۳۰ ارب ڈالرز کا اسلحہ خریدا تھا۔اب اس سال اپنے تحفظ کے لئے سعودی عرب اور دوسری عرب ریاستوں نے ۶۱ ارب ڈالرز کا اسلحہ خریدنا ہے۔امریکہ نے ۶۱ ارب ڈالر تو ایک سودے میں ہی کما لئے۔لیکن عربوں کو اس سے کیا حاصل ہوگا؟ اسلحہ کے یہ ذخائر استعمال کرنے کا ہنر وہ کس سے سیکھیں گے اور کب سیکھیں گے؟ مجھے تو لگتا ہے کہ عرب ممالک اپنی ہی ہلاکت کا سامان جمع کر رہے ہیں اور وہ بھی اپنے خرچے پر۔کسی اور نے تو عربوں کے ساتھ کیا کرنا ہے، جب کچھ کرنا ہوا اسرائیل یا امریکہ صرف اسلحہ کے ان ذخائر کو ہی تیلی لگا دیں گے اور مزید کچھ کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

پچھلے دنوں شراب کے مسئلہ پر جیو ٹی وی کے ایک ٹاک شو میں گفتگو ہو رہی تھی۔وہاں اقلیتی ممبر قومی اسمبلی ایم پی بھنڈارا بھی موجود تھے۔پاکستان میں ان کی الکوحل کی اپنی فیکٹری ہے۔انہوں نے دورانِ گفتگو حیرت انگیز انکشاف کیا۔انہوں نے لندن کے سفر کے دوران وہاں کی شراب کی ایک بڑی فرم کو وزٹ کیا۔اپنے کاروباری حوالے سے انہوں نے کچھ معلومات چاہی تو معلوم ہوا کہ اس فرم کی شراب کا سب سے زیادہ مال سعودی عرب جاتا ہے۔اس انکشاف پر اب کیا تبصرہ کیا جائے۔حیرت یہ ہے کہ ہمارے علمائے کرام نے اس خبر کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔

پاکستان سپریم کورٹ نے تھوڑا عرصہ قبل پتنگ بازی پر مکمل پابندی عائد کر دی تھی۔فیصلہ کے کچھ عرصہ بعد پنجاب کی حکومت نے عدلیہ کا احترام کرتے ہوئے پندرہ دن کے لئے صنعت پتنگ سازی اور دو دن کے لئے بسنت منانے کا از خود حکم دے کر عدلیہ کے احترام کی ایک روشن مثال قائم کر دی۔اب ۲۴، ۲۵ فروری کو دو دن کے لئے لاہور میں خصوصی طور پر اور پنجاب میں عمومی طور پر بسنت منائی گئی۔اس کے نتیجہ میں ۸ بچوں سمیت گیارہ افراد گلے پر ڈور پھرنے سے یا خوشی کی ہوائی فائرنگ کی زد میں آنے سے ہلاک ہو گئے ہیں۔سپریم کورٹ کے فیصلے کی روشنی میں پنجاب حکومت کا اجازت نامہ توہین عدالت کے زمرے میں آتا ہے تو عدالت نے اس کا نوٹس کیوں نہیں لیا؟ جو معصوم جانیں اس بسنت کی بھینٹ چڑھ

گئی ہیں ان کا خون کس کے سر ہے؟ مزید یہ کہ جب سانحہ سمجھوتہ ایکسپریس کی لاشیں لاہور میں وصول ہو کر دوسرے شہروں میں ان کی تدفین ہو رہی تھی تب ہی ساتھ میں یہ جشن بہاراں بھی چل رہا تھا۔یقیناً یہ حکومت پنجاب کی زندہ دلی کا ثبوت ہے۔

۲۸رفروری ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے: ۸

امریکہ کے ممتاز صحافی سیموئل ہرش کی رپورٹ کے مطابق امریکہ نے ایران کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے مسلمانوں میں موجود اپنے سابقہ ''مجاہدین'' اور موجودہ ''دہشت گردوں'' کو ایک بار پھر عارضی بنیادوں پر ''مجاہدین'' بنانے کا سوچنا شروع کر دیا ہے۔گویا صرف افغانستان اور قبائلی علاقوں کے مسائل کے حل کے لئے نہیں بلکہ ایران کے مسئلہ کے حل کے لئے بھی ان مذہبی حلقوں کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے گا۔یہی مذہبی حلقے ہیں جن کی فکری کوکھ سے انجمن سپاہِ صحابہ عرف ASS اور لشکرِ جھنگوی جیسے شیعہ مخالف زہریلے گروپ وجود میں آئے تھے۔سیموئل ہرش کی رپورٹ کی تصدیق مختلف اقدامات سے ہونے لگی ہے۔ایک حوالہ پاکستان میں ایک امریکی سفارتکار کا بیان ہے۔لاہور میں امریکی قونصل خانہ کے پرنسپل آفیسر نے ایک تقریب میں کہا ہے کہ ایم ایم اے انتہا پسند نہیں بلکہ معتدل جماعت ہے۔ہمیں اس کی چند پالیسیوں سے اختلاف ہے۔عوام کو حق ہے کہ وہ اسے ووٹ دیں۔

اگرچہ امریکہ علماء کو ایک حد سے زیادہ مراعات نہیں دے گا اور اپنے کام نکالنے کے بعد وہ اپنی پرانی اور فطری روایت کو ہی دہرائے گا تاہم علماء کے خلاف مار دھاڑ کی فضا میں تبدیلی کی ہوائیں چلنے اور نئے رومانس کے آغاز پر علمائے کرام کو مبارکباد! لیکن ایک بات پکی ہے،ایران کا تورا بورا کرنے کے بعد صرف سعودی نواز علماء ہی دوبارہ امریکہ کی زد پر نہیں ہوں گے بلکہ خود سعودی عرب اور اس کے ''ہم خیال'' بھی براہِ راست امریکی زد پر آئیں گے۔بس اس انجام کو نظر میں ضرور رکھیں۔پھر جو جی چاہے پالیسی اختیار کریں۔

امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی کے اچانک دورۂ پاکستان پر کئی قسم کی افواہیں گردش کرتی رہیں۔جس کے نتیجہ میں حکومت پاکستان کی وزارتِ خارجہ کی ترجمان کی طرف سے ایک مجاہدانہ بیان آیا ہے کہ ہم امریکی ڈکٹیشن قبول نہیں کریں گے۔پھر یہ خبر دی گئی کہ امریکی سفیر کو دفتر خارجہ میں طلب کر کے وارننگ دی گئی ہے،وغیرہ۔پاکستان کی امریکہ نواز حکومتوں کی تاریخ گواہ ہے کہ ''جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے'' کے ایسے مفہوم کے بیان صرف دو مواقع پر ہی دیئے جاتے ہیں۔ایک: عوام کو الو بنانے کے لئے

جابر سلطان سے پیشگی اجازت لے کر ایسا کلمۂ حق کہا جاتا ہے۔دوسرا جب امریکہ کا دستِ شفقت ہٹنے سے حکمرانوں کا وقتِ آخر قریب آجاتا ہے۔دیکھیں اب یہ بیان کس زمرے میں آتا ہے۔لگتا تو یہی ہے کہ پیشگی اجازت لے کر یہ کلمۂ حق کہا گیا ہے۔

پاکستان میں ''ہم خیال'' اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے بعد اگلے ہی روز امریکہ کے نائب صدر ڈک چینی پاکستان کے غیر اعلانیہ دورے پر پہنچ گئے۔اس سے ایران پر حملے کا امکان مزید بڑھ گیا ہے۔پاکستان کے بعد ڈک چینی افغانستان پہنچے۔وہاں ۲۷ فروری کو امریکہ کے سب سے بڑے فوجی اڈے بگرام بیس پر ان کا قیام تھا اور وہیں پر ایک خودکش دھماکہ ہوگیا۔ڈک چینی کو حفاظتی بنکر میں پناہ لینا پڑی۔خودکش دھماکوں کا سلسلہ تدریجاً بڑھتا جارہا ہے۔عراق اور افغانستان کے بعد پاکستان بھی اس کی زد میں آرہا ہے۔تاہم اگلے روز خودکش بمبار کے حوالے سے پاکستان میں ایک دلچسپ واقعہ رونما ہوا۔جی ٹی روڈ اٹک خورد کے مقام پر پولیس نے ایک بس کو روک کر تلاشی لینا شروع کی۔ایک نوجوان چادر کی بکل مار کر بیٹھا ہوا تھا۔اسے تلاشی دینے کے لئے کہا گیا۔اس نے دونوں ہاتھ اوپر کرتے ہوئے ساتھ ہی نعرۂ تکبیر بلند کر دیا۔اس کا نعرہ سن کر تلاشی لینے والی پولیس نے خوفزدہ ہو کر بس سے باہر چھلانگ لگا دی۔کئی مسافر بھی باہر کودنے لگے۔سب یہی سمجھے کہ نعرہ لگانیوالا خودکش حملہ آور نوجوان ہے۔پولیس کے بہادر سپاہی تو ایسا بھاگے کہ اپنے تھانے میں جا کر ہی سانس لیا۔یہ خبر بیک وقت دلچسپ بھی ہے اور المناک بھی۔

چین میں روبوٹ انجینئرنگ ٹیکنالوجی ریسرچ سنٹر کے سائنس دانوں نے دعویٰ کیا ہے کہ کبوتروں کے دماغ میں چپ لگا کر ان کی پرواز کو کنٹرول کیا جاسکے گا۔اس چپ کی کارکردگی کے کئی حیران کن مظاہر سننے اور پڑھنے میں آتے رہتے ہیں۔مجرموں کو چپ لگا کر چھوڑ دیا جائے اور پھر بھی ہمہ وقت ان کی نگرانی ہوتی رہے۔ایک مخصوص حد سے باہر جانے پر فوراً انہیں روک دیا جائے۔جاپان میں انسانی دماغ میں چپ لگانے کا تجربہ بھی چل رہا ہے۔اگر یہ تجربہ کامیاب ہوگیا تو سارے ٹیلی فون بے کار ہو جائیں گے۔انسان بولے بغیر اپنے مطلوبہ فرد سے رابطہ کر کے ذہنی طور پر ہی ساری بات کر لے گا۔ایسی صورت میں تو اجنبی زبان کا کوئی مسئلہ نہیں رہے گا اور وہ خاموشی جو ایک طویل عرصے سے شاعروں، صوفیاء اور عشاق کی زبان بنی ہوئی ہے، پھر وہ سب کی زبان بن جائے گی۔دیکھیں ابھی جدید تر سائنس اور ٹیکنالوجی ہمیں مزید کتنا حیران کرتی ہے۔

ڈنمارک میں مقیم اور پاکستانی نژاد، ڈینش شہریت کے حامل میاں راشد، عمر کے آخری حصہ میں وطن کی یاد لئے پاکستان چلے گئے۔گزشتہ دو تین برسوں سے وہ لاہور میں سرور روڈ کے مکان نمبر C -1485 5/6 پر اپنی اہلیہ کے ساتھ مقیم تھے۔۲۸ رفروری کو ان کی کوٹھی پر ڈاکہ پڑا۔ڈاکوؤں نے انہیں اور ان کے سیکیورٹی گارڈ کو قتل کر دیا اور گھر سے تین کروڑ روپے کی نقدی اور دیگر جواہرات لوٹ کر لے گئے۔وطن کی محبت میں عمر کے آخری حصہ میں واپس وطن جانے کی خواہش برحق لیکن اس طرح ڈاکوؤں کے ہاتھوں مرنے اور زندگی بھر کی کمائی گنوانے سے بہتر ہے بندہ جہاں ہے وہیں امن وسکون سے رہے اور امن اور رزقِ فراواں کے سامان مہیا کرنے والے ملکوں کی ناشکری نہ کرے، کہ یہ ایک طرح سے خدا کی ناشکری بھی ہو جاتی ہے۔اس سے پہلے بھی ڈنمارک کے ہی ایک خاندان کے ساتھ کچھ ملتا جلتا المیہ ہو چکا ہے۔ڈاکے کی ایک اور قسم بھی ہے۔امریکی نیشنلٹی کے حامل ایک پاکستانی نے اپنے ایک عزیز دوست کے کہنے پر اسی کے بھروسہ پر اس کے نام سے بزنس شروع کیا تھا۔جب کاروبار چل نکلا تو وہ معائنہ کے لئے اور حساب کتاب کے لئے گوجرانوالہ چلا گیا۔وہاں دوست نے بزنس کو مکمل طور پر اپنا قرار دیتے ہوئے کوئی حساب دینے سے انکار کر دیا۔امریکہ سے آئے ہوئے محبّ وطن نے اپنا کثیر سرمایہ ڈوبتے دیکھا تو مزاحمت کرنا چاہی۔نتیجہ یہ نکلا کہ اس کے ٹھگ دوست نے پولیس کی ملی بھگت کے ساتھ ایک عورت کے ذریعے اس پر بدکاری کا الزام لگوا کر اسے حدود کیس کے تحت اندر کرا دیا۔اس بے چارے نے بڑی مشکل سے امریکی سفارت خانے تک اپنی بپتا پہنچائی تو امریکی سفارتخانہ حرکت میں آ گیا۔عورت گرفتار ہوئی، پولیس اہلکاروں کے خلاف کھڑے کھڑے کاروائی ہوگئی اور احسان فراموش اور بے ایمان دوست بھی اپنے انجام کو پہنچا۔امریکی سفارتخانہ دخل نہ دیتا تو وہ پاکستانی نژاد امریکی حدود کیس میں سزا پا چکا ہوتا۔

نئی دہلی میں ایک تقریب میں بھارت کے صدر جمہوریہ عبدالکلام زمین پر گر گئے۔سیکیورٹی اہلکاروں نے انہیں فوری طور اُٹھا لیا۔سابق وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کے گھٹنوں کا پرابلم ہر شخص ٹی وی پر دیکھ چکا ہے،اس کے باوجود ان کے ساتھ ایسا سانحہ کبھی پیش نہیں آیا۔بہرحال ایک عمر کے بعد ہم سب کے ساتھ ایسا کچھ ہوسکتا ہے۔کسی بزرگ کے اس طرح گرنے پر دل میں ہمدردی اور تاسف کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، انسانی جسم کی بے وفائی کا احساس ہوتا ہے۔عبدالکلام تو جدید سائنس کے ساتھ شعرو ادب کی بھی اہم شخصیت ہیں۔سو ہم ان کی مکمل صحت یابی کے لئے دعا گو ہیں۔اس خبر کے ساتھ دو امریکی

صدور کا گرنا بھی یاد آ گیا۔ایک صدر کلنٹن ، جب وہ جاپان کے دورہ پر گئے تو وہاں بیٹھے بٹھائے اس طرح گرے کہ جیسے جاپانی حکمرانوں کے قدموں میں گر کر کچھ مانگ رہے ہوں۔دوسرے صدر بش جو اپنے ہی وائٹ ہاؤس میں بسکٹ کھاتے ہوئے زمین پر آ گرے تھے۔تب ہم سب بڑے خوش ہوئے تھے کہ یہ خدا کی طرف سے وارننگ دی گئی ہے۔پر اس کے بعد کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ایسا خدا کی طرف سے ہوا، کسی جسمانی نقاہت کے باعث ہوا یا اتفاقاً ایسا کچھ ہو گیا، اس کا تعین کرنا ہی بڑا مشکل ہے۔ویسے ایک بات ہے کوئی اچھا انسان گرے تو اس سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے جبکہ کوئی مکار اور سفاک انسان اس طرح گرے تو خوامخواہ دل میں خوشی سی ہونے لگتی ہے۔شاید یہ انسانی فطرت ہے۔یا فطری کمینگی ہے۔

پنجاب کی صوبائی وزیر ظلِ ہما کا مولوی محمد سرور کے ہاتھوں قتل ابھی کل کی بات ہے۔اسی دوران خبریں آتی رہی تھیں کہ بعض قبائلی علاقوں میں حجاموں کو کسی گمنام لیٹر کے ذریعے وارننگ دی جا رہی ہے کہ وہ لوگوں کی شیو کرنا چھوڑ دیں۔کئی دنوں کی وارننگ کے بعد اب باجوڑ ایجنسی میں حجاموں اور میوزک سنٹروں کی چھ دوکانوں پر بم دھماکوں کی خبریں آ گئی ہیں۔اسی دوران طالبان دور حکومت کے وزیر دفاع ملا عبیداللہ اخوند کو کوئٹہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ان کی گرفتاری پر بھاری انعام مقرر تھا۔ان کی گرفتاری کی خبر پہلے مغربی میڈیا نے دی لیکن پاکستانی حکام دو روز تک اس کی تردید کرتے رہے۔اب اس گرفتاری کا اقرار کر لیا گیا ہے۔اس سے افغان حکومت کے ان الزامات کی طرف دھیان جاتا ہے کہ کوئٹہ طالبان کا گڑھ بنا ہوا ہے۔ایک طرف یہ حالات ہیں دوسری طرف لاہور میں صوبائی حکومت کی طرف سے فلم، تھیٹر اور کیبل پر فحاشی و عریانی کے ذمہ داروں کا تعین کرنے کے لئے اور اس کی موثر روک تھام کرنے کے لئے ایک اہم میٹنگ ہوئی جس میں متعلقہ شعبوں کے نمائندہ افراد نے شرکت کی۔سب خود کو اس الزام سے بری قرار دیتے رہے لیکن صوبائی حکومت کے سیکریٹری داخلہ اور ان کے ایک ہم خیال فلم ڈائریکٹر نے وہاں کچھ عجیب سی باتیں کر دیں۔سیکریٹری داخلہ خسرو پرویز صاحب نے کہا کہ اگر تھیٹر سے فحاشی ختم نہ کی گئی تو بہت جلد لوگ تھیٹروں ہی کو آگ لگا دیں گے۔اس پر فلم ڈائریکٹر اسلم ڈار نے کہا کہ صرف تھیٹروں کو ہی آگ نہیں لگائیں گے بلکہ فحاشی و عریانی کی مرتکب چند اداکارائیں قتل ہوں گی اور چند ایک زخمی بھی ہوں گی۔سرکاری اجلاس میں ایسے خیالات کا اظہار اور پھر ان کی پریس میں تشہیر کرانا عجیب سا لگ رہا ہے۔ایسا کچھ تھا بھی تو اسے اجلاس سے متعلق افراد اور اداروں تک محدود رکھنا چاہئے تھا۔پریس میں اس کی تشہیر سے تو ایسا لگتا ہے جیسے انتہا پسندوں کو ایک طرح سے گائیڈ لائن دی گئی ہے اور اس کا

بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ جنونی مولوی محمد سرور جیسے لوگوں کو درپردہ کون سپورٹ کرتے ہیں اور چھ سات عورتوں کے قاتل کو قانون کی گرفت سے کون بچا لے جاتے ہیں۔ایسی مجموعی صورتحال کے نتیجہ میں امریکی حکام نے باقاعدہ دو امکانات کی ایسی رپورٹ تیار کی ہے کہ یا تو جنرل پرویز مشرف درپردہ مذہبی انتہا پسندوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں اس لئے ان کے خلاف جو کاروائی مجبوراً کرتے ہیں نیم دلانہ طریق سے کرتے ہیں۔یا پھر مذہبی انتہا پسند وہاں اتنے مضبوط ہو چکے ہیں کہ حکومت ان کے خلاف کاروائی کرنے سے معذور ہے۔ان دونوں امکانات کی صورت میں امریکہ نے پاکستان میں براہِ راست فوجی کاروائی کرنے کی بات اب کھل کر کہہ دی ہے۔

پاکستان کے ممتاز سیاستدان خان عبدالولی خان کے صاحب زادے اسفندیار ولی خان بھی ملک کے ممتاز سیاستدان ہیں۔اس خانوادے کا تعلق اس سیاسی گروہ سے ہے جس کا مقصد اقتدار کے حصول کیلئے قاف لیگ، اور گاف لیگ قسم کی سیاست کرنا نہیں بلکہ جس کا مقصد اصولوں پر سیاست کرنا ہے۔ حال ہی میں جیوٹی وی کے ایک پروگرام میں انہوں نے دو انکشاف کئے۔ایک یہ کہ جنرل ضیاع الحق سے پہلے پورے فاٹا میں صرف ایک دینی مدرسہ تھا۔وہاں اب جو متعدد دینی مدارس موجود ہیں یہ سب امریکہ کی سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکی مقاصد اور مفادات والے ''مجاہدین'' تیار کرنے کے لئے بنوائے گئے تھے۔اگر واقعتاً فاٹا میں موجود دینی مدارس جنرل ضیاع الحق کے دور میں بنائے گئے تھے تو صاف ظاہر ہے کہ ان کا قیام امریکی مقاصد کے حصول کے لئے تھا۔دوسری بات اسفندیار ولی نے یہ بتائی کہ مولانا فضل الرحمٰن کے والد مولانا مفتی محمود ڈیرہ اسماعیل خاں کے رہنے والے تھے لیکن ڈیرہ میں ان کا کوئی دینی مدرسہ نہیں تھا۔ان کا دینی مدرسہ ملتان میں تھا۔

اب امریکہ کی مہم جوئی اور سابقہ ''امریکی مجاہدین'' اور موجودہ ''اسلامی دہشت گردوں'' کی لڑائی کو کفر اور اسلام کی جنگ کی بجائے ایک اور زاویے سے بھی دیکھا جا سکتا ہے۔غیر مقلدین اور ان سے فکری طور پر قریب تر مقلدین ان سب نے سوویت یونین کے خلاف جنگ میں امریکی دولت اور امریکی اسلحہ کے بل پر امریکی مفادات کی جنگ لڑی۔جنگ کے بعد ان سب نے خود کو واقعتاً مجاہدین تصور کیا۔جبکہ امریکہ نے یہ باور کرا دیا کہ یہ صرف ہمارے ایجنٹ تھے اور اب یہ ہمارے باغی ایجنٹ ہیں۔سو یہ کسی مافیا کے ڈان اور اس کے باغی ایجنٹوں کے درمیان کھینچا تانی کی صورت بن گئی ہے۔سعودی عرب کے شہزادہ بندر بن سلطان اس کھینچا تانی کو ختم کرنے اور پہلی مفاہمت کو بحال کرنے کے لئے کوششوں میں

مصروف ہیں۔اس سے سیموئل ہرش والی رپورٹ کی بالواسطہ تصدیق ہوتی ہے۔

علماء کا ذکرِ خیر چلا ہے تو یہاں روزنامہ خبریں کے انٹرنیٹ ایڈیشن کی اشاعت ۶/مارچ ۲۰۰۷ء میں چھپنے والے ایک مضمون ''حضرت مجدد الف ثانی اور دینِ الٰہی'' از جمیل اطہر سے کچھ استفادہ کر لینا بھی مناسب لگتا ہے۔اس مضمون کے مطابق اکبر بادشاہ ''دینِ الٰہی'' کے چکر میں پڑنے سے پہلے بہت ہی اسلامی مزاج رکھنے والا بادشاہ تھا۔نماز،روزہ کا پابند تھا،علماء کی عزت کرتا تھا۔جن علماء کی عزت کرتے ہوئے اس نے انہیں دربار تک رسائی دی وہ سب اقتدار میں زیادہ حصہ کی ہوس میں ایک دوسرے پر کفر اور شرک کے فتوے صادر کرنے لگے۔ایک ہی چیز کو ایک عالم حلال قرار دے رہا ہے اور دوسرا حرام قرار دے رہا ہے۔یہیں سے اکبر بادشاہ نے کنفیوز ہونا شروع کیا۔اور مختلف تدریجی مراحل سے گزرتے ہوئے وہ ''دینِ الٰہی'' تک پہنچا۔جب حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس گمراہی کے خلاف آواز بلند کی تب انہوں نے بادشاہ کے ساتھ اس دور کے علماء کو بھی سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔انہیں علمائے سوء قرار دیا۔انہوں نے ایک جگہ تحریر فرمایا کہ ''**علمائے سوء اور مشائخ نے شیطان کو چھٹی دے کر خود اس کا کام سنبھال لیا ہے**''۔جمیل اطہر کا مضمون اس اقتباس پر اختتام پذیر ہوا ہے:

''مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں کہ لوگوں نے ابلیس ملعون کو دیکھا کہ بیکار و نچنت بیٹھا ہے،اس سے بےفکری کی وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ میرا سارا کام علماء نے سنبھال لیا ہے۔دنیا کو گمراہ کرنے کے لئے وہی کافی ہیں۔اور ایک اور مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے،انہیں علماء میں سے بعض نے حرص کی بدبختی میں مبتلا ہو کر بادشاہوں اور امیروں کا تقرب حاصل کیا اور اس مقصد کے حصول کے لئے خوشامد و چاپلوسی کے طریقے اختیار کئے۔ماضی میں امت پر جو بلائیں آئیں وہ علمائے سوء کی بدبختی اور نحوست کی راہ سے آئیں۔بادشاہوں کو یہی لوگ راہ راست سے ہٹا کر گمراہ کرتے رہے''

یہ بڑا فکر انگیز اختتامیہ ہے۔ماضی میں امت پر آنے والی بلاؤں کے ذمہ دار بھی یہ علمائے سوء تھے تو اب بھی امت پر آئی ہوئی ساری بلاؤں کے ذمہ دار یہی علمائے سوء ہیں جنہوں نے امریکہ کو دنیا کی واحد سپر پاور بنانے کے کھیل میں ایک بڑے ایجنٹ کا کردار ادا کیا۔

پاکستان میں خواندگی کی شرح تو افسوسناک حد تک کم ہے لیکن علم کو پھیلانے والے اداروں کے بورڈ جب ظلم اور زیادتی کے گڑھ بن جائیں تو علم کیسے پھیلے گا؟۔۱۹۹۰ء میں لاہور سے ایک بچی رمزیہ سید نے میٹرک کا امتحان اے گریڈ میں پاس کیا تھا۔لیکن نتیجہ آنے کے چند ماہ بعد تعلیمی بورڈ لاہور نے

رمزیہ سید پر unfair means کا الزام لگا کر نہ صرف اس کا نتیجہ کالعدم قرار دے دیا بلکہ اس پر چھ امتحانوں میں شرکت کی پابندی بھی عائد کر دی۔رمزیہ نے لاہور ہائیکورٹ میں درخواست دی۔ہائی کورٹ نے رمزیہ کے حق میں فیصلہ دے کر بورڈ کو حکم دیا کہ اسے سند جاری کی جائے۔لاہور بورڈ نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی۔اور اب ۱۹۹۰ء سے پورے سترہ سال کے بعد سپریم کورٹ نے بھی رمزیہ سید کے حق میں فیصلہ دے کر حکم دیا ہے کہ اسے سند جاری کی جائے۔ایسا ادھر کسی مغربی ملک میں ہوا ہوتا تو طالب علم کے مستقبل کو تباہ کرنے کی سزا کا فیصلہ بھی ساتھ ہی آتا۔اور طالب علم کو اس کا ہرجانہ دلایا جاتا۔اگرچہ پاکستان سے ایسے کسی ''کافرانہ'' انصاف کی توقع تو نہیں ہے لیکن پھر بھی رمزیہ سید کو چاہئے کہ تعلیمی بورڈ لاہور کے ساتھ،بورڈ کے جن افراد نے اس کے تعلیمی مستقبل کو برباد کیا ہے ان کے خلاف نام بنام ہرجانہ کا مقدمہ دائر کرے۔انصاف ہو نہ ہو،انصاف کی زنجیر ہلا دینے میں کوئی حرج تو نہیں۔

سعودی عرب سے ایک تکلیف دہ خبر آئی ہے۔خبر کے مطابق ایک لڑکی کے کسی نوجوان سے مراسم تھے۔ایک دن وہ اس سے ملنے کے بعد اسی کے ساتھ واپس آ رہی تھی کہ رستے میں پانچ مردوں نے انہیں اغوا کر لیا۔وہ اسے ایک فارم میں لے گئے۔جہاں ان سب نے اس کے ساتھ اجتماعی زیادتی کی اور لڑکی کے بقول ۱۴ مرتبہ اس کے ساتھ زیادتی کی گئی۔اس جرم کے خلاف سعودی عدالت کا فیصلہ آ گیا ہے۔اس کے مطابق لڑکی اور اس کے دوست کو ۹۰،۹۰ کوڑوں کی سزا سنائی گئی ہے جبکہ اجتماعی زیادتی کرنے والوں کو ۱۰ ماہ سے ۵ سال تک قید کی سزا سنائی گئی ہے۔یہ کونسی اسلامی سزا ہے؟ اس کے بارے میں ہمارے ہندو پاک کے علماء بہتر طور پر بتا سکیں گے۔کسی اخلاقی یا انسانی تہذیبی حوالے سے بھی اس سزا کا جواز سمجھ میں نہیں آ رہا۔جبراً اجتماعی زیادتی کرنے والوں کی سزا اتنی کم اور باہمی رضامندی والوں کی سزا اتنی سخت؟۔اس موقعہ پر سعودی عرب میں انسانی حقوق کی ایک کارکن فوزیہ القونی نے کہا ہے کہ لڑکی کے ساتھ اجتماعی زیادتی کے بعد عدالتی زیادتی بھی ہو گئی ہے۔کیا اس سزا سے دنیا کو یہ پیغام نہیں جاتا کہ کہ سعودی حکومت کے ''اسلامی نظام'' میں باہمی رضامندی والا گناہ تو بہت بڑا جرم ہے البتہ جو لوگ کسی خاتون کے ساتھ جبراً اجتماعی زیادتی کرتے ہیں،اس کے لئے چند مہینوں سے پانچ برس قید تک کی سزا کافی ہے۔اور کیا اس سے اجتماعی زیادتی کرنے کے رجحان کی حوصلہ افزائی نہیں ہو گی؟

امریکہ سے خبر آئی ہے کہ وہاں انڈیانا ائر پورٹ کے قریب ایک امریکی شہری جونسن نے

اپنا نجی طیارہ اپنے سسرال کے گھر سے ٹکرا دیا۔اس کے نتیجہ میں وہ خود بھی ہلاک ہوگیا اور اس کی ۸ سالہ بیٹی ایملی بھی ہلاک ہوگئی۔انڈیانا پولیس ابھی اس حادثہ کے بارے میں کچھ نہیں کہہ رہی تاہم قرائن یہی بتاتے ہیں کہ اپنے سسرائیل کے ہاتھوں تنگ آئے ہوئے شوہر کے پاس اور کوئی رستہ نہیں بچا تھا۔اگر یہ کام کسی مسلمان امریکی نے کیا ہوتا تو اب تک اسے خودکش بمبار قرار دے کر اس کا ناطہ بھی کسی القاعدہ سے جوڑا جا چکا ہوتا لیکن چونکہ یہ جونسن خالص امریکی ہے اس لئے اب اسے اور جو کچھ کہا جائے لیکن خودکش حملہ آور نہیں کہا جائے گا۔حالانکہ یہ بھی سیدھا سادہ خودکش حملہ ہے۔

ایک دن پہلے خبر آئی کہ پاکستان کے وفاقی وزیر برائے شپنگ اینڈ پورٹس بابر غوری نے کہا ہے کہ عام انتخابات ایک سال کے لئے ملتوی کر دیئے جائیں تو جو ترقیاتی منصوبے چل رہے ہیں ان کی تکمیل ہو جائے گی اور جمہوری عمل بھی مستحکم ہوگا۔ایک دن کے بعد حکومتی درویش (اس درویش کا داستان کے اس درویش سے کوئی تعلق نہیں ہے جو دن میں درویش کے روپ میں ہوتا تھا اور اندھیرے میں اپنے اصلی روپ میں ڈاکو اور قاتل بن جاتا تھا، پھر بھی پتہ نہیں کیوں اس سرکاری درویش کے ذکر پر مجھے ہمیشہ داستان کا مذکورہ درویش یاد آجاتا ہے،اللہ معاف کرے۔) چودھری شجاعت حسین نے بیان دیا ہے کہ اگر ایران پر امریکی حملہ ہوا تو پاکستان کے عام انتخابات ایک سال کے لئے ملتوی کئے جا سکتے ہیں۔بابر غوری ایم کیو ایم کی طرف سے وزیر ہیں اور چودھری شجاعت کے ساتھ ایم کیو ایم کا رشتہ آگ اور پانی کا رشتہ ہے۔اس کے باوجود دونوں رہنماؤں کی تان ایک ہی بات پر آ کر ٹوٹی ہے کہ الیکشن ایک سال کے لئے موخر کر دیئے جائیں۔امن کی صورت میں الیکشن کے التوا کے لئے بابر غوری کی اپیل پر غور کیا جا سکتا ہے اور ایران پر حملہ کی صورت میں چودھری شجاعت کے فرمان پر عمل کیا جا سکتا ہے۔گویا ایسا ٹاس ہو رہا ہے جس میں دونوں صورتوں میں انتخاب ملتوی کیا جا سکے گا۔ہم لوگ یہودیوں پر ہر طرح کی لعنت ملامت کرتے رہتے ہیں۔ان کے ہر عیب اور ہر خوبی سے نفرت کرتے ہیں لیکن کبھی یہ بھی غور کیا کہ یہودی قلیل ہو کر بھی آج پوری دنیا پر کیوں چھائے ہوئے ہیں؟ اور مسلمان کثیر ہو کر بھی کیوں ذلت و مسکنت کی صورت بنے ہوئے ہیں؟ صرف الیکشن کے مسئلہ کے بارے میں ہی تھوڑا سا موازنہ کر لیجئے۔اسرائیل اپنے قیام کے پہلے دن سے لے کر آج تک مسلسل حالتِ جنگ میں ہے۔اس کے باوجود اس کے تعمیراتی و ترقیاتی منصوبے بھی جاری وساری ہیں اور انتخابی عمل میں بھی کبھی کوئی رخنہ نہیں پڑا۔اگر یہودیوں کو الیکشن کے التوا کی ضرورت پیش نہیں آتی تو آپ لوگ کیوں یہودیوں کے قومی کردار کے مقابلہ میں اتنے گرے

ہوئے قومی کردار کا مظاہرہ کئے چلے جا رہے ہیں۔خدا کا خوف کریں قوم اور ملک کی ترقی کو اپنی ذات بلکہ ذاتی مفادات سے چپکا کر نہ رکھ دیں اور الیکشن سے فرار کے بہانے مت ڈھونڈیں۔

امریکہ کی معروف گلوکارہ برٹنی اسپئیرز نے، جو کیلی فورنیا کے ایک ہسپتال میں زیرِ علاج تھیں، یکا یک شور مچاتے ہوئے خودکشی کی کوشش کی۔وہ بار بار کہہ رہی تھیں کہ وہ مسیحیت کی مخالف ہیں۔اور گلے میں چادر کا پھندہ ڈال کر خودکشی کرنا چاہی۔انہیں فوری طور پر سنبھال لیا گیا۔ان کے اس اقدام کو ڈپریشن کا نتیجہ قرار دیا جا رہا ہے۔لیکن یہ ایسا ڈپریشن ہے جو ہر صاحبِ دل اور صاحبِ دماغ مسیحی کو لاحق ہے۔کہاں حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ تعلیم کہ کوئی تمہارے دائیں گال پر تھپڑ مارے تو اپنا بایاں گال بھی (دوسرے تھپڑ کے لئے) اس کے آگے کر دو۔اور کہاں امریکی نیوکونز کی عالمی دہشت گردی اور لوٹ مار۔ہر سچا مسیحی جو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا سچا پیروکار ہے،یقیناً اس صورتحال پر مضطرب ہے اور بجا طور پر مضطرب ہے۔

امریکہ کی بات چلی ہے تو امریکہ کے صدارتی انتخاب میں ڈیموکریٹس کے دو امیدواروں کا ذکر بھی کر دیا جائے۔ڈیموکریٹس اس وقت کانگریس اور سینیٹ میں اچھی پوزیشن میں ہیں تاہم صدارتی انتخاب کے لئے انہیں خاصی احتیاط کرنا پڑے گی۔سینیٹر اباما بنیادی طور پر سیاہ فام ہیں اور ہیلری کلنٹن خاتون ہیں۔ہمارے مشرقی ممالک میں انسانی حقوق اور خواتین کے حقوق کے چیمپئن امریکہ میں ابھی اتنی وسعت قلبی پیدا نہیں ہوئی کہ اپنے ہی وطن کے کسی سیاہ فام کو یا کسی خاتون کو بطور صدرِ مملکت قبول کر لے۔اس لئے ڈیموکریٹس کو اپنے ان دونوں اچھے امیدواروں کو بہرحال ڈراپ کرنا ہوگا۔ان کی بجائے کسی تیسرے امیدوار کو سامنے لانا ہوگا، (تیسرے امیدوار کا نام بھی سننے میں آ رہا ہے۔) بصورت دیگر ری پبلکن کا کمزور امیدوار بھی ان کے مقابلہ میں آسانی سے جیت جائے گا۔یہ آنے والے دنوں کا ایک ہلکا سا نقشہ ہے۔تاہم اگر واقعتاً اباما یا ہیلری کلنٹن میں سے کوئی ایک امیدوار نامزد ہو گیا اور جیت بھی گیا تو اسے امریکی ذہنوں میں ایک مثبت تبدیلی کہا جا سکے گا،جس کی مجھے زیادہ امید نہیں ہے۔ابھی امریکہ کی خواتین کو اور سیاہ فام سیاستدانوں کو زیادہ سے زیادہ وزارت خارجہ تک ہی مقام دیا جا سکتا ہے،اس سے آگے کا نہیں۔

۶/مارچ ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے: ۹

سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف صدارتی ریفرنس دائر ہونے اور انہیں ان کے عہدہ سے ہٹانے کے بعد پاکستان بھر میں کھلبلی مچ گئی۔آئین اور قانون کے ماہرین اس اقدام پر اپنی اپنی رائے دے رہے ہیں۔اکثریت کا خیال ہے کہ صدر جنرل پرویز مشرف نے کچھ پرانے فیصلوں پر اپنے اور اپنے وزیر اعظم کے غم وغصہ کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ مستقبل میں ایک آئینی بحران سے نمٹنے کے لئے یہ پیش بندی کی ہے۔لیکن قیاس کیا جا رہا ہے کہ یہ پیش بندی خود جنرل مشرف کے لئے ایک نئے آئینی بحران کا پیش خیمہ بن جائے گی۔

پاکستان کی اعلیٰ ترین عدلیہ کے کردار کی تاریخ نہ صرف یہ کہ روشن نہیں رہی بلکہ ملک میں فوجی تسلط کی تاریکی کو بڑھانے میں اول روز سے مددگار رہی ہے۔اعلیٰ ترین عدلیہ کے جج صاحبان کا کردار جسٹس منیر کے ''نظریۂ ضرورت'' سے لے کر جمہوری اور عوامی وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے عدالتی قتل تک اور پھر بعد میں بھی فوجی حکمرانوں کے اقتدار کو قانونی جواز فراہم کرنے تک اتنا شرمناک رہا ہے کہ عدلیہ کا تقدس بھی اسی طرح پامال ہو کر رہ گیا ہے جیسا کہ خود پاک فوج کا تقدس چند جرنیلوں کی سیاست میں بار بار کی دخل اندازی اور اقتدار کی ہوس کی وجہ سے پامال ہوتا جا رہا ہے۔

آزاد ججوں کا حال بھی اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب پاکستان میں سرِ عام یہ باتیں ہوتی ہیں کہ کوئی مشکل کیس ہے تو بجائے کوئی اچھا سا وکیل کرنے کے براہِ راست کوئی اچھا سا جج کر لو۔پھر پی سی او کے تحت حلف اُٹھانے والے سارے جج صاحبان تو ویسے بھی کوئی ایسا اخلاقی جواز نہیں رکھتے کہ ان کے ساتھ ہمدردی کی جائے لیکن اتنے جکڑے ہوئے حلف کے باوجود جسٹس افتخار محمد چوہدری نے بلاشبہ بعض ایسے دلیرانہ اور عوامی نوعیت کے فیصلے کئے کہ ہر کسی کو انصاف ہوتا دکھائی دیا۔چیف جسٹس کے اہم ترین فیصلوں میں پاکستان سٹیل مل کی نجکاری کے خلاف فیصلے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔یہ نجکاری وزیر اعظم شوکت عزیز کے ایما پر ہوئی تھی۔ان کے دوست عارف حبیب اس مل کے خریدار تھے جسے کوڑیوں کے بھاؤ بیچا جا رہا تھا۔اسٹاک ایکسچینج کے بحران میں جن بارہ کمپنیوں کے نام سامنے آئے تھے ان میں بھی وزیر اعظم شوکت عزیز کے دوست عارف حبیب کی کمپنی سرفہرست تھی۔

سو ملک کو بد معاشی کی بجائے ''معاشی اصلاحات'' کے ذریعے لوٹنے والوں کے نام کھل کر سامنے آ گئے۔اس فیصلہ کے علاوہ انہوں نے انسانی حقوق کے حوالے سے بعض اہم فیصلے کئے،اخبارات میں خبریں آنے پر از خود نوٹس لے کر کئی اہم کیس شروع کرائے اور انصاف کی فراہمی کو کسی حد تک ممکن بنایا۔سینکڑوں کی تعداد میں شہریوں کے لاپتہ ہونے پر ایجنسیوں کی طرف انگلیاں اٹھائی جانے لگیں تو چیف جسٹس نے اس سلسلہ میں بھی حکومت پر عدالتی دباؤ ڈالا،سخت ریمارکس دیئے اور ان کی بازیابی کو کافی حد تک ممکن بنا دیا۔بسنت پر چیف جسٹس کی سخت پابندی،جنرل پرویز مشرف کو پچاس سال تک وردی میں صدر منتخب کروانے کے دعویدار ''جمہوری'' وزیر اعلیٰ پنجاب چوہدری پرویز الٰہی کو ناگوار گزری تھی اور انہوں نے اسی فروری میں اس کے خلاف انتظامی حکم جاری کروا کے اپنی طاقت کا تماشہ دکھا دیا تھا۔اس سرکاری تماشہ میں بارہ بچوں اور بڑوں کی دھاتی ڈور پھرنے سے یا ہوائی فائرنگ سے اموات ہوئیں۔تاہم سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ تھوڑا عرصہ قبل ڈیفنس سٹاف کالج کا ایک وفد مطالعاتی دورے پر آیا تو ان کی چیف جسٹس سے ملاقات ہوئی۔اس ملاقات میں ان سے سوال کیا گیا کہ کیا موجودہ اسمبلیاں (جن کی مدت اسی سال ختم ہو رہی ہے) اگلے پانچ سال کے لئے صدر کا انتخاب کر سکتی ہیں؟اس کے جواب میں چیف جسٹس نے کہا کہ یہ مسئلہ بحث طلب ہے۔پارلیمنٹ اور میڈیا میں اس پر بحث ہو رہی ہے،اس لئے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔جنرل پرویز مشرف اپنی حمایت میں غیر قانونی اور غیر آئینی جواب چاہتے تھے،وہ انہیں نہیں ملا تو پچھلے سارے حسابات جوڑ کر انہیں ہٹانے کے لئے ''فوجی کاروائی'' کر دی گئی۔چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے یہ ''فوجی کاروائی'' ہے۔

مجھے ذاتی طور پر جنرل پرویز کے اس اقدام سے سخت ذہنی صدمہ پہنچا ہے کہ انہوں نے چیف جسٹس آف پاکستان کو صدارتی محل میں بلانے کی بجائے (صدارتی کیمپ) آرمی ہاؤس میں طلب کیا اور وہاں باوردی بیٹھ کر عدالتِ عظمیٰ کی توہین کی۔اس ملاقات کی فلم کسی نجی ٹی وی نے تیار نہیں کی تھی۔اسے جنرل پرویز مشرف نے بڑے اہتمام کے ساتھ ریلیز کروایا۔اور اسی فلم کی وجہ سے عوام میں سب سے زیادہ غم وغصہ پیدا ہوا۔جنرل پرویز مشرف جس فلم کو ''رعب'' جمانے کا موجب سمجھ رہے تھے،وہ اب ان کے لئے ''روگ'' بن چکی ہے۔مجھے ان لوگوں سے اتفاق ہے،جو یہ کہتے ہیں کہ یہ اقدام سپریم کورٹ پر ''صدارتی حملہ'' ہے،بس مجھے یہ ترمیم کرنی ہے کہ یہ صدر کا نہیں آرمی چیف کا عدالتِ عظمیٰ پر حملہ ہے۔باقی جہاں تک چیف جسٹس پر لگائے جانے والے الزامات کا تعلق ہے،جنرل مشرف کے ارد گرد کے مگرمچھوں

کے کردار کو دیکھتے ہوئے وہ اتنے فضول الزام لگتے ہیں کہ ان پر بات کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جنرل پرویز مشرف اپنی طرف کی کالی سیاہ بھینسوں کو تو نہیں دیکھ رہے لیکن ایک گائے کو ''کالی دُم والی'' ہونے کا طعنہ دے رہے ہیں۔

-----------خصوصی اضافہ-----------

آج تیرہ مارچ کی تاریخ تک سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس دائر کرنے کا بحران مزید سنگین صورت اختیار کر چکا ہے۔ یہ کالم بھیجنے سے پہلے یہ اضافہ کر رہا ہوں۔ اس دوران جو چند اہم واقعات ہوئے انہیں اختصار کے ساتھ ریکارڈ پر لا رہا ہوں۔

۱۔ چیف جسٹس کو غیر فعال کرنے کے بعد انہیں ان کے گھر پر غیر اعلانیہ طور پر نظر بند کر دیا گیا۔ تین دن کے بعد جب میڈیا نے صورتحال کو کافی حد تک بے نقاب کر دیا تو انہیں چند گنے چنے افراد سے ملنے کی اجازت دی گئی۔ اور اب میڈیا کو دبانے کے لئے بعض ہتھکنڈے استعمال کرنے کی کوشش کی جانے لگی ہے۔

۲۔ عدالتِ عظمٰی کی ویب سائٹ پر سے ان کا نام ہٹا دیا گیا۔ لیکن جب یہ نکتہ ابھارا گیا کہ جب تک جوڈیشل کونسل ان کے خلاف فیصلہ نہیں دیتی تب تک وہ چیف جسٹس رہیں گے تو یہ کہہ کر ان کا نام اور تعارف بحال کر دیا گیا کہ کسی ٹیکنیکل خرابی کی وجہ سے نام ڈیلیٹ ہو گیا تھا۔

۳۔ چیف جسٹس کے گھر پر سے پاکستان کا اور سپریم کورٹ کا پرچم اتار دیا گیا، ان کی گاڑیاں واپس لے لی گئیں۔ ان کے ٹیلی فون رابطے بند کر دیئے گئے۔ پہلے تین روز تک انہیں اخبارات اور ٹی وی کی نشریات سے بھی محروم رکھا گیا۔ اور اب انہیں ان کی فیملی سمیت اصل رہائش گاہ سے بلوچستان ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ آج ۱۳؍مارچ کو جب چیف جسٹس نے جوڈیشل کونسل میں جوابدہی کے لئے پیدل جانا چاہا تو انہیں جبراً ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ پھر انہیں بلوچستان ہاؤس میں منتقل کر دیا گیا۔ وہاں سے زبردستی پولیس نے ایک گاڑی میں بٹھایا۔ اس زبردستی میں چیف جسٹس کے ساتھ رینجرز والوں نے ہاتھا پائی بھی کی۔

۵۔ جب بارہ گاڑیوں کے قافلہ میں چھپا کر چیف جسٹس کو سپریم کورٹ کی عمارت کی طرف لے جایا گیا تو وہاں پہلے سے جمع ہو جانے والے وکلاء اور سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں اور کارکنوں نے انہیں پہچان لیا اور انہیں گاڑی سے نکال لیا۔ گاڑی کے شیشے اور دروازے توڑ دیئے، رینجرز والوں کو ایک حد تک بے بس کر کے رکھ دیا۔ اور اسی ہجوم کے گھیرے میں چیف جسٹس پیدل چلتے ہوئے عدالت کے دروازے تک ۱۰

منٹ کا سفر آدھے گھنٹے میں طے کر کے پہنچے۔

۶۔ چیف جسٹس کے حق میں حکومت کے اقدام کے خلاف پاکستان بھر کے وکلاء نے اتنا شدید ردِ عمل ظاہر کیا ہے کہ ملک کی تاریخ میں وکلاء اس حد تک کبھی بھی یکجا نہیں ہوئے۔ عدالتوں کا بائیکاٹ جاری ہے۔ حکومت پاکستان نے اپنے ریفرینس کی پیروی کے لئے ریٹائرڈ جسٹس، سابق گورنر صوبہ سندھ اور ممتاز قانون دان فخر الدین جی ابراہیم کو مقرر کیا تھا لیکن فخر الدین جی ابراہیم نے اس صدارتی ریفرینس کی پیروی کرنے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ ان کا انکار حکومتی ریفرینس کے لئے اور خود حکومت کے لیے سخت دھچکا ہے۔

۷۔ جوڈیشل کونسل نے آج کی پیشی پر نہ تو چیف جسٹس کو صدارتی ریفرینس کی مکمل کاپی دی، نہ ہی دوسری دستاویزات کی مکمل کاپیاں دیں۔ چیف جسٹس نے وہاں جوڈیشل کونسل میں شامل دو ججوں جسٹس افتخار حسین چوہدری اور جسٹس عبدالحمید ڈوگر کی شمولیت پر اعتراض کیا۔ دوسرے جج کا تو مجھے علم نہیں ہے لیکن پنجاب ہائی کورٹ کے چیف جسٹس افتخار حسین چوہدری کے بارے میں یہاں اتنا بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ ستمبر ۲۰۰۳ء میں جب پوری قوم جنرل مشرف کے فوجی احکامات کے مجموعہ ''ایل ایف او'' کو آئین کا حصہ ماننے سے انکار کر رہی تھی اور ان پر دباؤ تھا کہ کم از کم پارلیمنٹ سے اس کی رسمی منظوری لے لیں۔ تب ہائی کورٹ پنجاب کے انہیں چیف جسٹس صاحب نے کسی کے استفسار کے بغیر از خود یہ بیان دیا تھا ''ایل ایف او آئین کا حصہ بن چکا ہے، آئین کا تحفظ اور اس کی پاسداری عدلیہ کی ذمہ داری ہے۔ عدلیہ یہ ذمہ داری پوری کرتی رہے گی''۔۔۔ میں نے تب اپنے ۸ستمبر ۲۰۰۳ء کے کالم میں اس خبر کا نوٹس لیا تھا اور طنزاً لکھا تھا یہ افتخار حسین چوہدری ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کی بجائے چوہدری شجاعت حسین کے قریبی عزیز لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید دلچسپی والی بات یہ ہے کہ ایل ایف او کو آئین کا حصہ بنانے کے لئے بالآخر جنرل مشرف کو پارلیمنٹ سے منظوری لینا پڑی۔ انہوں نے علمائے کرام کے ووٹوں کے تعاون سے اسے منظور کرا لیا۔ سو یہ وہ جسٹس افتخار حسین چوہدری ہیں جو جرنیلی احکامات کو کسی رسمی پارلیمانی کاروائی کے بغیر بھی آئین کا حصہ مان لیتے ہیں اور اس کے تحفظ کو اپنی اور عدلیہ کی ذمہ داری قرار دے لیتے ہیں۔

۸۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار کے وکیل چوہدری اعتزاز احسن نے آج ٹی وی پر بتایا کہ جوڈیشل کونسل سے میں نے خصوصی طور پر کہا تھا اور جوڈیشل کونسل نے بڑی وضاحت کے ساتھ مجھے کہا تھا کہ وکیل کی حیثیت سے میں جب چاہوں چیف جسٹس سے مل سکتا ہوں۔ لیکن جب میں

انہیں ملنے کے لئے ان کے گھر پر گیا تو مجھے ان سے ملنے سے روک دیا گیا۔انہوں نے سرکاری وزراء کی موجودگی میں چیلنج کیا کہ چیف جسٹس کے گھر کے ٹیلی فون ابھی تک غیر منقطع ہیں۔وزیر کے تردید کرنے پر اعتزاز احسن نے کہا کہ آپ مجھے ان کا ٹیلی فون نمبر دیں جو بند نہ ہو،ابھی انہیں فون کر کے اس کی تصدیق یا تردید کر لیتے ہیں لیکن حکومت کے ترجمان وزیر اس کی جرات نہ کر سکے اور بحث کو دوسرے امور کی طرف موڑ کر لے گئے۔یوں ایک آئینی بحران آئینی کے ساتھ سیاسی بحران بھی بنتا جا رہا ہے۔

جنرل پرویز مشرف ایک ایسے آئینی اور اخلاقی سیاسی بحران میں پھنس گئے ہیں جس سے نکلنے کے لئے اسٹیل مل میگا کرپشن کے مرکزی کردار اور چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس صدر کو بھیجنے والے وزیر اعظم شوکت عزیز کی حکومت کی برطرفی ضروری ہوگئی ہے۔ابھی تک مجھے تو ایسے لگ رہا ہے کہ شوکت عزیز کی چھٹی سے شاید کچھ بیچ بچاؤ ہو جائے۔لیکن گارنٹی پھر بھی نہیں دی جا سکتی۔

اگر مارشل لا لگا تو پھر شاید سارے نئے چہرے سامنے آئیں جو کرپٹ تو نہیں ہوں گے لیکن بے رحم ضرور ہوں گے۔

جنرل پرویز مشرف کے ایسے بیانات ہمیں ہمیشہ بہت اچھے لگتے ہیں جب وہ دبنگ انداز میں کہا کرتے ہیں کہ حکومت کی رٹ ہر حال میں قائم رکھی جائے گی۔اس رٹ کے مظاہر متعدد صورتوں میں دکھائی دیتے رہتے ہیں اور ان صورتوں کی چند جھلکیاں میرے گزشتہ کالموں میں بھی موجود ہیں۔اب حکومتی رٹ قائم رکھنے کے دعوے کے دوش بدوش راولپنڈی اور اسلام آباد کی خبریں یہ ہیں کہ وہاں بھی قبائلی علاقوں کی طرز پر ہینڈ بل تقسیم ہو گئے ہیں۔خواتین کے سلسلے میں متعدد احکامات صادر کئے گئے ہیں۔ایک حکم یہ ہے کہ گرلز اسکولوں اور کالجوں کی بچیاں اپنے اداروں میں جانا بند کر دیں اور گھروں میں بیٹھ جائیں ورنہ انہیں قتل کر دیا جائے گا۔فی الحال راولپنڈی کے پُر رونق بازاروں میں یہ کام شروع کر دیا گیا ہے کہ کسی طرف سے اچانک کوئی مولوی نما چیز آتی ہے۔جس خاتون نے دوپٹہ سر پر نہ لیا ہوا ہو اسے سرِ عام چھڑی مار کر تنبیہ کی جاتی ہے۔لیکن بات یہیں تک کی نہیں ہے،ان انتہا پسند عناصر کی جانب سے یہ انتباہ جاری کیا جا چکا ہے کہ مارچ کے بعد اسلام آباد میں جو عورت کار چلاتے ہوئے دکھائی دی اُسے اُڑا دیا جائے گا۔یہ حکومت پاکستان کے مرکزی شہر کی صورتحال ہے۔ایسے میں جنرل پرویز مشرف کے حکومتی رٹ قائم رکھنے والے تحدی آمیز بیان کتنا مزہ دیتے ہیں،اسے صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو خود اذیت

کی لذت سے آشنا ہوں۔

اسلام آباد میں بچوں کی ایک سرکاری لائبریری پر جامعہ حفصہ کی برقعہ پوش اور مسلح طالبات نے قبضہ کر رکھا ہے اور اتنی مدت گزرنے کے باوجود حکومت لائبریری کو طالبات کے قبضہ سے چھڑا نہیں سکی۔اس قبضہ کے بعد حکومت نے متنازعہ مسجد حمزہ کی دوبارہ تعمیر کا معاہدہ کیا،مذہبی امور کے وزیر نے جا کر اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔علماء کی ایک قابلِ ذکر تعداد نے تقریب میں شرکت کی۔اتنے ناز نخرے اُٹھانے کے باوجود حکومت ابھی تک مسلح خواتین سے لائبریری کو خالی نہیں کرا سکی۔اس پر کبھی کبھار اپوزیشن والے کچھ تنقید کر دیتے ہیں اور حکومت یہ بیان دے کر مطمئن ہو جاتی ہے کہ یہ خواتین کا معاملہ ہے اس لئے حکومت کسی سخت کاروائی سے گریز کر کے معاملہ مفاہمت کے ساتھ نمٹانا چاہ رہی ہے۔فوج،پولیس اور ایجنسیاں ایک سے بڑھ کر ایک جینئس سے بھری پڑی ہیں۔اس کے باوجود حیرت ہے کہ ان میں سے کسی کو اتنا خیال بھی نہیں آ رہا کہ نیند کے بھاری لمحوں میں بے ہوشی والی گیس خارج کر کے،یا پھر کسی مستری، مکینک کی آڑ میں کسی کمانڈو کو بھیج کر خواتین کو آسانی سے بے ہوش کر کے لیڈی پولیس کے ذریعے قابو کیا جا سکتا ہے اور پھر کسی تشدد کے بغیر حکومت خود ماسٹر آف سچوئیشن ہوگی۔

کیا واقعی جنرل پرویز مشرف کے سارے متعلقہ معتبر اداروں میں کسی کو بھی اس قسم کا آئیڈیا نہیں سوجھا؟یقین نہیں آتا کہ ان کے ارد گرد اتنے کودن لوگ جمع ہوں گے۔تو پھر اس کا مطلب ہوا کہ حکومت کے اندر ایک بڑی تعداد ایسے افراد کی ہے جو یہ ڈرامہ چلتے رہنا دینا چاہتے ہیں۔لیکن وہ ذہین لوگ پھر اندازہ نہیں کر پا رہے کہ اس ڈرامہ کے مضمرات کیا ہوں گے۔

برطانیہ سے دہشت گردی کے ایک ملزم کی برقعہ میں فرار ہونے کی ویڈیو جاری ہونے کے باوجود بعض کرم فرما اسے مغربی پروپیگنڈہ کہہ کر چپ ہو گئے۔اب افغانستان سے خبر آئی ہے کہ قندھار سے ۳۵ کلومیٹر دور پنجوائی کی چیک پوسٹ پر ایک سینئر طالبان کمانڈر ملا محمود کو برقعہ پہنے ہوئے گرفتار کر لیا گیا ہے۔موصوف نے نہ صرف برقعہ پہنا ہوا تھا بلکہ لباس بھی زنانہ پہن رکھا تھا۔اس کے باوجود شک کی بنیاد پر پکڑے گئے۔اس قسم کی ’’برقعہ پوش مجاہدانہ‘‘ حرکتوں کے نتیجہ میں تو ان خواتین کے لئے بھی برقعہ پہننا مشکل ہو جائے گا جو کسی ذہنی کشمکش کے بغیر صدقِ دل سے پردہ کرنا چاہتی ہیں۔

بہاول پور سے امریکی سفیر ریان سی کروکر کا بیان آیا ہے کہ پاکستان کے ساتھ تجارتی معاہدہ مفید ثابت ہوگا،اس کے مطابق ۲۰۱۰ء تک امریکہ پاکستان سے آم برآمد کرنا شروع کر دے گا۔اس خبر کو

دیہاتی انداز میں کہا جائے تو کہہ سکتے ہیں کہ ریان سی کروکر بہاول پور میں آم لینے گئے تھے (اصلاً اس جملے کا مزہ پنجابی زبان میں ہی آئے گا جس سے اس کے معنی میں بھی توسیع ہو جاتی ہے)۔تاہم یہ کوئی نیک شگون نہیں ہے۔جنرل ضیاع الحق کی ہلاکت کا منظر یاد کیا جائے تو اس میں یہ چند چیزیں بڑی اہم تھیں۔بہاولپور کا سفر، امریکی سفیر کی موجودگی، جہاز میں آم کی پیٹیوں کی لوڈنگ اور اُس وقت کا فوجی حکمران۔یہاں بس فوجی حکمران کی کمی ہے باقی ساری اہم چیزیں موجود ہیں۔آموں کی برآمد اپنی جگہ لیکن علامتی طور پر اس کے مفہوم کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔اگرچہ جنرل پرویز مشرف کچھ بھی ہو جائے جنرل ضیاع الحق کی طرح بہاولپور سے کبھی آم لینے نہیں جائیں گے، تاہم خطرے کا احساس دلانا ہمارا فرض ہے۔

انگلینڈ کے شہر برمنگھم اور فلسطین کے شہر رام اللہ کو جڑواں شہر قرار دینے کے لئے دونوں شہروں کے لارڈ میئرز اور اس مہم کو چلانے والوں کی ایک ملاقات برمنگھم میں ہوئی ہے۔رام اللہ کا نام کبھی رملّہ لکھا جاتا تھا اب اسے زیادہ صراحت کے ساتھ رام اللہ لکھا جاتا ہے۔اس سے مجھے ایک تو یہ خیال آتا ہے کہ رام چندر جی کے دور کے بعد جب ہندوستان کی سرحدوں میں وسعت آئی تو شاید وہ سرحدیں ان عرب علاقوں تک پہنچیں۔یا پھر ویسے ہی ان کی داستان سفر کرتے ہوئے ان علاقوں تک پہنچی تو بھگوان رام کی جگہ عربی مزاج کے مطابق اسے رام اللہ کہہ دیا گیا۔عرب کے بت پرستوں میں اللہ کا نام مروج تھا اور ہندوستان میں تو تب سے اب تک رام چندر جی کا نام زندہ و تابندہ ہے۔بہرحال اس شہر کے نام میں رام چندر جی کے نام کا آنا دلچسپی کا باعث ہے۔فلسطینی دوست اگر اس نام کے اصل ماخذات کی کچھ نشاندہی کر سکیں تو کنفیوژن دور ہو سکتا ہے۔

چین سے خبر آئی ہے کہ ژینگ ژاؤ شہر میں ایک ۸۵ سالہ بزرگ ژاؤ ژنگ ژی پانچویں منزل پر واقع اپنے اپارٹمنٹ کی کھڑکی کھولنے کی کوشش کر رہے تھے۔کھڑکی نہیں کھل سکی تو انہوں نے زور لگا کر جھٹکے کے ساتھ کھولنا چاہی، جھٹکا لگنے سے کھڑکی تو کھل گئی لیکن بزرگ ژاؤ ژنگ ژی اپنا توازن قائم نہ رکھ سکے اور پانچویں منزل سے نیچے گر گئے۔لیکن وہ جو کہتے ہیں ''جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے''، عین اس کہاوت کے مطابق گرتے ہوئے بزرگ کے کپڑے چوتھی منزل کی بالکونی کے کسی بڑے کیل میں اٹک گئے اور ژاؤ ژنگ ژی فضا میں معلق ہو گئے۔اس دوران ان کو بچانے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی گئی۔آدھے گھنٹے تک جدوجہد کرنے کے بعد فائر فائٹرز نے انہیں زندہ سلامت اتار لیا۔میڈیکل چیک

اپ میں انہیں صحت مند قرار دیا گیا ہے تاہم ڈاکٹروں نے ہدایت کی ہے کہ آئندہ کھڑکی کھولتے وقت احتیاط کیا کریں۔میرا خیال ہے انہیں کھڑکی کھولنے سے مکمل پرہیز کی ڈاکٹری تلقین کی جانی چاہئے تھی۔
بہرحال ۸۵ سالہ بزرگوار ژاؤ ژنگ ژی کو نئی زندگی مبارک ہو!

گزشتہ کالم میں انڈیا کے صدر جمہوریہ کے اچانک گرنے کی خبر کا ذکر ہوا تھا۔ضمناً امریکی صدور بل کلنٹن اور بش جونیئر کے گرنے کا ذکر بھی ہوا۔اب اس بار خبر آئی ہے کہ امریکہ کے سابق صدر بل کلنٹن کی اہلیہ ہیلری کلنٹن ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے گر گئیں۔ریاست نیویارک کے شہر بفلو میں یہ واقعہ پیش آیا۔گرنے کے بعد انہوں نے کچھ دیر آرام کیا اور دوبارہ تقریب میں بیٹھ کر شرکت کی، بلکہ اس تقریب کے بعد ایک اور پروگرام میں بھی گئیں جہاں انہیں سوالوں کے جواب دینا تھے۔جسمانی طور پر گر جانا تو قسمت کی بات ہے تاہم جو لوگ تہذیبی طور، اخلاقی طور پر گرتے ہیں۔ظلم، زیادتی، کذب و افترا اور دہشت گردی سے کام لیتے ہیں وہ سب کے سب لوگ بلا امتیاز مذہب و ملت انتہائی گرے ہوئے لوگ ہیں۔

رہتی ہے پرواز کی خوش فہمی ان کو
جو اپنے اندر کے خلا میں گرتے ہیں
گرتے ہیں تو گرتے ہی جاتے ہیں پھر
اہلِ ستم جب مکر وریا میں گرتے ہیں

خبر آئی ہے کہ ہریانہ پولیس کی خصوصی انویسٹی گیشن ٹیم اندور گئی ہے۔کیونکہ پلاسٹک کی ایک بوتل ملی ہے جس کے لیبل پر لکھا ہے کہ اسے بمبئی کی ایک کمپنی نے بنایا اور اندور کے لئے سپلائی کیا گیا۔توقع کی جا رہی ہے کہ اس سے تفتیش میں اہم پیش رفت ہو گی۔یہ کمال کی تفتیش ہے۔جن ڈبوں میں اتنے انسان زندہ جلا دیئے گئے وہاں سے پلاسٹک کی کوئی بوتل لیبل سمیت محفوظ ملی ہے تو اس تفتیش کے قربان جائیے۔(یہ وہی امریکی اسٹائل ہے کہ ٹریڈ ٹاور کی عمارتوں سے جہاز ٹکرانے والے خود تو جہازوں میں موجود تھے لیکن اپنے پاسپورٹ وغیرہ امریکہ سرکار کی سہولت کے لئے اپنے ہوٹلوں میں چھوڑ گئے تھے) اگر کسی اور کمپارٹمنٹ سے ایسا کوئی ساز و سامان ملا ہے تو اس کے لئے اتنی تگ و دو کرنا بے معنی سی بات ہے۔تاہم تفتیشی ٹیم کی اس پھرتی کا نتیجہ بھی دیکھ لیتے ہیں۔سانحہ کے فوراً بعد جس بے رحمی کے ساتھ پاکستان کی بعض جہادی تنظیموں اور پاکستانی خفیہ ایجنسیوں کے نام لئے گئے تھے، اس پر ابھی تک بھارتی

میڈیا نے کسی ندامت کا اظہار نہیں کیا۔اس کے برعکس تا حال کسی ہندو انتہا پسند تنظیم کو اس دہشت گردی کے واقعہ میں شک کی حد تک بھی شامل نہیں کیا گیا۔اس سے تو الٹا شک ہوتا ہے کہ پاکستانی ایجنسیوں کی بجائے بعض بھارتی ایجنسیوں کی شہ پر یہ سانحہ کسی انتہا پسند ہندو تنظیم نے برپا کیا ہے۔

ہندوستان نے پاکستان کی مشترکہ تفتیش کی پیش کش کو قانونی بہانہ بنا کر ٹال دیا۔پاکستانی مسافروں کی لسٹ ابھی تک فراہم نہیں کی گئی۔اور اب تفتیش میں اہم پیش رفت ایک پلاسٹک کی بوتل سے ہونے لگی ہے جسے بمبئی کی کمپنی نے تیار کیا اور اندور کے لئے سپلائی کیا گیا۔چلیں اسی تفتیش میں یہ بھی دیکھ لیں کہ اگر بمبئی کی کمپنی کا مال تھا تو اس میں بمبئی کی شیوسینا اور وبال ٹھاکرے کا بھی کوئی کردار ہوسکتا ہے یا نہیں؟

دہلی کے علاقہ دریا گنج میں دینا بینک پر ڈیوٹی دینے والے ایک پولیس اہلکار لیپچا نے اپنے پانچ پولیس اہلکار ساتھیوں کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔رپورٹ کے مطابق یہ سارے اہلکار سکم سے تعلق رکھتے تھے۔پانچوں ہلاک شدگان نے شراب چڑھا رکھی تھی اور وہ لیپچا کے ساتھ غیر اخلاقی حرکت کرنا چاہتے تھے جس سے مشتعل ہو کر لیپچا نے ان پانچوں کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا۔اس خبر کو پڑھ کر افسوس ہوا لیکن کیا کیا جائے،ایسی خبریں اور اس سے ملتے جلتے واقعات تو اب عموماً رونما ہوتے رہتے ہیں۔

مظفر نگر (یوپی) کے ایک گداگر اسماعیل خان نے اپنی وفات پر ایسی وصیت چھوڑی ہے جس سے ان کی شانِ گدائی قابلِ تقلید بن گئی ہے۔انہوں نے ایک لاکھ روپے کے جمع شدہ سکے ایک فلاحی ٹرسٹ کے نام کر دیئے۔یہ بلاشبہ ایک اچھی اور قابلِ تقلید مثال ہے۔اللہ تعالیٰ اسماعیل خان کی مغفرت فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا کرے۔آمین۔

۱۳؍مارچ ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے: ۱۰

پاکستان سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کی برطرفی یا غیر فعالیت اور پھر ان کے ساتھ زیرِ حراست افراد جیسا سلوک،صدارتی ریفرینس کی قانونی موشگافیاں۔۔۔۔اس حوالے سے پچھلا کالم لکھنے کے بعد (یعنی دل کا غبار نکال لینے کے بعد) سے اب تک جو پیش رفت ہوئی ہے،ان کا تاریخ وار ترتیب سے ذکر کروں گا۔کہیں کہیں کوئی خبر پہلی خبر سے متعلق ہوئی ہے تو اسے پہلی خبر کے ساتھ ملا دوں گا۔دراصل پاکستان کا عدالتی بحران اتنی تیزی سے بدلتا چلا جا رہا ہے کہ کسی خاص تجزیے کی نوبت نہیں آ پاتی،خبروں پر خبریں چلی آتی ہیں،ان خبروں سے جو تاثر بنتا ہے وہی ساتھ کے ساتھ لکھتا جاؤں گا۔تاہم پہلے منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے چند ’’کچھ اور‘‘قسم کی خبریں پیش ہیں۔

جرمنی کی ایک دلچسپ خبر ہے کہ یہاں ایک شخص کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اپنے گھر کی چھت پر عجیب سی حالت میں پڑا ہے۔ایسا لگتا تھا جیسے وہ خودکشی کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔راہگیروں نے فوری طور پر پولیس کو اطلاع دی۔اس کو پولیس نے کافی مشکل سے چھت پر سے اتارا۔لیکن حقیقتاً وہ خودکشی نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنی چھت کی مرمت کرتے ہوئے تارکول سے چپک گیا تھا۔

قاہرہ،مصر سے ایک حیران کن خبر آئی ہے کہ وہاں ایک درخت میں سے اللہ،محمد اور طٰہٰ کی آواز آ رہی ہے۔اسماعیلیہ روڈ نوزہا پر ہائیک سٹیپ پر جو ایک فوجی علاقہ ہے،یہ درخت موجود ہے،اس درخت کے ارد گرد ایک عجیب سی مہک پھیلی ہوئی ہے۔اس درخت کو دیکھنے کے لئے لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے۔فوجی علاقہ ہونے کی وجہ سے یہاں عوامی ہجوم تشویش کا باعث ہے۔اس کے علاوہ ہجوم کی وجہ سے ٹریفک کا نظام بھی درہم برہم ہو رہا ہے۔اس وجہ سے پولیس حکام نے گورنر قاہرہ کو درخواست بھیجی ہے کہ اس درخت کو کاٹنے کی اجازت دی جائے۔روزنامہ جنگ کے مطابق مصری اخبار المصری الیوم نے اس درخت کی پوری خبر شائع کی ہے۔

اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ خبر کس حد تک درست ہے۔کیونکہ ایسا کچھ ہوا ہے تو اس درخت کی تصویر اور آوازیں کم از کم عربی اور اردو ٹی وی چینلز پر تو دکھائی جانا چاہئیں تھیں۔اس لئے اس خبر کی صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ایسا ہونا ناممکنات میں سے نہیں ہے۔ہندوؤں میں مقدس درختوں کی ایک

بڑی روایت موجود ہے۔ یہودی اور مسیحی عقائد کے مطابق بائبل کی کتاب خروج کے باب ۳ میں ایک مقدس جھاڑی کا ذکر ہے جس میں بظاہر آگ لگی ہوئی تھی لیکن وہ آگ جلانے والی نہ تھی۔ حضرت موسیٰ وہاں سے بچ کر گزرنے لگے تو جھاڑی میں سے خدا کی آواز آئی۔ قرآن شریف میں یہی واقعہ مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سورہ القصص کی آیت ۳۱ میں درج ہے کہ جب حضرت موسیٰ اس آگ کے قریب پہنچے ایک درخت کے اندر سے آواز آئی ''انی انااللہ رب العلمین'' میں اللہ ہوں تمام جہانوں کا رب۔ یہ واقعہ مصر میں پیش آیا تھا اور اب بھی جس درخت کا ذکر ہو رہا ہے مصر ہی میں پایا گیا ہے۔ سو اس لحاظ سے اس درخت میں سے اللہ، محمد اور طٰہٰ کی آواز آرہی ہے تو ایسا ہونا ممکن ہے۔ البتہ پریشانی والی بات کو علامہ اقبال کے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ؎ جلوۂ طور تو موجود ہے، موسیٰ ہی نہیں

ورلڈ کپ میں پاکستان کی جو درگت بنی ہے، اس پر قوم نے انضمام الحق کا ''ماشاء اللہ'' تو دیکھ لیا ہے اور اب قوم منتظر ہے کہ ٹیم واپس آئے تو اسے انضمام الحق کا ''انشاء اللہ'' قوم کی طرف سے دکھایا جائے۔ پاکستانی کرکٹ ٹیم کی کارکردگی جو رہی سو رہی اوپر سے ٹیم کے کوچ باب وولمر کی اچانک موت اور اس موت پر مختلف شبہات کا اظہار اور پولیس کی تفتیش ایک اور سردرد بن رہا ہے۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے بعد ہی حتمی طور پر کچھ کہا جاسکے گا۔

روزنامہ خبریں کی ۲۰؍مارچ کی اشاعت میں یہ افسوسناک خبر چھپی ہے کہ موضع ہالہ، کوٹ اڈو میں مولوی غلام رسول نے دینی تعلیم دینے کا ایک مدرسہ قائم کر رکھا تھا۔ وہاں سے ایک بچہ کسی طرح بھاگ کر پولیس تک پہنچا اور اس نے شکایت کی کہ مولوی غلام رسول نے اپنے مدرسہ میں بہت سارے بچوں کو قید کر رکھا ہے اور وہ ان کے ساتھ جنسی زیادتی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے۔ خود شکایت کنندہ کے ساتھ بھی مولوی غلام رسول نے جنسی زیادتی کی۔ مزید یہ بھی بتایا کہ وہ زیادتی کرنے سے پہلے خود کو انجکشن لگاتا ہے اور پھر زیادتی کرتا ہے۔ چنانچہ پولیس نے مدرسہ پر چھاپا مارا۔ وہاں تین بچے زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے۔ باقی سارے بچوں کو دو کمروں میں بند کیا ہوا تھا۔ دینی مدرسہ پر چھاپہ کے دوران وہاں سے قوت بخش ادویات، انجکشن اور سرنجیں بھی برآمد کر لی گئیں۔ میڈیکل رپورٹ سے جنسی زیادتی کے الزام کی تصدیق یا تردید ہو جائے گی۔ لیکن یہ صرف ایک مدرسہ اور ایک مولوی صاحب کی کہانی نہیں ہے، ہمارے معاشرہ میں ایسی اور بھی کئی شرمناک کہانیاں موجود ہیں۔

مغربی بنگال میں مشرقی مدناپور ضلع کے موضع نندی گرام میں پولیس اور عوام کے تصادم میں

کم از کم ۱۴ شہری ہلاک اور ۵۰ سے زائد زخمی ہو گئے۔ زخمیوں میں ۱۴ پولیس والے بھی شامل ہیں۔ یہ تصادم اس تنازعہ کے حوالے سے ہوا ہے جو کچھ عرصہ سے بنگال کی حکومت اور دوسری سیاسی جماعتوں کے درمیان چل رہا تھا۔ زرعی زمینوں پر حکومت فیکٹریاں بنانا چاہ رہی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ جن سے زمینیں لی گئی ہیں انہیں معاوضہ ادا کیا جا چکا ہے۔ دوسری طرف مخالف سیاسی جماعتیں زرعی زمینوں پر فیکٹریاں بنانے کی مخالفت کر رہی ہیں۔ یہ تنازعہ گھمبیر ہوتا جا رہا ہے۔ اتنی بڑی تعداد میں شہریوں کی ہلاکت ریاست کی انتظامیہ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔

بھارتی ریاست چھتیس گڑھ کے ضلع بیجاپور میں مسلح کمیونسٹ باغیوں نے ایک پولیس چوکی پر حملہ کر دیا۔ اس شدید حملہ کے نتیجہ میں اسپیشل پولیس آفیسرز اور پولیس اہلکاروں سمیت ۵۰ سرکاری ملازمین ہلاک ہو گئے۔ ہلاک شدگان میں بڑی تعداد اسپیشل پولیس افسران کی ہے۔ باغیوں نے بموں کے ساتھ حملہ کیا اور ساتھ ہی اندھا دھند فائرنگ کی، جس کے نتیجہ میں اتنا بڑا جانی نقصان ہوا۔

جنرل پرویز مشرف نے گوجرانوالہ میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کرتے ہوئے صوبائی وزیر ظلِ ہما عثمان کے قتل کا ذکر کیا اور ان کے قاتل مذہبی جنونی مولوی محمد سرور کے بارے میں کہا کہ ''ہم مذہب کے نام پر ایسی حرکتیں کرنے والوں کو معاشرے سے باہر نکال دیں گے''۔۔۔۔ جنرل پرویز مشرف کا جذبہ بہت نیک ہے لیکن ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ہونے کی وجہ سے انہیں ماضی کے حوالے سے بھی کچھ بتانا چاہئے تھا۔ ان کے دور بابرکت ہی میں سال ۲۰۰۲ء اور ۲۰۰۳ء کے دوران اسی مذہبی جنونی مولوی محمد سرور نے چھ خواتین کو قتل کیا۔ بعض خواتین کو زخمی کیا۔ اس کے باوجود یہ سیریل کلر مولوی محمد سرور ہر قتل سے بری ہو گیا۔ آپ کی نگرانی میں کام کرنے والی حکومت کا اب تک کا ریکارڈ تو یہ بتاتا ہے کہ ایسے جنونی شخص کو معاشرے سے نہیں بلکہ جیل سے نکالا گیا اور بار بار نکالا گیا۔

شریک تھی یہ چمن کی ہوا بھی سازش میں
اسی لئے تو یہاں نفرتوں کے خار اُگے

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے حوالے سے چند اہم خبریں یہ ہیں کہ سب سے پہلے ریٹائرڈ جسٹس فخرالدین جی ابراہیم نے حکومت کی طرف سے اس کیس کی پیروی کرنے سے انکار کیا۔ پھر بہاولپور کے سول جج درجہ اول؍جوڈیشل مجسٹریٹ سعید خورشید احمد نے عدلیہ پر لگائی جانے والی ضرب کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹ مارچ تک خبریں آئیں کہ کئی اور ججز نے بھی مستعفی ہونا شروع کر دیا ہے

۔کراچی ایسٹ کے سینیئر سول اور اسسٹنٹ سیشن جج اشرف یار خان،فورتھ سول جج سینٹرل پیر اسداللہ راشدی،سول جج اور جوڈیشل مجسٹریٹ اللہ بچایو گبول،سینئر سول جج ایسٹ مصطفیٰ صفوی،پنو عاقل کے فرسٹ سول جج راجیش چندر راجپوت،لاہور ہائیکورٹ کے جسٹس جواد ایس خواجہ،جوڈیشل مجسٹریٹ و سول جج شکار پور ارم جہانگیر،سول جج کوٹری جاوید میمن اور ڈپٹی اٹارنی جنرل ناصر سعید شیخ اب تک استعفیٰ دے چکے ہیں۔اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔

جسٹس (ر) عبدالقیوم ملک کو حکومت کی طرف سے کیس کی پیروی کے لئے کہا گیا لیکن انہوں نے بھی انکار کر دیا۔جسٹس فخر الدین جی ابرہیم اور عبدالقیوم ملک دونوں اس وقت چیف جسٹس کے ساتھ ہونے والے رویے کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔اسپیشل پبلک پراسیکیوٹر تونسہ ذوالفقار ملغانی نے بھی چیف جسٹس کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دے دیا ہے۔مزید عجیب سی خبر یہ ہے کہ ہر فوجی حکمران کی حمایت میں اس کی حکمرانی کے جواز دینے والے رسوائی کی حد تک مشہور شریف الدین پیرزادہ نے اس کیس کی پیروی کرنے سے معذرت کر لی ہے۔حکومتی کیمپ میں موجود بہت سارے اہم قانون دان خاموش ہیں۔ان سارے مسائل کا ایک ہی حل ہے،جس طرح متعدد دوسرے سول اداروں میں ریٹائرڈ اور حاضر سروس فوجی افسران کو تعینات کیا گیا ہے اسی طرح تمام عدالتوں میں اعلیٰ فوجی افسران کو جج لگا دیا جائے۔’’جسٹس میجر جنرل‘‘ اور ’’جسٹس لیفٹیننٹ جنرل‘‘ مقرر کرنے کے ساتھ حکومت کے سارے آئینی مسائل دور ہو جائیں گے۔انصاف کا بول بالا ہو گا۔

ہندوستان کی بار ایسوسی ایشن نے جسٹس افتخار محمد چوہدری کی حمایت کی ہے۔نیپال کی بار ایسوسی ایشن نے بھی پاکستانی وکلا کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہوئے چیف جسٹس کے ساتھ ہونے والے سلوک کی مذمت کی ہے۔برطانیہ میں وہاں کے ۷۰ بیرسٹروں اور سالیسٹرز نے ایک یادداشت پر دستخط کئے ہیں۔ان قانون دانوں میں موجودہ پرائم منسٹر ٹونی بلیئر کی اہلیہ شیری بلیئر بھی شامل ہیں۔

۱۷/مارچ کو پنجاب پولیس کے ۱۵ جوانوں نے جیو نیوز کے اسلام آباد آفس پر دھاوا بول دیا۔دفتر کے اندر توڑ پھوڑ کی۔سینیئر صحافیوں کی بے عزتی کی،خواتین صحافیوں کے بارے میں نازیبا زبان استعمال کی۔اس واقعہ کو اس کے پورے پس منظر کے ساتھ دیکھنا چاہئے۔پہلے جوڈیشل کونسل (جس کی حیثیت کو چیف جسٹس نے چیلنج کیا ہوا ہے) کی طرف سے فرمان آیا کہ ریفرینس کے حوالے سے میڈیا ٹرائل نہ کیا جائے۔جب الیکٹرانک میڈیا کے صحافیوں نے بچ بچا کر حقائق بیان کرنے کا سلسلہ جاری رکھا

تو ۱۵/مارچ کو پروگرام ’’آج کامران خان کے ساتھ‘‘ پر پابندی عائد کر دی گئی۔۱۶/مارچ کو کامران خان نے ریفرینس کی سماعت اور ملکی صورتحال کی لائیو کوریج دینا شروع کی تو اسی دن پہلے یہ مناظر دیکھنے میں آتے رہے کہ پولیس ٹی وی والوں کے کیمرے توڑنے کی کوشش کر رہی ہے۔پھر پنجاب پولیس کے علاقہ راولپنڈی میں ٹی وی چینلز کے بعض صحافیوں کی گرفتاری اور ان پر پولیس تھانوں میں تشدد کی خبریں آئیں اور سہ پہر تک حکومت کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور پھر جیو نیوز کے دفتر پر دھاوا بول دیا گیا۔

۱۳/مارچ کو چیف جسٹس کے ساتھ جو بدتمیزی کی گئی اور پولیس نے جس طریقے سے انہیں دھکے دیئے،ان کے بالوں سے پکڑ کر انہیں گھسیٹا اور کپڑے تک پھاڑ دیئے گئے،یہ سارے کام فوجی احکامات کے تحت ہوئے تھے۔ان طریقوں میں فوجی دماغ کی کارفرمائی صاف دکھائی دیتی ہے۔اس کے برعکس جیو نیوز کے دفتر پر حملہ میں گجرات کے چوہدریوں کا اسٹائل صاف دکھائی دیتا ہے۔پنجاب کے وزیر اعلیٰ پرویز الٰہی جس انداز میں اس حملہ کی مذمت کر رہے تھے ان کا چہرہ بھی ان کی اصل پریشانی کو ظاہر کر رہا تھا۔جو واقفانِ حال جانتے ہیں کہ لاہور میں ڈاکے کی وارداتوں اور پولیس کے رویوں میں کیسی ہم آہنگی پائی جاتی ہے،وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ جیو نیوز پر حملہ کرانے میں صرف پنجاب پولیس شامل نہیں بلکہ اس پولیس کے سرپرست ملوث ہیں۔۱۷/مارچ کو لاہور ہائی کورٹ میں وکیلوں پر اسی اسٹائل کا تشدد کیا گیا جیسا ۱۷/مارچ کو راولپنڈی،اسلام آباد میں پنجاب پولیس کے ذریعے کیا جا چکا تھا۔بلکہ اس میں کچھ ’’چوہدریانہ‘‘ اضافے بھی دکھائی دیئے۔وکلاء کے چیمبرز میں توڑ پھوڑ کی گئی،پولیس کی کارکردگی کے نتیجہ میں ہائی کورٹ کے احاطہ میں کھڑی دو کاریں جل گئیں،متعدد وکلاء کو گرفتار کرنے کے بعد ان پر وحشیانہ تشدد کیا گیا۔وکلاء پر عمومی حملہ کے دوران ایک طرف پولیس نے ہائیکورٹ کا مین گیٹ بند کر دیا،دوسری طرف سے احاطہ کے اندر محصور وکلاء پر آنسو گیس کی شیلنگ کے ساتھ پتھراؤ بھی کیا گیا۔اس سارے کھیل کا سلسلہ گوجرانوالہ میں جنرل مشرف کے جلسہ عام سے جوڑ کر دیکھا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ پرویز الٰہی نے عوامی ردِعمل کا سیاسی مقابلہ کرنے کے لئے اس جلسے کو خاص رنگ دلایا،یہاں سے انہیں ’’ضروری انتظامی (انتقامی)‘‘ کارروائی کرنے کے لئے بلینک چیک دے دیا گیا اور پھر یہ سب کچھ رونما ہونے لگا۔ اسلام آباد،راولپنڈی سے لے کر لاہور تک پنجاب پولیس کی اس ساری ’’پولیس گردی‘‘ کی ذمہ داری مکمل طور پر وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی کے سر پر ہے۔سب انہیں کا کیا دھرا ہے۔جنرل پرویز مشرف اس سازش کو سمجھیں!

جیو کے دفتر پر حملہ کے فوراً بعد جس طرح بین الاقوامی میڈیا نے اس کی خبر نشر کرنا شروع کی، اس کے نتیجہ میں حکومتی حلقوں میں کھلبلی مچ گئی۔ قانون کے وفاقی وزیر جو انگریزی زبان کے ساتھ ساتھ اخلاق و تہذیب سے نابلد ہونے کا ثبوت وائس آف امریکہ کے ایک پروگرام میں دے چکے ہیں۔ اور اس کے بعد بھی فخریہ طور پر اپنی بدتہذیبی کو اپنی شناخت کے طور پر پیش کرتے رہے، اس حملہ کے بعد انہوں نے اعلانیہ طور پر معروف صحافی انصار عباسی سے اپنے رویے پر معافی مانگ لی ہے۔ وزیر اعظم شوکت عزیز نے سہمے ہوئے انداز میں اس حملہ کی مذمت کی ہے۔ تاہم اصل خبر یہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے کہا ہے کہ پریس کی آزادی ان کی ترجیح رہی ہے اس لئے وہ اس حملہ کی مذمت کرتے ہوئے خود جیو والوں سے معافی مانگتے ہیں۔ پرانی معاشرتی فلموں میں ایسا ہوتا تھا کہ ساری فلم میں سازشیں اور زیادتیاں چلتی تھیں اور آخر میں سب ایک دوسرے سے معافیاں مانگ رہے ہوتے تھے۔ معافیاں مانگنے کا سلسلہ شروع ہوتا تو اندازہ ہو جاتا کہ اب فلم اختتام کے قریب پہنچ گئی ہے۔ ہیپی اینڈ (Happy End) سے سارے ناظرین خوش ہو جاتے۔ لیکن جنرل پرویز مشرف کے دورِ اقتدار کے اس مرحلہ پر جو معافیاں مانگنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس سے یہ تو لگتا ہے کہ اس دور کی فلم ختم ہونے کے قریب ہے لیکن اس بار Happy End کی بجائے بڑے پیمانے پر خونریزی دکھائی دے رہی ہے۔ اللہ رحم کرے اور میرا قیاس صرف میرا وہم ثابت ہو۔ میرے خیال میں جو تھوڑی بہت بچت ہو سکتی ہے وہ صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ فوری طور پر اپوزیشن کے مشورے کے ساتھ عبوری حکومت قائم کی جائے، شوکت عزیز اور سلمان شاہ و دیگر کے خلاف اسٹیل مل میگا کرپشن اور اسٹاک ایکسچینج کے بحران کی سازش کا مقدمہ درج کر کے کاروائی شروع کی جائے۔ چوہدری شجاعت حسین اور پرویز الٰہی کی فائلیں کھولی جائیں اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے۔ موجودہ حکومت میں شامل سارے نیب زدگان کے خلاف مقدمات کو لٹکانے کی بجائے فیصلہ کن مرحلہ میں لایا جائے۔ اور جن خاندانوں کے بھی کروڑوں کے قرضے معاف کئے گئے ہیں، ان کی اور ان کی اولادوں کی جائیدادیں نیلام کر کے انہیں خزانے میں واپس لایا جائے۔ جو کسی قانونی موشگافی سے ایسا نہیں ہونے دیتے ان سب کو سی کلاس جیلوں میں بند کیا جائے۔ ایسے اقدامات کے دوش بدوش پھر بے شک چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس کو بھی قانونی طریقے سے نمٹایا جائے۔ ایسے چند اہم اقدامات کے نتیجہ میں ہی جنرل پرویز مشرف اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھالا دے سکتے ہیں، ورنہ وہ خود بھی مذکورہ سارے کرپٹ عناصر کے ساتھ ان کے سرپرست کے طور پر تاریخ کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔ وقت شاید بہت

کم رہ گیا ہے۔

۱۹/مارچ کو جنرل پرویز مشرف جیو ٹی وی کے پروگرام ''آج کامران خان کے ساتھ'' میں جلوہ گر ہوئے۔ اس پروگرام کو پہلے بین کر دیا گیا تھا لیکن اب بین اُٹھا لیا گیا ہے اور پابندی ختم ہونے کے بعد یہ پہلا پروگرام تھا۔ یہ پروگرام معمول کے ایک گھنٹہ کی بجائے دو گھنٹے تک جاری رہا۔ کامران خان نے بیشتر اہم سوال پوچھ لئے اور جنرل پرویز مشرف نے بڑی حد تک اپنی پہلی والی صاف گوئی کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کے جواب دیئے۔ بے شک جنرل پرویز مشرف قوم کے ساتھ اسی طرح کھل کر بات کرتے رہتے تو انہیں آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے۔ ان کی صاف صاف باتیں کرنا قوم کو ہمیشہ اچھا لگتا تھا لیکن درمیان میں وہ بہت زیادہ ''سیاستدان'' بن گئے تھے جس کا نتیجہ بھی اب ان کے سامنے ہے۔ انٹرویو میں جنرل پرویز مشرف کی بعض صاف صاف باتوں کے باوجود ان باتوں سے کچھ اور سوال پیدا ہوتے ہیں۔

یہ اچھی بات ہے کہ صدر نے اعتراف کر لیا ہے کہ چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس بھیجنے کے بعد حکومت سے مس ہینڈلنگ ہوئی ہے۔ ریفرینس کی کہانی کا آغاز ہی مس ہینڈلنگ سے ہوا ہے۔ چیف جسٹس کی خواہش پر (اس کی دوسری طرف سے تصدیق ہونا باقی ہے) انہیں صدارتی کیمپ (آرمی ہاؤس) میں بلایا گیا تھا۔ صدر کے بقول دو تین ہفتے پہلے بھی چیف جسٹس اپنی اہلیہ کے ساتھ اسی طرح ملنے کے لئے آئے تھے۔ ریفرینس والے دن پہلے صدر نے ان سے ملاقات کی بعد میں وزیر اعظم شوکت عزیز بھی آ گئے۔ اس روداد پر سوال پیدا ہوتے ہیں کہ کیا دو تین ہفتے پہلے والی ملاقات کی ویڈیو بھی ٹی وی چینلز کو جاری کی گئی تھی؟۔ اگر وہ ویڈیو جاری نہیں کی گئی تھی تو اس بار ملاقات کی ویڈیو کو جاری کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر ویڈیو جاری کرنا ہی تھی تو وزیر اعظم کی آمد کے بعد ان سمیت ویڈیو بنا کر جاری کی جاتی۔ تب شاید کسی حد تک کم ردِعمل ظاہر ہوتا۔ فوجی لباس میں ملبوس ہونے کا جواز بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ معقول جواز اور چالاکی دکھانے میں فرق ہوتا ہے۔ جنرل صاحب معقول جواز پیش نہیں کر سکے۔

صدر نے چیف جسٹس کو پانچ گھنٹے تک فوج کی حراست میں رکھنے کی تردید کرتے ہوئے کچھ وقت کا شمار کیا کہ اتنی دیر اس طرح بات ہوئی، پھر میں اور وزیر اعظم جمعہ نماز پڑھنے چلے گئے اور چیف جسٹس فوجی سٹاف کے ساتھ وہاں ریفرینس پر غور کرتے رہے۔ اس پر بھی پوری صفائی نہیں ہوئی۔ چیف جسٹس کا یہ بیان شروع میں ہی سامنے آ گیا تھا کہ انہیں بلا کر ایک گھنٹہ سے بھی زیادہ دیر تک انتظار کرایا گیا، یہ

مصروفیت نہیں بلکہ ہتک آمیز رویہ تھا۔اگر صدراور وزیراعظم جمعہ نماز پر جارہے تھے تو چیف جسٹس کو جمعہ نماز پڑھنے کے لئے کیوں نہیں جانے دیا گیا؟۔حقیقت یہی ہے کہ عملاً چیف جسٹس کو حراست میں رکھا گیا تھا۔۱۷/مارچ تک ان کے گھر پران کو پورے اہلِ خانہ سمیت نظر بند رکھا گیا۔اس دوران جن گنے چنے لوگوں سے ملاقاتیں کرائی گئیں وہ اوپر کی منظوری سے کرائی گئیں۔پوری قوم بلکہ پوری دنیا یہ نظر بندی دیکھ رہی تھی۔سو یہاں بھی مس ہینڈلنگ ہوئی تھی۔

جنرل پرویز مشرف نے ایک بات یہ کہی کہ ریفرینس وزیراعظم کی طرف سے آئی ہوئی تھی۔ قوم کی طرف سے یہ میری ذمہ داری تھی کہ دستور کے مطابق کاروائی کی جائے۔بالکل درست بات ہے۔آپ قوم کی ساری امانتوں کے امین ہیں۔آپ کو جہاں بھی قوم کی امانت میں خیانت ہوتی دکھائی دے وہاں لازماً کاروائی کریں۔لیکن پہلے اپنے اردگرد کے سارے کرپٹ سیاستدانوں کوتو دیکھ لیں۔پھر کیا آپ نے اسٹیل مل میگا کرپشن کے مرکزی کرداروں کے خلاف کاروائی کی؟وہ تو ابھی تک اعلیٰ کرسیوں پر فائز ہیں اورانہیں کے دکھ کے مداوا کے لئے چیف جسٹس کے خلاف کاروائی کروائی گئی ہے۔یہ ہے وہ اصل سازش جس کا حقیقتاً آپ شکار ہوئے ہیں لیکن ابھی تک آپ اس کا ادراک نہیں کررہے ہیں۔وزیر اعظم اوران کے اقتصادی مشیر اعظم کو چھوڑیں،سندھ کے وزیراعلیٰ ارباب غلام رحیم کے خلاف حکومت ہی کے ایک اہم فرد امتیاز شیخ نے جو گھناؤنے اور ہولناک الزام لگائے تھے،ان کے حوالے سے آپ نے اپنی ذمہ داری کہاں پوری کی؟قوم سے کروڑوں اور اربوں کے قرضے لے کر معاف کرا لینے والوں سے آپ نے ساری رقوم نکلوانے کا دعویٰ کیا تھا لیکن وہ رقوم کیا نکلتیں،اُلٹا آپ کے عہدِ بابرکت میں انہیں لٹیروں کو مزید قرضے دے کر وہ قرضے بھی معاف کر دیئے گئے۔سو آپ کو صرف یہی ایک ذمہ داری یاد رہی اور وہ بھی اس وزیراعظم کی طرف سے بھیجے ہوئے ریفرینس کی ذمہ داری جو اسٹیل مل میگا کرپشن میں براہ راست ملوث تھے۔

جب تک صدارتی ریفرینس پوری طرح سامنے نہیں آتا اس حوالے سے کچھ کہنا قبل از وقت ہے لیکن ایک بات جو سندھ کے وزیراعلیٰ ارباب غلام رحیم نے اعلانیہ کہی تھی کہ چیف جسٹس نے سندھ کے وزیراعلیٰ پر دباؤ ڈال کر ان سے ذاتی استعمال کے لئے سرکاری ہیلی کاپٹر لیا تھا۔اب انہیں وزیراعلیٰ سندھ کے بارے میں یہ انکشاف ہوا ہے کہ انہوں نے ایک ہندوستانی خاتون سارہ سنگھ کو سرکاری ہیلی کاپٹر ان کے ذاتی تصرف میں دیا۔مذکورہ خاتون جنوری اور فروری ۲۰۰۷ء میں اس ہیلی کاپٹر کے ذریعے عمر

کوٹ،لاڑکانہ،تھرپارکر،حیدرآباد،خیرپوراور دیگر مقامات سندھ میں گھومتی رہیں۔اب یہ عجیب تماشہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف کے وزیراعلیٰ سندھ اس بات پر تو اعتراض کرتے ہیں کہ چیف جسٹس نے ان سے سرکاری ہیلی کاپٹر لینے کے لئے دباؤ ڈالا تھا لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ ایک ہندوستانی خاتون کو انہوں نے سرکاری ہیلی کاپٹر کیوں دے دیا؟

جنرل پرویز مشرف کا یہ بیان بھی حیران کن ہے کہ جس انسپکٹر کی قیادت میں جیو کے اسلام آباد آفس پر حملہ ہوا تھا وہ انسپکٹر خالد محمود پراسرار طور پر غائب ہے۔اوران کے انٹرویو سے اگلے روز انسپکٹر کو تلاش کر لیا گیا۔مجھے اس شبہ کے اظہار میں کوئی تامل نہیں کہ مذکورہ انسپکٹر کو یا تو خفیہ ایجنسیوں نے اپنی تحویل میں لے رکھا تھا،یا پھر پرویز الٰہی انہیں وہ بیان سمجھا رہے تھے جو بدلے ہوئے منظر نامہ میں انہیں دینا ہے۔کیونکہ اس حملہ کے پیچھے ان دو کے علاوہ کوئی اور تیسرا نہیں ہوسکتا۔

پہلی پیشی پر چیف جسٹس کے وکیل اعتزاز احسن نے جوڈیشل کونسل سے درخواست کی تھی کہ اگلی پیشی ۲۶ مارچ کی رکھی جائے۔لیکن جوڈیشل کونسل نے ۲۱/مارچ کی تاریخ دے دی۔اب آج ۲۱/مارچ کو جب سہ پہر ۳ بجے جوڈیشل کونسل میں حاضری ہونا تھی،جوڈیشل کونسل کی طرف سے کہا گیا ہے کہ چیف جسٹس کی درخواست پر ۲۱/مارچ کی پیشی کو ملتوی کر کے ۳/اپریل کی تاریخ مقرر کی گئی ہے۔جبکہ چیف جسٹس سے ملاقات کے بعد اعتزاز احسن نے کہا ہے کہ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ چیف جسٹس نے یا ان کے کسی وکیل نے تاریخ کے التوا کی کوئی درخواست کی ہے۔

لگتا ہے جوڈیشل کونسل کو اوپر سے کوئی حکم ملا ہے اور حکم بھی ایسا کہ جوڈیشل کونسل کے جملہ اراکین جمع بھی نہیں ہوئے اوران کی طرف سے التوا کا حکم نامہ جاری کر دیا گیا۔جنرل پرویز مشرف اپنے گھاگ قسم کے قانون دانوں کی سازش کا بھی شکار ہونے لگے ہیں۔تاہم میرا خیال ہے کہ انہوں نے ایک ٹی وی چینل پر لاہور کے ممتاز صحافی نجم سیٹھی کا بیان سنا اوراسی پر عمل کر دیا۔نجم سیٹھی نے کہا تھا کہ اگر حکومت چیف جسٹس کے کیس کو لمبا کر دے(قانونی کاروائی کے ذریعے فیصلہ کرنے میں تاخیر کر دی جائے)تو یہ تحریک ختم ہو جائے گی۔ہوسکتا ہے نجم سیٹھی کا تجزیہ ان کی نظر میں بجا ہو لیکن یہ صائب نہیں ہے اوراس پر عمل کر کے جنرل پرویز مشرف مزید مشکلات میں گھر جائیں گے۔بعد میں اسے مس ہینڈلنگ کہنے سے بات نہیں بنے گی۔جن مظاہروں کو روکنے کے لئے یہ چال چلی گئی ہے،اس چال سے ان مظاہروں میں مزید شدت آئے گی۔اور وکلا کو کئی اطراف سے اخلاقی اور قانونی حمایت ملتی جائے گی۔

چیف جسٹس کے مسئلہ کے حوالے سے اب تک کی تازہ ترین پیش رفت یہ ہے کہ جسٹس محمد افتخار چوہدری کے بعد سینئر ترین جج ،جسٹس رانا بھگوان داس آج دہلی سے کراچی پہنچ گئے ہیں ۔چیف جسٹس کے خلاف کاروائی سے پہلے جسٹس رانا بھگوان داس دھارمک یاترا کی غرض سے چھٹی لے کر ہندوستان چلے گئے تھے۔اور وہاں مختلف مقامات پر بغیر کسی پروٹوکول کے عام یاتری کی طرح زیارات اور پوجا پاٹ میں مشغول تھے۔آج ان کی دہلی سے واپسی کی فلائیٹ تھی۔ان کا جہاز کراچی میں اترنے سے پہلے بار بار یہ خبر دی جارہی تھی کہ کراچی سے اگلی فلائیٹ لے کر وہ اسلام آباد روانہ ہو جائیں گے جہاں وہ قائم مقام چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کا حلف اُٹھائیں گے۔لیکن کراچی ائر پورٹ سے وہ سیدھے اپنے گھر چلے گئے ہیں اور ان سے منسوب یہ بیان گردش کر رہا ہے کہ وہ اگلے دو تین روز میں قائم مقام چیف جسٹس کا حلف اُٹھانے کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔اگر انہوں نے حلف اُٹھانے سے انکار کر دیا تو عدلیہ کا حالیہ بحران مزید شدت اختیار کر جائے گا۔

فوجی حکمرانوں نے ۱۹۸۰ء کے زمانے سے امریکی مقاصد کی تکمیل کے لئے ''جہاد'' کے نام پر قوم کی راہ میں جو کانٹے بچھانے شروع کئے تھے،وہ کانٹے اب پلکوں سے چننے پڑ رہے ہیں۔ماضی میں فوج ،ایجنسیوں اور مخصوص مکتبہ فکر کے علماء نے مجاہدین تیار کئے تھے۔اب وہ مجاہدین،وہ مذہبی انتہا پسند پاکستان میں بھی طالبان جیسا اسلام لانا چاہ رہے ہیں ۔وہ کچھ عرصہ سے پاکستان کے شہروں میں حجاموں،سی ڈیز شاپس اور ویڈیو والوں کو وارننگ دے رہے تھے،انہوں نے اب مزید کاروائی شروع کر دی ہے۔مردان میں ویڈیو،سی ڈی کی ایک دوکان کو بم دھماکے سے اُڑا دیا گیا اور اس کے چوکیدار کو بھی قتل کر دیا گیا ہے۔پشاور میں کوہاٹ روڈ پر ویڈیو مارکیٹ میں بم دھماکے سے پانچ دوکانوں کو شدید نقصان ہوا اور وہاں کا چوکیدار شدید زخمی ہو گیا۔۲۰؍مارچ کو جیو کے ایک ٹاک شو میں اسفند یار ولی خاں بتا رہے تھے کہ صوبہ سرحد کے کوہاٹ کے قریب کے ایک شہر میں متعدد گرلز اسکولز کو مذہبی انتہا پسندوں نے دھماکوں سے اُڑا دیا ہے اور حکومت خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی ہے۔کل تک سب تردید کرتے تھے کہ قبائلی علاقوں میں کوئی غیر ملکی نہیں ہیں،آج مسلسل خبریں آرہی ہیں کہ مختلف قبائلی علاقوں کے قبائلیوں کے ساتھ غیر ملکیوں کے تصادم ہو رہے ہیں۔گویا غیر ملکی جنگجو نہ صرف موجود ہیں بلکہ اتنی تعداد اور طاقت کے ساتھ موجود ہیں کہ خود اپنے میزبانوں پر بھی حملہ آور ہو گئے ہیں۔

ایسی فضا میں آج ہی اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری بین کی مون کا بیان آیا ہے کہ افغانستان میں خودکش

بمبار پاکستان سے آرہے ہیں۔اب آپ لاکھ کہیں کہ ایسے حملے روکنا صرف ہماری ذمہ داری نہیں ہے،افغان حکومت،امریکی اور نیٹو افواج کی بھی ذمہ داری ہے،لیکن جب آپ کے اپنے قبائلی علاقوں کا طوفان آپ کے شہروں سے ہوتا ہوا اسلام آباد کو بھی چھو رہا ہے تو ایسی صورت میں زمینی حقائق خود آپ کی کمزوریوں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔

وہ کہ نازاں رہے جن باتوں پہ،اب دیکھ بھی لیں
آ گئے وقت انہیں باتوں پہ پچھتانے کے

۲۱؍مارچ ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے : ۱۱

انڈیا اور پاکستان کے درمیان دوستی کا سفر کئی رکاوٹوں کے باوجود کسی نہ کسی طرح جاری ہے۔ پورے خطے میں امن وخوشحالی چاہنے والے، ان دونوں ایٹمی ممالک کی دوستی میں ہی امن وخوشحالی کو ممکن دیکھتے ہیں۔ سیاسی اور سفارتی سطح پر آنے والے نشیب وفراز سے دونوں طرف کی مقتدر قوتیں مناسب طریقے سے نمٹ رہی ہیں تاہم آج یہاں ایک گلہ بھارتی الیکٹرانک میڈیا کے حوالے سے کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ سمجھوتہ ایکسپریس کے سانحہ کے سلسلہ میں ایک سابقہ کالم میں لکھ چکا ہوں کہ اس موقعہ پر بھارتی میڈیا کا کردار تکلیف دہ حد تک پاکستان مخالف اور منفی رہا۔ پاکستانی مسافر زندہ جلا دیئے گئے اور شرمناک حد تک سانحہ کا الزام بھی پاکستانی گروپوں پر عائد کرنے کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا گیا۔ اور تو اور اشتعال انگیزی کے طور پر یہ خبریں بھی دی گئیں کہ زندہ جل جانے والوں میں زیادہ تعداد ہندوستانیوں کی ہے جو بعد میں بالکل جھوٹ ثابت ہوئیں۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا اس سانحہ کے حوالے سے بھارتی حکومت ابھی تک اپنی ذمہ داریوں کو پورا نہیں کر سکی۔ نہ تو مسافروں کی پوری لسٹ پاکستان کو فراہم کی گئی ہے، نہ پاکستان کو تحقیق کے کسی مرحلہ میں شامل کیا گیا ہے اور نہ ہی ابھی تک کوئی ایسی قابلِ ذکر پیش رفت ہوئی ہے جو پاکستان کو بتائی جا سکے۔ اس تمام صورتحال کے ساتھ افسوسناک صورتحال یہ ہے کہ تا حال کسی انتہا پسند ہندو تنظیم کو اس معاملہ میں معمولی سے شک کی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا گیا۔ میرے نزدیک اس سانحہ کے حوالے سے پاکستان کے انتہا پسند مذہبی گروپوں کے امکان کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہئے لیکن اسی طرح انڈیا کے ہندو انتہا پسند گروپوں کو بھی گہرے شک کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں پر شک کی گنجائش ہے تو خود انڈیا کی خفیہ ایجنسیوں کو بھی شک سے بالا نہیں سمجھا جانا چاہئے۔ اس طرح سارے امکانات کو سامنے رکھ کر تفتیش ہونا چاہئے۔

یہ روداد دہرانے کی نوبت اس لئے آئی کہ ورلڈ کپ کرکٹ میں پاکستان کی شکست پر انڈیا کے مقبول الیکٹرانک میڈیا نے بے حد منفی رویہ اپنائے رکھا۔ بے شک پاکستانی ٹیم نے بری کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اس کے لئے ''شرم سے ڈوب مرنے'' جیسے الفاظ کہنے والوں کو سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ کیا بعد میں جب انڈیا کی ٹیم نے پاکستان سے بھی زیادہ بری کارکردگی کا مظاہرہ کیا تو پھر ''شرم

سے ڈوب مرنے'' کا مشورہ دینے والوں کو خود بھی اپنے مشورے پر عمل کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا نہیں؟۔۔۔۔۔ کھیل کو کھیل ہی رہنے دینا چاہئے۔ دونوں ممالک میں کھیل کے اربابِ اختیار کی زیادہ بااختیار بننے کی خواہش نے ہمیشہ کھیل کی کارکردگی کو نقصان پہنچایا ہے۔ تاہم ایک بات دونوں ممالک کے کھلاڑیوں اور عوام میں بڑی مشترک ہے۔ ہاکی ہو یا کرکٹ دونوں گیمز میں جب دونوں ممالک اچھا کھیلتے تھے تب عام طور ایک دو نمبر کے فرق سے آگے پیچھے ہوتے تھے۔ اسی طرح جب دونوں نے برا کھیلنا شروع کیا تو آخری نمبر پر بھی ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہی ہیں۔ گویا اچھے اور برے کھیل میں دونوں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ یہ بیک وقت دونوں کا لاگ بھی ہے اور لگاؤ بھی۔ دونوں ممالک کے عوام جیت پر اپنے کھلاڑیوں کو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور بری ہار کے نتیجہ میں ان کا جو حشر ہوتا ہے وہ اس وقت سب کے سامنے ہے۔ تفصیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رویوں کے اس مشترکہ تعلق سے ایک دوسرے سے مزید قریب ہوا جا سکتا ہے لیکن افسوس انڈیا کا مقبول الیکٹرانک میڈیا منفی پروپیگنڈہ میں بہت آگے جانے لگا ہے۔ پاکستانی کوچ باب وولمر کی موت یا قتل کا معاملہ پاکستان کی اپ سیٹ ٹیم کے لئے مزید تکلیف دہ ثابت ہوا۔ اس پر بھارتی میڈیا نے جس طرح کا پروپیگنڈہ شروع کر دیا اور جس طرح قتل کے الزام کی تفتیش کا رُخ پاکستانی ٹیم پر فوکس کر دیا وہ حیران کن بھی تھا اور افسوسناک بھی۔ اس طرح کے نامناسب پروپیگنڈہ سے خود ایسے چینلز کی حیثیت خراب ہوگی۔

جن دوستوں نے ہند پاک تعلقات کے حوالے سے میری ساری تحریریں پڑھ رکھی ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ میں دونوں ممالک کی دوستی کو صرف دوستی کی حد تک نہیں دیکھنا چاہتا بلکہ سارک ممالک کو یورپی یونین کی طرح سارک یونین بنتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ لیکن بھارت کے جس میڈیا کا میں ذکر کر رہا ہوں، ان کی منفی اور نامناسب پروپیگنڈہ کی روش تبدیل نہ ہوئی تو میری یہ بات نوٹ کر لیں کہ جنوبی ایشیا کا پورا خطہ کسی بھی معمولی لغزش کے باعث بہت بڑی تباہی کی لپیٹ میں آ سکتا ہے اور اس کی ذمہ داری سیاستدانوں اور ڈپلومیٹس سے زیادہ اس قسم کے میڈیا پر ہوگی جو محبت کو فروغ دینے کی بجائے وار کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دے رہا اور اس کے لئے اس حد تک جھوٹ بولنے لگا ہے کہ شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ میڈیا کی آزادی کا مطلب سفید جھوٹ بولنے کی آزادی نہیں ہے۔

ایران سے پاکستان کے راستے انڈیا تک گیس پائپ لائن منصوبے کو شروع ہونے سے پہلے ہی امریکی مخالفت کا سامنا ہے۔ اصولاً یہ منصوبہ ایران، پاکستان اور انڈیا تینوں کے مفاد میں ہے۔ امریکہ

کواس میں دخل اندازی کی ضرورت نہیں ہے۔لیکن ایران پر امریکہ کے متوقع حملے کے خطرے کے باعث شایدامریکہ اس منصوبہ کی مخالفت کرر ہاہے۔اب بھارت کے وزیر خارجہ پرنب مکر جی نے بیان دیا ہے کہ امریکی اعتراضات کے باوجودایران، پاکستان، انڈیا گیس پائپ لائن منصوبہ مکمل کیا جائے گا۔یہ اعلان خوش آئند ہے۔اس پر عمل شروع ہو گیا تو یہ بجائے خود انڈو پاک کے درمیان امن کی ایک ضمانت بن جائے گا۔اس لئے خوشی ہوگی کہ اس منصوبہ کو جلد فائنل کیا جائے اور پھراس پر عملدرآمد شروع کر کے اسے مکمل بھی کیا جائے۔ایسا ہو جائے تو سارک یونین کو ایران اور افغانستان اور بعض دوسری ملحقہ ریاستوں تک بھی توسیع دی جاسکے گی۔

ہم اچھا وقت نہیں لا سکے نئ نسلو!
مگر تمہارے لئے اچھے خواب لے آئے

پاکستان کے چیف جسٹس سپریم کورٹ افتخار محمد چوہدری کے خلاف دائر صدارتی ریفرنس کا بحران جاری ہے۔اس دوران جونئی تبدیلیاں سامنے آئی ہیں وہ کچھ یوں ہیں۔

سپریم کورٹ کے سینئر ترین جج رانا بھگوان داس ہندوستان یاترا کے بعد پاکستان پہنچ گئے اور انہوں نے قائم مقام چیف جسٹس کا حلف بھی اُٹھا لیا ہے۔بعض مولویوں نے ان کے حلف اُٹھانے پر اعتراض کیا ہے جبکہ اس سے پہلے جنرل یحییٰ خان کے دورِحکومت میں ایک مسیحی جسٹس کارنیلس بھی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس رہ چکے ہیں۔ابھی کسی صحافتی حلقے نے اس کی نشاندہی نہیں کی کہ تب جنرل یحییٰ خان جو شریعت کا نظام بنوانا چاہ رہے تھے اس کے لئے ذمہ داری جسٹس کارنیلیس کو سونپی گئی تھی۔ جماعت اسلامی نے ان کی تقرری کو جائز قرار دیا تھا اور ان کے ذریعے شریعت کے نظام یا قوانین کو بنایا جانا، جائز بتایا تھا۔اب بھی جماعت اسلامی نے رانا بھگوان داس کے تقرر پر اعتراض نہیں کیا تاہم بعض دوسرے مولوی حضرات نے مخالفت ضرور کی ہے۔یہاں ایک اور دلچسپ بات بھی بتادی جائے کہ جمہوری اداروں کی بربادی کے لئے ''نظریۂ ضرورت''قسم کے جتنے فیصلے بھی کئے گئے مسلمان ججوں نے کئے۔جبکہ جمہوری اداروں کی بحالی کے کم از کم دو سابقہ فیصلے دونوں غیر مسلم ججوں نے کئے تھےاوراب بھی عوام کو جسٹس رانا بھگوان داس سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔اللہ کے بندوں کی نظریں اب بھگوان کے ایک داس پر لگی ہوئی ہیں۔

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض

اک نجومی نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

۲۶/مارچ کو اے آرڈی کے زیر اہتمام ملک بھر میں عدلیہ کی حمایت میں مظاہرے کئے گئے۔ان مظاہروں کی مجموعی کارکردگی مایوس کن رہی۔دوسری اپوزیشن جماعتوں کی از خود حمایت کے باوجود بڑے پیمانے کے مظاہرے نہیں ہو سکے۔تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابھی عوام نے انگڑائی لی ہے اور تدریجاً بیداری ہوتی جائے گی۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سیاسی جماعتوں کے بغیر وکلا کا احتجاج زیادہ موثر اور کارگر تھا۔پوری قوم کا دل ان کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔اس لئے اگر عدلیہ کے اشو کو متعلقہ فریقوں پر چھوڑ دیا جائے تو شاید اس سے بہتر نتائج نکل سکیں گے۔وکلا کی جانب سے ہر روز ایک گھنٹے کے لئے احتجاج کی کاروائی جاری ہے۔اس دوران جسٹس افتخار محمد چوہدری کے ساتھ مفاہمت کے لئے مختلف آپشنز پر بات کی افواہیں بھی گردش کرتی رہیں۔۳/اپریل تک کسی نمایاں پیش رفت کی امید کی جا رہی ہے۔اے آرڈی کے مظاہرہ سے ملک کے عوام کی سیاسی بے حسی کا اندازہ ہوا۔جہاں روٹی کے لالے پڑے ہوں وہاں کہاں کی جمہوریت اور کہاں کا انصاف۔یہی وجہ ہے کہ وہ سارے وزراء جو چیف جسٹس کے اشو کے وقت حکومت کی حمایت میں کچھ بولنے کی بجائے کہیں کونوں کھدروں میں چھپ گئے تھے، اب وہ بھی باہر نکل آئے ہیں اوراپوزیشن کے مظاہرے کی ناکامی کا اعلان کئے جا رہے ہیں۔خود جنرل پرویز مشرف نے ۲۷ مارچ کو لیاقت باغ راولپنڈی میں ایک جلسہ سے خطاب کیا اوراس میں بتایا کہ عوام نے اپوزیشن کو مسترد کر دیا ہے۔

ایسے بیانات سے اپوزیشن کی لاغری کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری ہر حکومت کی طرح یہ حکومت بھی احتجاج ریکارڈ کرانے والے مظاہروں سے کوئی اثر نہیں لے گی، البتہ جہاں اسے لگے گا کہ یہاں اقتدار کی کرسی کھسک سکتی ہے وہاں سرِ عام معافی مانگنے سے نہیں ہچکچائے گی۔

جنرل مشرف نے ۲۷ مارچ کو لیاقت باغ راولپنڈی میں جو جلسہ عام منعقد کرایا ہے اس کے اخراجات کے بارے میں بی بی سی نے دلچسپ اعداد و شمار دیئے ہیں۔بی بی سی کے مطابق جلسہ کی تشہیر کے لئے اخبارات میں پانچ کروڑ روپے کے اشتہارات چھپ چکے ہیں۔بہت بڑے ہورڈنگز، بینرز، اسٹیکرز، اور مسلم لیگی جھنڈوں کا خرچہ ایک کروڑ روپے رہا۔حفاظتی انتظامات کے فوجی، نیم فوجی دستوں اور پولیس کے ہزاروں جوان طلب کئے گئے، ان سب کی نقل و حمل پر ایک کروڑ کا خرچہ ہوا۔جلسے میں لوگوں کی شرکت کو یقینی بنانے کے لئے اس دن پورے ضلع میں سرکاری چھٹی کا اعلان کیا گیا۔اس سے لاکھوں افراد

جو پیداواری گھنٹے کام میں نہیں لا سکے ان کا محتاط تخمینہ دس کروڑ روپے لگایا گیا ہے۔لوگوں کو جلسہ گاہ تک لانے کے لئے ایک ہزار روپے سے دو ہزار روپے یومیہ ریٹ تک تین دن پہلے سے ویگنوں اور بسوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ شروع کر کے پٹرول کے خرچہ سمیت ایک کروڑ روپے لگ گئے۔یوں مجموعی طور پر اس جلسہ پر اٹھارہ کروڑ روپے کا خرچہ ہوا۔جلسہ کے شرکا کی تعداد پچاس ہزار مان لی جائے تو ایک بندے کو جلسہ گاہ تک لانے کے لئے مجموعی طور پر تین ہزار چھ سو روپے لاگت آئی۔جلسہ کے دورانیہ کو مدنظر رکھا جائے تو یہ جلسہ دس لاکھ روپے فی منٹ میں پڑا۔بی بی سی نے یہ دلچسپ تبصرہ کیا کہ ''اگر صدر مملکت کوئی پیشہ ور سیاستدان ہوتے تو شاید ان کے جلسے پر اتنا پیسہ صرف نہ ہوتا۔یہ ایسے ہی ہے جیسے نئے نئے فلم پروڈیوسر جسے فلم بنانے کو شوق تو ہو لیکن ناتجربہ کاری کے سبب یہ معلوم نہ ہو کہ کتنا پیسہ کس مد میں لگے گا۔ان حالات میں یار لوگ فلم کی ریل ریوائنڈ اور فارورڈ کرنے کا خرچہ بھی اس پر ڈال دیتے ہیں۔''

چلیں اس شو سے یہ تاثر دلانے کی کوشش تو کی گئی ہے کہ جنرل پرویز مشرف کو عوام کی بھاری حمایت حاصل ہے۔حالانکہ حقائق اور ممکنہ خطرات وہی ہیں جو پچھلے کالم میں لکھ چکا ہوں۔

۲۸/مارچ کو چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے راولپنڈی بار سے خطاب کیا۔اور ملک میں عدلیہ کی انتظامیہ سے علیحدگی کی اہمیت پر زور دیا۔بے شک چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی کے نتیجہ میں اس وقت وہ ملک میں عدلیہ کی عزت اور افتخار کی علامت بن گئے ہیں۔تاہم پاکستانی قوم کی بدقسمتی دیکھیں کہ ملک میں کرپشن، بددیانتی اور اقربا پروری اتنی زیادہ پھیل گئی ہے کہ قوم کو جو ہیرو ملتا ہے اس کا دامن بھی بیٹے کی ناجائز ترقی سے لے کر ضرورت سے زیادہ کاروں اور ہیلی کاپٹروں کی فرمائش جیسے دھبوں سے پاک نہیں ہے۔قوم کی مجبوری اور ترجیح اب ''بہت اچھا ہیرو'' نہیں بلکہ ''کم برا'' ہیرو ہو گئی ہے۔ایسے میں جسٹس افتخار محمد چوہدری کی کمزوریوں سے صرفِ نظر ہی کیا جانا چاہئے۔اور وہی بات جو پہلے بھی لکھ چکا ہوں کہ جنرل پرویز مشرف اپنے اردگرد کی سیاہ بھینسوں کو نہیں دیکھ رہے اور انہوں نے ایک گائے کو کالی دُم والی ہونے کا طعنہ دے دیا ہے۔

۲۸/مارچ کو ریاض،سعودی عرب میں عرب لیگ کا سربراہی اجلاس شروع ہوا۔اس اجلاس میں پاکستان اور ملائیشیا جیسے غیر عرب مسلمان آبادی والے ممالک کے ساتھ ہندوستان کو بھی دعوت دی گئی ہے۔پاکستان اور ملائیشیا کے صدور نے خصوصی مہمان کے طور پر شرکت کی جبکہ ہندوستان کے وزیر مملکت برائے خارجہ امور ای احمد بطور مبصر شریک ہوئے۔لیکن پاکستان میں ہوئی ہم خیال اسلامی ملکوں کے

وزرائے خارجہ کی کانفرنس کی طرح اس اجلاس میں بھی ایران کو مدعو نہیں کیا گیا نہ خصوصی مہمان کے طور پر ،نہ مبصر کے طور پر۔عرب لیگ کو ایران سے کیا خوف ہے؟اور وہ دانشور جو یہ کہتے نہیں تھکتے کہ مسلمانوں میں کوئی شیعہ،سنی (اصلاً شیعہ وہابی) فساد نہیں ہے،وہ اس سارے تماشے کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

لیبیا کے صدر کرنل معمر قذافی نے اس کانفرنس میں شرکت سے انکار کرتے ہوئے اسے ایک سازش قرار دیا جو امریکی عزائم کی تکمیل کے لئے رچائی گئی ہے۔ان کے بقول اس کانفرنس کا ایجنڈہ امریکہ کا تیار کردہ ہے۔بہرحال یہ اجلاس بھی نشستند ،خوردند، برخاستند ثابت ہوا۔کچھ کچھ عرب نیشنل ازم کی خوشبو بھی پھیلتی محسوس ہوئی۔

اس ہفتہ کے دوران ''حکومت پاکستان کی رٹ ہر حال میں قائم رکھنے'' کے دعووں کی دھجیاں اڑتی دکھائی دیں۔قبائلی علاقوں سے لے کر اسلام آباد تک مذہب کے نام پر غنڈہ گردی اور دہشت گردی ہوتی رہی۔ٹانک کو قبائلی علاقہ کہہ کر کسی حد تک معذوری کا بہانہ بنایا جا سکتا ہے۔حالانکہ وہاں ایک بنک لوٹنے کے ساتھ پانچ دوسرے بنکوں اور متعدد سرکاری عمارتوں کو آگ لگا دی گئی۔سینکڑوں ہلاکتیں ہو چکی ہیں۔پاکستانی طالبان اپنے غیر ملکی ساتھیوں سمیت چار پانچ سو کی تعداد میں دوسرے علاقوں سے آئے اور یہاں تباہی مچا کر چلے گئے۔بعد میں بھی حالات قابو میں نہیں آئے تو حکومت کو کرفیو لگانا پڑ گیا۔قبائلی علاقوں میں غیر ملکی دہشت گردوں کی موجودگی کا ثبوت پوری قوم نے دیکھ لیا۔اور کئی برسوں کی سرکاری تردیدوں کے بعد بھید کھلا کہ کرزئی حکومت اور امریکنوں کا واویلا غلط نہیں تھا۔قبائلی علاقے غیر ملکی دہشت گردوں کی محفوظ پناہ گاہ بنے ہوئے تھے۔

اسلام آباد میں جامعہ حفصہ کی طالبات نے ''طالبانی'' اسلام نافذ کرنے کا عمل ایک لائبریری پر قبضہ کرنے کے ''جہاد'' سے شروع کیا تھا۔اس معاملہ میں حکومت کے نمائندوں نے جس طرح اس مدرسہ والوں کی منت سماجت کی اور جس طرح سے ان کے ناز نخرے اُٹھائے ،اس کے نتیجہ میں ان کے حوصلے مزید بلند ہوئے۔اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ ڈنڈا بردار ''لیڈی طالبان'' اسلام آباد کی ویڈیو شاپس پر جا کر حکم دے رہی ہیں کہ یہ گندہ کاروبار بند کرو۔ایک عورت،اس کی بیٹی، بہو اور چھ ماہ کے بچے کو یہ کہہ کر اغوا کر لیا کہ یہ لوگ گھر پر بدکاری کا اڈہ چلا رہے ہیں۔

جامعہ حفصہ کے مہتمم اس سارے ''نفاذِ اسلام'' کی نگرانی فرما رہے ہیں۔پولیس نے دو طالبات اور دو طلبہ کو گرفتار کیا تو جواباً جامعہ حفصہ کے مجاہدین نے دو پولیس والوں اور دو پولیس گاڑیوں کو یرغمال بنا

لیا۔مدرسہ کے اندر سے ایک ایف ایم ریڈیو کی نشریات شروع کر دی گئیں۔حکومت نے پہلے دن سودے بازی کی۔اپنے پولیس کے بندے چھڑا لئے اور گرفتار شدہ اسلام آبادی طالبان رہا کر دیئے۔جو عورتیں گناہ کے الزام میں پکڑی گئی تھیں ان کی کوئی پرواہ نہیں کی۔اس طرح ان ''طالبان'' کو مزید تقویت پہنچائی۔۶۸ گھنٹوں کی حراست کے بعد ان عورتوں کو رہائی دلائی جا سکی ہے۔

اب اطلاعات آ رہی ہیں کہ حکومت جامعہ حفصہ پر کوئی بڑی کارروائی کرنے جا رہی ہے، غالباً ۳/اپریل کو چیف جسٹس کی پیشی کے بعد کوئی کاروائی ہو جائے گی۔لیکن سچی بات یہ ہے کہ حکومت کے اندر ان لوگوں کے کئی حمایتی بیٹھے ہوئے ہیں۔چوہدری شجاعت اور پرویز الٰہی نے اس سے پہلے جنرل پرویز مشرف کے انتہا پسندی کے خلاف متعدد جرات مندانہ اہم اقدامات پر رکاوٹ پیدا کی اور حیلوں بہانوں سے انہیں یوٹرن لینے پر مجبور کیا۔طالبان نواز مذہبی عناصر کے ساتھ چوہدری برادران کا تعلق اور ربط کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔شیخ رشید خود ''جہادی کیمپ'' چلاتے رہے ہیں اور ان کی دلی ہمدردیاں اب بھی ان عناصر کے ساتھ ہیں۔جنرل ضیاع الحق کا بیٹا اعجاز الحق تو خود اپنے باپ کی نشانی ہے۔مذہبی امور کی وزارت کے ذریعے جامعہ حفصہ کی طالبات کی جو منت سماجت کی گئی تھی اور جس طرح ان کے مطالبات کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے تھے، اس کی ذمہ داری سب سے زیادہ اعجاز الحق پر عائد ہوتی ہے۔وہ تمام مذہبی جماعتیں جو سوویت یونین کے خلاف جنگ کے دوران ''امریکی جہاد'' کے لئے اپنے زیرِ اثر مدارس میں ''مجاہدین'' تیار کرتی رہیں، اور جو اپوزیشن میں ہوتے ہوئے بھی جنرل پرویز مشرف کو ہمیشہ سیاسی تحفظ دیتی رہیں، اس لئے ظاہری مخالفت کے ڈرامہ کے باوجود یہ مذہبی جماعتیں جنرل پرویز مشرف کو بے حد عزیز ہیں۔جنرل پرویز مشرف ایسے سیاسی عناصر کے اشتراک سے اگر مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں تو ان کی ذہانت پر شک کرنا چاہئے۔لیکن اگر وہ واقعتاً ذہین ہیں اور جان بوجھ کر ایسا کروا رہے ہیں تا کہ امریکہ پر اور دوسرے مغربی ممالک پر دباؤ ڈالنے کے لئے ایسے واقعات ہوتے رہیں تو ان کے انجام کی تو خیر ہے، خدا پاکستان کی خیر رکھے۔

وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں

ضلع سوات کی دو تحصیلوں میں ایف ایم ریڈیو کے ذریعے وہاں کے ایک مولانا صاحب فتویٰ جاری کر رہے ہیں کہ پولیو کے ٹیکے لگوانا شرعاً جائز نہیں ہیں۔ان کے بقول وبائی مرض میں جو مسلمان

ہلاک ہوتا ہے، وہ شہید ہوتا ہے۔اس لئے اگر پولیو وبائی شکل اختیار کر لے تو اس کا شکار ہونے والے شہید کہلائیں گے۔جبکہ فی الحال یہ مرض وبائی صورت اختیار نہیں کر سکا۔۔۔۔مولانا صاحب کے اس فرمان کے بعد وہاں کے لوگ پولیو کے حفاظتی ٹیکے لگوانے سے انکار کر رہے ہیں۔

ہمارے اس قسم کے ''ذہنی معذور علماء'' کو اندازہ نہیں ہے کہ پولیو سے ہلاکتیں نہیں ہوتیں بلکہ قوم اپاہج بن جاتی ہے۔ایسے ذہنی اپاہج لوگوں کے ہاتھوں قوم ذہنی طور پر ہی نہیں جسمانی طور پر بھی اپاہج بن جائے تو پھر کسی کو کیا الزام دیا جائے؟ باقی حکومت پاکستان بہتر جانتی ہوگی کہ یہ ایف ایم ریڈیو قانونی ہے یا غیر قانونی۔

جیو چینل سے ایک پروگرام ''نادیہ خان شو'' پیش کیا جاتا ہے۔یہ پروگرام خواتین میں کافی مقبول ہے۔اس کی مقبولیت کا کچھ اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب امریکہ میں مقیم میری بہن نے مجھے بتایا کہ وہ اس پروگرام کی ریکارڈنگ کرا لیتی ہیں اور پھر اسے اطمینان سے دیکھتی ہیں۔جیو چینل کے حالاتِ حاضرہ کے دو پروگرام ''آج کامران خان کے ساتھ'' اور ''کیپٹل ٹاک'' کافی اہم پروگرام ہیں۔کامران خان اور حامد میر ان پروگراموں کو پیش کرتے ہیں۔اب معروف تجزیہ نگار ڈاکٹر شاہد مسعود نے بھی ARY چینل کو چھوڑ کر جیو چینل کو جائن کر لیا ہے اور یہاں سے ''میرے مطابق'' پروگرام شروع کیا ہے۔یہ پروگرام ان کے پرانے چاہنے والوں کی توجہ کا مرکز ہے اور اس میں اب ان کی پہلے جیسی جذباتیت کافی کم ہو گئی ہے۔چند دن پہلے نادیہ خان شو پر ڈاکٹر شاہد مسعود کو مدعو کیا گیا تھا۔تب جو ٹیلی فون کالز آ رہی تھیں، ان پر کچھ اچنبھا سا ہوا تھا۔مثلاً ایک خاتون بتا رہی تھیں کہ وہ، ان کے شوہر اور ان کے بچے سب ڈاکٹر شاہد مسعود کے فین ہیں۔نادیہ خان کے استفسار پر خاتون نے بتایا کہ ان کے ایک ''فین بچے'' کی عمر چار سال ہے۔تب مجھے ARY چینل کا ایک لائیو ٹاک شو یاد آیا۔پی جے میر اس کے کمپئر تھے۔اس میں دیگر شرکاء کے علاوہ ڈاکٹر شاہد مسعود اور موجودہ وزیر داخلہ آفتاب شیر پاؤ بھی (جلاوطنی کی حالت میں) مدعو تھے۔اس دوران کسی فرضی نام سے ایک ٹیلی فون کال آئی جس میں آفتاب شیر پاؤ کے بارے میں غیر اخلاقی زبان میں ریمارکس دیئے گئے۔مجھے چند دن بعد ہی پتہ چل گیا کہ اس کالر کا اصل نام کیا ہے؟ اور اس کا کس سے کیا رشتہ ہے؟ امید ہے آفتاب شیر پاؤ اور ڈاکٹر شاہد مسعود کو بھی تب ہی بخوبی علم ہو گیا ہوگا کہ وہ کال کرنے والا کون تھا اور کس کے ایما پر ایسا کر رہا تھا۔

اب ۳۰/مارچ کو نادیہ خان شو میں حامد میر کے ساتھ گفتگو ہوئی۔حامد میر سے ایک بھول ہوئی

ہے، وہ یہاں خود ذکر کرتے کہ وہ ممتاز دانشور وارث میر کے صاحبزادے ہیں۔اس گفتگو میں ان کے والد کا ذکر آنا چاہئے تھا۔جوان کی سعادتمندی کا اظہار بھی ہوتا۔وارث میر نے جنرل ضیاع الحق کے دور میں حق گوئی کی جو روایت قائم کی تھی، ان کے چاہنے والے اسے آج بھی یاد رکھتے ہیں۔باقی پرنٹ میڈیا میں ان کا جو مقام تھا، حامد میر نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں یقیناً اپنا ایک الگ اور قابلِ رشک مقام بنایا ہے۔ان کے نام دو ٹیلی فون کالز ایسی آئیں جن میں کامران خان کے پروگرام اور کیپٹل ٹاک پروگرام کی ایک ساتھ تعریف کی گئی لیکن ڈاکٹر شاہد مسعود کا بالکل ذکر نہیں کیا گیا۔حالانکہ ڈاکٹر شاہد مسعود کا پروگرام نسبتاً کمزور سہی لیکن اتنا گیا گزرا بھی نہیں کہ جیو کے حالاتِ حاضرہ کے پہلے تین پروگراموں میں اسے شمار نہ کیا جاسکے۔اپنے تاثرات ریکارڈ پر لانے کے لئے یہ احوال لکھ دیا ہے۔باقی واللہ اعلم!

مغربی ممالک میں پیدا ہونے والے مسلمان بچوں کے ختنہ کا مسئلہ بھی کبھی کبھار مشکل صورت اختیار کر جاتا ہے۔یہاں جرمنی میں تو عام طور پر بچے کی پیدائش کے بعد ایک دو ہفتہ کے اندر ہی ختنہ کرا لیا جاتا ہے۔بچے کی صحت زیادہ کمزور ہو تو ڈاکٹر تین سے چھ ماہ کے لئے ختنہ کو موخر کر دیتے ہیں۔لیکن ادھر انگلینڈ میں یہ مسئلہ کچھ مشکل ہو رہا ہے۔چنانچہ وہاں کی ایک مسلم تنظیم ایم سی بی کے ایک وفد نے اسکاٹ لینڈ کے وزیر صحت سے ملاقات کی ہے۔اور انہیں بتایا کہ اسکاٹ لینڈ میں تین سو سے زائد بچے ختنوں کے منتظر ہیں۔اس لئے کم خرچ کے ساتھ جلد اسے ممکن بنایا جائے۔وزیر صحت نے بتایا کہ نوزائیدہ بچوں کے لئے بے ہوشی کی دوا مضر ہو سکتی ہے، اس لئے طے ہوا ہے کہ بچوں کے ختنے چھ ماہ کی عمر کے بعد کئے جائیں۔اس موقعہ پر وزیر صحت کو بتایا گیا کہ یہودی بچوں کے ختنہ ایک ہفتہ کے بعد کر دیئے جاتے ہیں۔اس کے جواب میں وزیر صحت نے بتایا کہ یہودی کمیونٹی اپنی ذمہ داری پر ایسا کرتی ہے۔اور اس کے نتیجہ میں حال ہی میں ایک یہودی مذہبی رہنما کے ہاتھوں ختنہ کرانے سے ایک یہودی بچے کی موت واقع ہو گئی ہے۔وزیر صحت نے وعدہ کیا کہ اس سال کے آخر تک ختنہ کے منتظر تمام بچوں کا ختنہ کرا دیا جائے گا اور آئندہ سے ہر بچے کا چھتیس ہفتہ تک ختنہ لازمی کر دیا جائے گا۔

ابراہیمی سلسلہ کے دو بڑے مذاہب یہودیت اور اسلام میں ختنہ کی رسم پر پابندی کے ساتھ عمل کیا جاتا ہے۔ہندوستان میں فسادات کے دنوں میں ہندو مسلم کی پہچان کے لئے لوگوں کو ننگا کر کے دیکھا جاتا رہا ہے کہ اس کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟ اور اس کے مسلمان ہونے، نہ ہونے کی پہچان یہی ختنہ بن گیا ہے۔اب اقوام متحدہ کی طرف سے ایڈز سے بچاؤ کے حفاظتی پروگرام کے تحت یہ بتایا گیا ہے کہ ختنہ کرانے

والوں کو ایچ آئی وی وائرس سے کافی حد تک تحفظ مل سکتا ہے۔افریقہ میں تین آزمائشی اسکیموں کے نتائج سامنے آنے کے بعد پتہ چلا ہے کہ جن لوگوں کا ختنہ ہوا تھا، وہ 60% کم وائرس کا شکار ہوئے ہیں۔یہودی اور اسلامی سلسلوں میں ختنہ کی روایت کی ابتدا حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام سے ملتی ہے، اسی لئے اسے سنتِ ابراہیمی بھی کہتے ہیں۔ہوسکتا ہے اسلامی روایات میں بھی اس کا تفصیلی ذکر ہو لیکن میری نظر سے نہیں گزرا۔البتہ بائبل میں لکھا ہے کہ ختنہ کا حکم ملنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ ایک ہی دن کیا گیا۔تب حضرت ابرہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے سال تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر ۱۳ سال تھی۔

ایران کے خلاف امریکی اور برطانوی سازشوں کا جال پھیلتا جا رہا ہے۔ابھی ایٹمی مسئلہ نازک مرحلہ میں ہے۔اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایران کے خلاف مزید پابندیوں کی قرارداد منظور کر لی ہے، جس پر حسبِ توقع ایران نے سخت ردِعمل ظاہر کیا ہے۔عرب لیگ کے سربراہ اجلاس میں پاکستان، ملائیشیا اور بھارت کو تو شرکت کا موقعہ دیا گیا لیکن اس وقت امریکی نشانے کی زد میں آئے ہوئے ایران کو مدعو نہیں کیا گیا، جس سے اس اجلاس کی حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔اس دوران ایران نے برطانیہ کے ۱۵ سیلرز کو غیر قانونی طور پر ایران کی سمندری حدود میں داخل ہونے پر گرفتار کر لیا۔ان سیلرز کی گرفتاری سے تناؤ میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔ایران کا کہنا ہے کہ اس نے اپنی سمندری حدود کی خلاف ورزی پر کاروائی ہے اور برطانیہ اس کا اعتراف کر کے معذرت کر لے تو سیلرز کو رہا کیا جا سکتا ہے۔یہ بہت ہی صاف اور سیدھی سی بات ہے۔لیکن جب طاقت کا نشہ سر پر سوار ہو تو اصول اور قانون وغیرہ کو کون دیکھتا ہے۔برطانیہ بجائے اپنے اقدام پر شرمندہ ہونے کے الٹا دھمکانے پر اتر آیا ہے۔برطانیہ کا کہنا ہے کہ سیلرز عراقی سمندری حدود میں تھے۔قیدی سیلرز نے اعتراف کیا ہے کہ وہ ایرانی حدود میں گھسے تھے۔اب ایران اپنے سیدھے سادہ سے مطالبہ پر قائم ہے لیکن برطانیہ کے ساتھ اب یورپی یونین نے بھی برطانوی موقف کی حمایت کرتے ہوئے ایران کو انتباہ جاری کیا ہے۔امریکہ کے صدر بش نے بھی دھمکی آمیز بیان جاری کئے ہیں۔اگر نیت نیک ہوتی تو اس مسئلہ کو ایک معذرت کے ساتھ حل کیا جا سکتا تھا۔مجھے لگتا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل ایٹمی حوالے سے جو کاروائی کرنے کی تیاری کر رہے تھے، شاید اب وہ سیلرز کی رہائی کے بہانے سے کرنے کی کوشش کی جائے۔

جب دنیا میں طاقت ہی قانون بن جائے تو پھر یہی کچھ ہوتا ہے جو ہو رہا ہے۔مسلمانوں کو بھی

سوچنا چاہئے کہ ان سے کونسی ناانصافیاں ہوئی ہیں جن کی سزا کے طور پر ان پر ایسے لوگ مسلط ہو رہے ہیں جو اپنے ملکوں اور اپنے شہریوں کے لئے ہر قانونی تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ان کی عزتِ نفس کا احترام بھی کرتے ہیں اور ان کی عزتِ نفس کی حفاظت بھی کرتے ہیں لیکن مسلمان ممالک کے معاملہ میں وہ صرف طاقت کی زبان میں بات کرتے ہیں۔یقیناً مسلمانوں سے کوئی بڑے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ان کا احساس کرنا اور پھر ان گناہوں کی معافی،تلافی کرنا لازم ہے ورنہ وقت خود ان گناہوں کی تلافی کرے گا اور اس صورت میں مسلمانوں کو اسی طرح کے حالات کا سامنا کرتے رہنا ہوگا جیسے افغانستان اور عراق میں پیش آچکے ہیں۔ایران میں پیش آتے دکھائی دے رہے ہیں۔اور پاکستان کی نوبت بھی شاید قریب آتی جا رہی ہے۔

ایسے تکلیف دہ حالات میں آج یکم اپریل کو یہ کالم مکمل کر رہا ہوں۔آج عید میلاد النبی ﷺ کا دن ہے۔میری طرف سے تمام عاشقانِ محمد (ﷺ) کو جشنِ عید میلاد النبی ﷺ کی مبارکباد!اس مبارک موقعہ پر آج کے حالات کی مناسبت سے یہ چند دعائیہ اشعار پیش ہیں۔

دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پہ رات ہے
اے مرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار
یاالٰہی فضل کر اسلام پر اور خود بچا
اس شکستہ ناؤ کے بندوں کی اب سن لے پکار
دیکھ سکتا ہی نہیں میں ضعفِ دینِ مصطفیٰؐ
مجھ کو کر اے میرے سلطاں کامیاب و کامگار

امت کی غلط کاریاں اپنی جگہ۔۔۔۔جہاں تک آنحضرت ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا تعلق ہے آفتاب آمد دلیلِ آفتاب کی طرح ۔۔۔۔ محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ!

یکم اپریل ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے : ۱۲

حالیہ دنوں میں پاکستان میں سیاست نے کئی انوکھے رنگ بدلے ہیں۔جنرل پرویز مشرف کسی نہ کسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ ڈیل کرنا چاہتے ہیں لیکن دونوں طرف بعض معاملات میں ایسی رکاوٹیں ہیں جو دور نہیں ہو پا رہیں۔قیاس غالب ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی کمزور ہوتی ہوئی سیاسی حالت دیکھ کر بے نظیر بھٹو نے اپنی شرائط کچھ سخت کر دی ہیں۔حکومت کی طرف سے اس دوران کئی دانشمندانہ اقدامات کے ساتھ غیر دانشمندانہ رویے بھی سامنے آتے رہے۔نیب کا خصوصی سیل جو بے نظیر کو دباؤ میں لانے کے لئے قائم کیا گیا تھا،اسے یکلخت بند کر دیا گیا۔اس کے انچارج کو کسی اور شعبہ میں بھیج دیا گیا۔یوں سات برسوں کے دوران موجودہ حکومت نے بینظیر کے خلاف جو کروڑوں روپے بلکہ شاید اربوں روپے کا خرچہ کیا ہے،وہ سب تمام ہوا۔کوئی ان حکومتی مقتدر شخصیات کا بھی احتساب کرے کہ آپ لوگوں نے گزشتہ سات برسوں میں اتنے پروپیگنڈہ کے باوجود اور اتنی قومی دولت خرچ کرنے کے باوجود کچھ ثابت نہیں کیا اور اب ان مقدمات کے ڈراموں کو بند کر رہے ہیں تو پہلے ہی اس پنگے میں نہ پڑتے کم از کم بچی کھچی قومی دولت تو احتساب کے نام پر مزید برباد نہ ہوتی۔

اسی اثنا میں بے نظیر بھٹو نے اپنی خودنوشت سوانح میں کچھ نئے اضافے کئے ہیں۔ان اضافوں میں جنرل پرویز مشرف کا ایسا ذکر موجود ہے جس سے ان کی شخصیت کے ایسے منفی پہلو سامنے آتے ہیں جن کی طرف ابھی تک کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔اس سے ایک تاثر تو یہی لیا جا سکتا ہے کہ دونوں طرف سیاسی معاملات طے نہ پانے کے بعد کشیدگی پیدا ہوگئی ہے۔تاہم اس سارے دورانیہ میں حکومتی حلقوں کی طرف سے عجیب مضحکہ خیز قسم کا رویہ اختیار کیا گیا۔پہلے شیخ رشید کی طرف سے بیان آیا کہ پیپلز پارٹی کے ساتھ ڈیل کا معاملہ سیمی فائنل میں پہنچ گیا ہے۔اگلے دو تین روز میں نتیجہ سامنے آجائے گا۔اگلے دو تین روز تک فیصلہ یہ سامنے آیا کہ حکومتی ترجمان محمد علی درانی نے ایک غلط بیانی داغ دی۔خیال رہے کہ چیف جسٹس کیس میں اوٹ پٹانگ بیانات دینے کی وجہ سے وزیر اطلاعات کو اب وزیر غلط بیانی بھی کہا جاتا ہے انہوں نے شیخ رشید کے بیان کی تردید کرنے کی بجائے کہا کہ پیپلز پارٹی اپنی ساکھ بچانے کے لئے ڈیل کا پروپیگنڈہ کر رہی ہے۔کوئی وزیر غلط بیانی سے پوچھے کہ بیان تو سرکاری وزیر ریلوے اور ان کے پیش رو

سابق وزیراطلاعات شیخ رشید نے دیا تھا،اس میں پیپلز پارٹی کی طرف سے پروپیگنڈہ کہاں سے آ گیا؟

اس کے بعد صدارتی ترجمان کو بھی ڈیل کی خبروں کی تردید کرنی پڑی کیونکہ تین دن گزرنے کے بعد بھی بے نظیر بھٹو نے حکومت کو مطلوبہ ریلیف نہیں دیا۔ایک بات طے ہے کہ بے نظیر بھٹو صدر کی وردی پر سمجھوتہ نہیں کریں گی۔وردی تو اب اتر جانی چاہئے۔لیکن اگر بے نظیر نے خدانخواستہ وردی پر سمجھوتہ کرلیا تو شاید اس سے ان کی پارٹی اپنی عوامی مقبولیت کھو بیٹھے۔ابھی تک شدید ترین مشکلات کے باوجود بے نظیر نے اپنے سیاسی پتے بڑی مہارت کے ساتھ کھیلے ہیں۔صدارتی ترجمان کے بیان کے بعد چند دن کے اندر بے نظیر بھٹو نے خود ایک انٹرویو میں یہ بتا دیا کہ حکومت کے ساتھ بات چیت ہوتی رہتی ہے لیکن جمہوریت اور وردی ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔اس کھیل میں نواز شریف کا زیادہ موثر کردار دکھائی نہیں دیتا۔اسی لئے وہ کسی حد تک جھلاہٹ کا مظاہرہ کرنے لگے ہیں۔

جنرل پرویز مشرف کی حکومت کا زیادہ انحصار امریکی اور یورپی تائید وحمایت پر ہے اور فی الوقت ایسا لگتا ہے کہ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔امریکہ اور یورپ کی طرف سے مسلسل دباؤ ہے کہ اب دھاندلی سے پاک ٹرانسپیرنٹ الیکشن کرائے جائیں۔وردی اتاری جائے۔اب تک جنرل پرویز مشرف بڑے فخر کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ہم دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں فرنٹ لائن سٹیٹ اتحادی ہیں۔لیکن اسی دورانیے میں امریکہ،افغانستان اور بعض یورپی ممالک بھی وقفہ وقفہ سے ایسے الزام لگاتے رہے۔

۱۔پاکستان کے قبائلی علاقوں میں غیرملکی دہشت گرد چھپے ہوئے ہیں۔

۲۔پاکستان کے اہم دینی مدارس میں انتہا پسندوں کو بھرتی کیا جا رہا ہے اور انہیں دہشت گردی کی تربیت دی جا رہی ہے۔

۳۔ملا عمر اور اسامہ بن لادن پاکستان کے صوبہ بلوچستان میں روپوش ہیں۔

۴۔حکومت کی بعض خفیہ ایجنسیاں درپردہ مذہبی انتہا پسندوں کی سرپرستی کر رہی ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔

حکومت پاکستان نہایت سختی کے ساتھ ان میں سے ہر الزام کی تردید کرتی رہی۔لیکن اب مسئلہ یہ ہوا کہ پاکستان کے قبائلی علاقوں میں غیرملکی جنگجوؤں کی موجودگی کھل کر سامنے آ گئی ہے۔دینی مدرسوں میں انتہا پسندوں اور طالبانوں کی تربیت دیئے جانے کا الزام خود اسلام آباد میں ہی کھل کر سامنے آ گیا ہے،دوسرے مدارس جو پہلے بھی ''مجاہدین'' تیار کرتے رہے ہیں ان کے بارے کسی شک وشبہ کی گنجائش

نہیں رہ جاتی کہ وہ بھی ایسی ہی فورسز تیار کر رہے ہیں۔اسلام آباد میں اتنی بڑی تعداد میں اور اتنے بڑے لیول پر طالبان اور لیڈی طالبان تیار کئے جاتے رہے۔کیا حکومت کی خفیہ ایجنسیاں واقعی اس سارے عمل سے بے خبر تھیں؟ بے خبر تھیں تو نااہلی کی انتہا ہے۔اور باخبر تھیں اور دیدہ دانستہ چشم پوشی کر رہی تھیں تو یہ بین الاقوامی الزام سچ ثابت ہوتا ہے کہ حکومت کی بعض ایجنسیاں درپردہ مذہبی انتہا پسندوں کی سرپرستی کر رہی ہیں۔یہ ساری صورتحال خاصی گھمبیر اور پریشان کن ہو گئی ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس نے کھل کر کہا ہے کہ میں ان معاملات کے لئے جنرل پرویز مشرف کو گاجر اور اسٹک دونوں دے کر کام چلاتی ہوں۔کھلے عام اس بیان کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنرل پرویز مشرف نے صاف کہہ دیا کہ اگر انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہماری کارروائیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانا ہے تو ہمیں اس جنگ سے الگ کر دیا جائے۔امریکی مفادات کے لئے اپنے ملک کو داؤ پر لگا دینے والے ہمارے جرنیل حکمرانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب ان کا وقتِ رخصت قریب آتا ہے تو وہ امریکہ کے خلاف اسی طرح بیان دینے لگتے ہیں۔خدا کرے جنرل پرویز مشرف کا وقتِ رخصت ابھی نہ آئے اور وہ اپنی حکومت کے سارے لٹیرے اور کرپٹ ارکان کو احتساب کے کٹہرے میں لا کر اپنے گناہوں کی تلافی کر لیں۔شوکت عزیز سے لے کر چوہدری برادران تک سب کی فائلیں کھولی جائیں اور سب کو قانون کے سامنے جوابدہ کیا جائے۔اپنی بچی کھچی عزت بچانے کا یہ بالکل آخری موقعہ ہے۔ڈر ہے کہ جنرل پرویز مشرف اس موقعہ کو ضائع نہ کر بیٹھیں۔بعد میں پچھتانے سے کچھ نہ ہوگا بلکہ جو کچھ رونما ہونے کا خدشہ ہے اس کے نتیجہ میں پچھتاوے کا موقعہ بھی شاید نہ ملے۔

پاکستان کرکٹ ٹیم کے میڈیا منیجر پی جے میر نے کہا ہے کہ پاکستانی کرکٹ ٹیم کی توجہ کھیل سے زیادہ تبلیغ پر رہی تھی۔انہوں نے کہا کہ نماز پڑھنا ہر شخص کا ذاتی فعل ہے لیکن ہماری ٹیم اس عبادت کو تبلیغی انداز میں کرتی رہی۔پی جے میر کے بیان کے بعد مخصوص مذہبی حلقے ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔انہیں خاصا برا بھلا کہا جا رہا ہے۔بعض لوگ تو کسی حد تک مغلوب الغضب ہو کر برا بھلا کہہ رہے ہیں۔اس دوران نذیر ناجی نے اپنے ایک کالم میں محتاط انداز میں لکھنے کے باوجود لکھا ہے کہ اگر کسی جہاز کا پائلٹ دورانِ پرواز اپنا کام چھوڑ کر نماز پڑھنا یا پڑھانا شروع کر دے۔کسی عمارت کی آگ بجھاتا ہوا فائر بریگیڈ کا عملہ اذان کی آواز سن کر آگ بجھانا چھوڑ کر نماز پڑھنا شروع کر دے تو یہ سب کیا ہوگا؟اس معاملہ میں مجھے نذیر ناجی سے مکمل اتفاق ہے۔

جہاں تک عبادت کا تعلق ہے مومن کی زندگی ہمہ وقت عبادت میں بسر ہوتی ہے۔پنج وقتہ عبادت تو صرف دنیاداروں کے لئے ہوتی ہے۔مومن کا ہر قول اور فعل عبادت کے زمرے میں آتا ہے۔سچ بولنا ،روزانہ معمولاتِ زندگی میں ہر عمل خدا کی رضا اور منشا کے مطابق کرنا۔جو ذمہ داری سونپی گئی ہو اسے پوری طرح نبھانا۔

ایک اور خبر یہ ہے کہ لاہور کے چڑیا گھر میں تین آوارہ کتے گھس گئے اور وہاں انہوں نے نایاب نسل کے اٹھائیس مور ہلاک کر دیئے۔ان موروں کی حفاظت پر مامور چوکیدار محمد یونس فجر کی نماز پڑھنے گیا ہوا تھا۔اس دوران تین آوارہ کتے وہاں آ گئے اور اٹھارہ نیلے مور، چار سولڈر مور، ایک سفید مور کا بچہ سمیت کل اٹھائیس مور ہلاک کر دیئے۔ چوکیدار محمد یونس کو معطل کر دیا گیا ہے اور اسے ۲۶ ہزار روپے کا جرمانہ بھی کر دیا گیا ہے۔اگر ڈیوٹی کے ساتھ نماز پڑھنے والے ایک غریب چوکیدار کو معطل اور جرمانہ کیا جا سکتا ہے تو بقول پی جے میر تبلیغی کرکٹ ٹیم کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟ ان دونوں خبروں پر مزید کوئی تبصرہ نہیں کروں گا۔قارئین خود ہی سوچیں!

ایک طرف ’’مصلیٰ کرکٹ‘‘ کا مسئلہ چل رہا ہے دوسری طرف اسلام آباد میں ’’مصلیٰ جدوجہد‘‘ کرنے والے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے جو طالبان اور لیڈی طالبان ’’مسلح جدوجہد‘‘ پر اتر آئے ہیں، ہر حال میں اپنی رٹ قائم رکھنے کا بلند بانگ دعویٰ کرنے والی حکومت ان کے سامنے گھگھیا رہی ہے۔ایک رائے یہ ہے کہ حکومت نے خود اس مسئلہ کو بڑھنے دیا ہے تا کہ چیف جسٹس کے ریفرنس والے اشو سے توجہ ہٹ سکے۔جبکہ دوسری رائے کے مطابق یہ لوگ واقعتاً حکومت کے لئے دردِ سر بن گئے ہیں۔اور حکومت کو سمجھ نہیں آ رہی کہ اپنے عوام اور اپنی خواتین اور بچوں پر کیسے سختی کرے؟۔اس حکومتی موقف پر مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ بلوچستان سے لے کر قبائلی علاقوں تک بمباری کرتے ہوئے حکومت کو نہ قوم کے بچے نظر آتے ہیں اور نہ قوم کی بیٹیاں دکھائی دیتی ہیں لیکن اسلام آباد میں اسلامی شریعت کے نام پر ہونے والی دہشت گردی پر حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے۔اس معاملہ کو گفتگو کے ذریعے سلجھانے کے لئے ان سیاسی افراد کو استعمال کیا جا رہا ہے جو حقیقتاً ان علماء کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔اگرچہ اسی مکتب فکر کے دوسرے علماء نے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے طالبان اور لیڈی طالبان کے اقدامات کو اور از خود شریعت کورٹ لگانے کے اعلان کو رد کیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے ایسا اعلان صرف ظاہری بیان بازی ہے۔کیونکہ دوسرے سانس میں یہی علماء ایسی توجیہات بھی پیش کرنے لگتے ہیں کہ شرعی

عدالت کا مطلب ہے دینی مسائل کے سلسلہ میں فتویٰ دینا۔اسی طرح یہ واویلا بھی شروع کر دیا گیا ہے کہ حکومت ان مدرسوں کی آڑ میں ایک فضا بنا کر دوسرے مدارس یا دینی جماعتوں کے خلاف کوئی بڑا کریک ڈاؤن کرنا چاہتی ہے۔یہاں شرعی عدالتیں لگانے والے اسلام آبادی علماء سے کوئی نہیں پوچھ رہا کہ جامعہ حفصہ میں تین ہزار سے زائد نوجوان لڑکیاں جو داخل ہیں، وہ کس شرعی قانون کی رُو سے بغیر کسی محرم کے وہاں قیام پذیر ہیں؟اسلام تو محرم کے بغیر حج ،عمرہ پر جانے کی بھی اجازت نہیں دیتا تو ان نوجوان لڑکیوں کا کسی محرم کے بغیر اس طرح قیام رکھنا اور پھر ہاتھوں میں لمبے اور موٹے ڈنڈے پکڑ کر اور کندھوں پر بندوقیں لٹکا کر سڑکوں، مارکیٹوں اور گھروں میں اسلام نافذ کرنا خود کونسی شرعی حیثیت رکھتا ہے؟

اب اصل حقیقت شاید یہ ہے کہ پاک فوج نے جنرل ضیاع الحق کے دور سے علمائے کرام کو اسی طرح پروان چڑھایا جیسے اندرا گاندھی نے انڈیا کے سنت فتح سنگھ بھنڈرانوالہ کو پروان چڑھایا تھا۔وہ ایک فرد تھا یہاں ایک خاص مکتب فکر کے علماء اور ان کے سارے طلبہ شامل تھے۔یہ لوگ امریکی مفاد کے لئے ’’جہاد‘‘ کرتے رہے۔امریکہ و اسرائیل سے اسلحہ، ڈالرز اور ’’جہاد‘‘ کی تربیت دینے والے ماہرین اور عرب ممالک سے پیسہ آتا رہا۔امریکہ، اسرائیل اور عرب ممالک کو بخوبی علم ہے کہ کون کون سے مدرسے ’’مجاہدین‘‘ تیار کرتے رہے ہیں۔اسی لئے حکومت کی ایسی وضاحتوں کو کبھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا گیا کہ کوئی دینی مدرسہ ’’دہشت گردوں‘‘ کو تربیت نہیں دے رہا۔بہر حال اب ان لوگوں کے پاس اسلحہ اور دولت دونوں کے انبار ہیں اور جیسے بھنڈرانوالہ اپنی مربی اندرا گاندھی کا باغی ہو گیا تھا، بھنڈرانوالہ کی طرح یہ لوگ بھی اپنی مربی پاک فوج سے باغی ہو گئے ہیں۔اگر تو یہ حکومت کی ملی بھگت سے طالبانائزیشن کا ڈرامہ چل رہا ہے تو چیف جسٹس کے اشو کے اختتام کے بعد ہی اسے انجام تک پہنچایا جائے گا لیکن اگر یہ واقعتاً طالبانائزیشن ہے (مجھے ایسا ہی لگتا ہے)، تو پھر اس کا آخری راؤنڈ بھنڈرانوالہ کے انجام سے ملتا جلتا ہونے کا امکان زیادہ ہے۔ایم کیو ایم کی بھرپور کراچی ریلی کے بعد سرکاری کاروائی شروع ہونے کا امکان بڑھ گیا ہے۔

ذکر اسلام آباد کے دینی مدرسوں کا ہو رہا ہے تو اس مکتب فکر کے دینی مدارس کے علمی معیار کے بارے میں بھی کچھ جان لینا چاہئے۔یہاں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اسے درسِ نظامی کہا جاتا ہے۔اسے لکھنو کے مولانا نظام الدین نے مرتب کیا تھا۔ان کی وفات کو ۳۱۲ سال گزر چکے ہیں۔گویا تین صدیوں سے بھی پرانا نصاب اس عہد میں پڑھا کر علم کی روشنی پھیلائی جا رہی ہے۔اس نصاب میں صرف ونحو،علم

الکلام، تفسیر، فقہ اور عربی نظم ونثر شامل ہیں۔

تمام علوم میں کتنی بڑی پیش رفت ہو چکی ہے لیکن ان مدارس میں صدیوں پرانی باتیں دہرا کر ایسا علم دیا جا رہا ہے جو ایک اور مولوی تیار کرنے کے علاوہ معاشرے کو اور کچھ نہیں دے سکتا۔ علم الہندسہ اور حساب کی وہ کتاب پڑھائی جا رہی ہے جو لگ بھگ آٹھ سو سال پرانی ہے۔ مغربی ترقیات کا ذکر ہو تو ہمارے اکثر سادہ دل لوگ کہہ دیتے ہیں کہ مسلمان اسکالرز سے استفادہ کر کے مغرب نے اتنی ترقی کی ہے۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ ان مسلمان اسکالرز کے ساتھ خود مسلمانوں نے کیا سلوک کیا؟ ان کے فرمودات سے استفادہ تو کجا، ان کا جینا تک حرام کر دیا۔ ایک ایک کی تفصیل میں گئے بغیر صرف ممتاز ہیئت دان، عالم اور فلسفی ابن رشد کی ایک مثال سے مسلمانوں کی ''علم پروری'' کا احوال بیان کر دیتا ہوں۔ ابنِ رشد کو ان کے افکار و خیالات کی وجہ سے ذلیل و رسوا کیا گیا۔ قرطبہ کی مسجد کے نمازیوں کے جوتے صاف کرنے کی ذلت آمیز سزا دی گئی۔ پھر انہیں جلا وطن کر دیا گیا۔ ان کی کتابیں جلانے کے ''ایمان پرور'' مظاہرے کئے گئے۔ حقیقتاً اپنے نابغہ کو جلا وطن کر کے مسلمان خود علم کی دنیا سے جلا وطن ہو گئے۔ مسلمانوں نے جسے راندۂ درگاہ قرار دیا اُسے یہودیوں نے سینے سے لگا لیا۔ اس کے فرمودات کو سر آنکھوں پر رکھا۔ اس کے تراجم مغربی دنیا تک پہنچائے۔ ہم اپنے جن عظیم علمی سپوتوں کے ساتھ ایسا ذلت آمیز سلوک کر چکے ہیں، اب انہیں اپنا کہہ کر مغرب پر کونسا احسان جتاتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ علم دشمنی کا عامتہ المسلمین کا رویہ ابھی تک زیادہ تبدیل نہیں ہو سکا۔ یہ صرف ایک ابن رشد کی بات نہیں، اپنے ہر جینوئن جینئس کے ساتھ مسلمانوں نے یہی سلوک کیا اور اہلِ مغرب نے انہیں سے سیکھ کر اس دور کی عظیم تر ترقیات تک کا سفر طے کیا اور ہم ہیں کہ ابھی تک صدیوں پرانے نصابوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ کوئی جدید علوم اور زمانے کی نئی صورتحال کی طرف توجہ دلائے تو اسے اسلام دشمن، یہودیوں کا ایجنٹ وغیرہ کہہ کر سمجھتے ہیں کہ اسلام کی خدمت کا حق ادا ہو گیا۔

اٹھا میں مدرسہ وخانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ حرارت، نہ معرفت، نہ نگاہ

علامہ اقبال نے لگ بھگ سو سال پہلے کے دینی مدارس کے حوالے سے جو کچھ کہا تھا آج ان کی پسماندگی اس دور سے بھی بڑھ چکی ہے۔ یہ تو دینی مدارس کا حال تھا، اب مسلمان ملکوں کی جدید یونیورسٹیوں کے احوال کو بھی ایک نظر دیکھ لیا جائے۔

لگ بھگ ۶۰ مسلمان ملکوں میں یونیورسٹیوں کی کل تعداد پانچ سو چار ہے۔ جبکہ صرف امریکہ میں یونیورسٹیوں کی تعداد پانچ ہزار سات سو اٹھاون سے اوپر ہے۔ مسلمان ملکوں کی پانچ سو چار یونیورسٹیوں میں سے ایک یونیورسٹی بھی ایسی نہیں ہے جو دنیا کی پانچ سو اعلیٰ درسگاہوں/دانش گاہوں میں شمار ہو سکے۔ صرف ایک یونیورسٹی ایسی ہے جو ان کے معیار سے کچھ قریب تر ہے اور وہ ہے آغا خان یونیورسٹی۔ پاکستان کا ماڈریٹ مسلم کہلانے والا پریس عموماً اس یونیورسٹی کے خلاف زہر اگلتا رہتا ہے۔ مغربی دنیا میں خواندگی کی شرح ۹۰ فی صد سے زیادہ ہے۔ مسلمان ملکوں میں یہ شرح چالیس فی صد سے بھی کم ہے۔ امریکہ میں ۲۶ ہزار پادری پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حامل ہیں۔ گویا چرچ کی مخصوص تعلیم کے ساتھ وہ جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہیں۔ مسلمان ملکوں کے علماء میں یہ شرح پتہ نہیں اعشاریہ کے بعد بھی کتنے زیرو لگا کے پھر ایک فی صد بنتی ہے۔ یورپی ممالک اپنی قومی آمدنی کا پانچ فی صد تحقیق پر خرچ کرتے ہیں۔ مسلمان ممالک میں تحقیق پر صرف اعشاریہ دو فیصد خرچ کیا جاتا ہے۔ اس سے مسلمان ملکوں کے حکمرانوں کی علم دوستی کا بھی اندازہ کیا جا سکتا ہے اور مسلمانوں میں علم کے حصول کے لئے پائی جانے والی لگن کا بھی کچھ نہ کچھ پتہ چل جاتا ہے۔ اب ایک تازہ اطلاع کے مطابق لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے طلبہ وطالبات اور پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ وطالبات کے بعض رویوں میں حیرت انگیز مماثلت آنے لگی ہے۔ اسے علم کے شعبہ میں جرنیلی مداخلت کا شاخسانہ کہیں یا مذہبی انتہا پسندی کا ثمر، کچھ بھی کہیں لیکن صورتحال تکلیف دہ اور افسوسناک ہے۔ اے مسلمانانِ عالم!

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہو گا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

۱۵/اپریل ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے : ۱۳

میں نے گزشتہ کالم میں دینی مدارس کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے،اسی سلسلہ میں پاکستان کے دکھوں اور مصائب کے خاتمہ کے لئے دو متبادل تجاویز حکومت پاکستان کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ حکومت بخوبی جانتی ہے کہ بیشتر دینی مدارس امریکی اور اسرائیلی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ''مجاہدین'' تیار کرنے پر لگائے گئے تھے اور انہیں ساری تربیت اور اسلحہ اور بھاری رقوم بھی دراصل انہیں کی طرف سے فراہم کرائی جارہی تھیں،اس لئے ان کی خدمات کے ثمرات کو ۱۹۸۰ء سے لے کر اب تک افغانستان و پاکستان میں کئی زاویوں اور کئی حوالوں سے دیکھا جا سکتا ہے۔اسلام کے نام پر اس مذہبی انتہا پسندی کے کارخانوں کو ٹھیک کرنے کی دو صورتیں ہیں۔چونکہ یہ عناصر فکری طور پر سعودی عرب کے حکمرانوں کے مسلک سے قریب ہیں۔وہاں سے انہیں بھاری فنڈز ملتے رہے ہیں،اس لئے اس مسئلے کا ایک سعودی برانڈ حل موجود ہے۔سعودی عرب کی حکومت نے اپنے ملک میں دینی مدارس کے لئے جو طریق کار رکھا ہوا ہے،وہی طریق کار ان پاکستانی دینی مدارس کے ساتھ اختیار کر لیا جائے۔یعنی اگر وہ سب مدارس سرکاری تحویل میں ہیں تو سب کو سرکاری تحویل میں لے لیا جائے۔وہ خود مختار یا نیم خود مختار مدارس ہیں تو ان کی خود مختاری کا بھی ویسے ہی احترام کیا جائے جیسے سعودی عرب میں کیا جاتا ہے۔

مذہبی عناصر کو اور خاص طور پر ان مذہبی عناصر کو جو پاکستان کے شدید مخالف رہے تھے،اگرچہ جنرل ضیاع الحق نے پروان چڑھایا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان سے پہلے پاک فوج نے مذکورہ مذہبی عناصر کو ۱۹۶۹ء سے سرپر چڑھانا شروع کر دیا تھا۔جنرل یحییٰ خان کے دور میں ان کے وزیر اطلاعات شیر علی خاں نے بطور خاص ان مذہبی عناصر کی سرپرستی شروع کی۔اسی کا نتیجہ تھا کہ جب جسٹس کارنیلیس اسلامی قوانین بنانے لگے تو ان مذہبی عناصر نے کچھ سامنے آنے سے پہلے ہی اس پر اعتماد اور اطمینان کا اظہار کر دیا تھا۔فوجی حکومت کی سرپرستی میں مذہبی جماعتوں نے سیاست میں اثر و رسوخ بڑھانا شروع کیا۔یحییٰ خان کے بعد جنرل ضیاع الحق کے دور میں تو مذہبی عناصر کی چاندی ہو گئی اور تب سے اب تک نہ صرف فوج کی سرپرستی میں مذہبی عناصر نے بہت زیادہ قوت حاصل کر لی بلکہ خود پاک فوج کے اندر بھی ان کے افراد داخل ہو گئے۔اور اب جو کچھ ہو رہا ہے اس میں پاک فوج کے اندر موجود ان عناصر کا بہت

بڑا ہاتھ شامل ہے۔اس سب کا اب پرامن حل ڈھونڈنا ہے تو سعودی عرب والا فارمولا مناسب رہے گا۔لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو پھر دینی مدارس کو کم از کم ۱۹۶۹ء سے پہلے کی سطح پر لایا جائے۔یہ نہ ہوا تو پھر پاکستان میں اندرونی طور پر یا اندرونی و بیرونی دونوں طور پر،بہت بڑے خون خرابے کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔اگر مذہبی عناصر کو ۱۹۶۹ء سے پہلے کی سطح پر نہ لایا جا سکا تو اس میں کسی کو شک نہ ہونا چاہئے کہ پاکستان دوسرا افغانستان بننے کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اسلام آباد میں لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے ڈنڈا بردار طالبان و لیڈی طالبان کے طرزِ عمل اور اس پر حکومت کی مصلحت آمیز مذاکراتی پالیسی بلکہ طالبان کی حوصلہ افزائی کرنے والی مذاکراتی پالیسی کے خلاف ایم کیو ایم کے کراچی میں ہونے والے بڑے مظاہرے کے بعد اب لاہور،پشاور اور خود اسلام آباد میں خواتین نے مظاہروں کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ان مظاہروں میں زیادہ زور اس نعرے پر رہا''ملا ملٹری الائنس۔مردہ باد!''۔۔۔جنرل پرویز مشرف جس قماش کے سیاستدانوں کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنے کا تماشہ دکھا رہے ہیں۔یعنی چوہدری شجاعت حسین اور اعجاز الحق جیسے لوگوں کے ذریعے مولویوں کو منانے اور ان کے ناز اٹھانے کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے،اس کا مطلب یہی دکھائی دیتا ہے کہ حکومت اس مسئلہ کو سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے طول دینا چاہ رہی ہے۔میرا ابھی تک یہی خیال تھا کہ حکومت واقعتاً ایک مشکل صورتحال سے دوچار ہے لیکن اب جو ''ٹوپی ڈرامہ'' سامنے آرہا ہے اس سے ''ملا ملٹری الائنس'' کی ملی بھگت واضح ہوتی جارہی ہے۔فوجی حکمران عوام کو تو بے وقوف بنا لیں گے لیکن کیا ان قوتوں کو بھی بے وقوف بنا لیں گے جن کے بل پر فوج کا اقتدار ابھی تک سلامت ہے؟

قبائلی علاقوں خاص طور پر جنوبی وزیرستان میں غیر ملکی جنگجوؤں کے خلاف مقامی قبائل کی مہم کافی کامیاب رہی ہے۔حکومت اسے اپنی پالیسی کی کامیابی قرار دیتی رہی ہے۔قطع نظر اس سے کہ اس سارے ہنگامے سے قبائلی علاقوں میں چھپے ہوئے غیر ملکی جنگجوؤں کی موجودگی کا الزام ثابت ہو گیا،جو بجائے خود پاکستانی حکومت کے سابقہ بیانات اور تردیدوں کے برعکس ہے۔اس وقت مولوی نذیر اس مہم کی قیادت کر رہے ہیں،ان کا کہنا ہے کہ جنوبی وزیرستان کو غیر ملکیوں سے پاک کر دیا گیا ہے۔کچھ غیر ملکی شمالی وزیرستان چلے گئے ہیں،ہم ان سے بھی نمٹ لیں گے۔اس کے ساتھ ہی مولوی نذیر نے کہا ہے کہ اگر اسامہ بن لادن نے ان سے رابطہ کیا تو ہم انہیں قبائلی روایات کے مطابق پناہ دیں گے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔جنگ اخبار نے اس خبر کی سرخی یوں لگائی ہے:اسامہ قبائلی قوانین کی پابندی کرے تو پناہ دینے کے

لئے تیار ہیں۔ یہ تو پوری دنیا کو کوئی پیغام جا رہا ہے۔ کیا حکومت کو اس کا ادراک ہے؟

چیف جسٹس کیس میں حکومت تاخیری حربے اختیار کر رہی ہے۔ لیکن یہ تاخیری حربے خود حکومت کے خلاف جا رہے ہیں۔ پنجاب میں چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے بار سے خطاب کیا تو ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کا کوئی جج وہاں نہیں گیا۔ ایک خاتون سول جج نے شرکت کی تو ان کے خلاف محکمانہ کاروائی کر دی گئی۔ پنجاب کے برعکس سندھ میں سکھر اور حیدرآباد کی ہائی کورٹ بار سے چیف جسٹس نے خطاب کیا تو سندھ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس سمیت ۱۷ ججوں نے شرکت کی۔ اب پشاور ہائی کورٹ بار سے چیف جسٹس نے خطاب کیا ہے تو وہاں بھی صوبہ سرحد کی ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور گیارہ ججوں نے شرکت کی ہے۔ ان تمام تقریبات میں وکلاء کا جوش و خروش مسلسل بڑھ رہا ہے اور حکومت کا یہ خیال غلط ثابت ہو رہا ہے کہ معاملہ کو طول دینے سے تحریک کمزور ہو جائے گی۔ اسی دوران یہ انکشاف باخبر حلقوں میں کھل کر سامنے آ گیا ہے کہ ریفرینس کا بنیادی سبب وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر اعظم سلمان شاہ بنے ہیں۔ پاکستان اسٹیل مل کو جس طرح یہ لوگ اونے پونے بیچ رہے تھے چیف جسٹس کے فیصلہ نے ان کے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ اس میں متعدد دوسرے اسباب بھی شامل ہیں جن میں زیادہ تر وہی عوامی مفاد کے دلیرانہ فیصلے ہیں جو چیف جسٹس نے از خود نوٹس لے کر صادر کئے تھے۔ ان فیصلوں کی زد میں آنے والے طاقتور عناصر اور وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر اعظم ڈاکٹر سلمان شاہ کے سارے غم یکجا ہوئے تو چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس تیار ہو گیا۔ اگر پاکستان میں انارکی نہ پھیلی اور قومی ادارے قائم اور طاقتور رہے تو شوکت عزیز اور سلمان شاہ کے خلاف معاشی اصلاحات کے نام پر کئے جانے والے ہر فراڈ کا حساب لیا جائے گا۔ حالیہ دنوں میں پاکستان میں ایک پیر ڈبل شاہ کو گرفتار کیا گیا ہے جو لوگوں کو رقم ڈبل کر کے دینے کے بہانے اربوں روپے کا فراڈ کر رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر اعظم دونوں قومی سطح پر ڈبل شاہ کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ یہ قوم کو جن معاشی اصلاحات کے چکر میں ڈال رہے ہیں، وہ مذکورہ ڈبل شاہ سے کافی حد تک ملتا جلتا ہے۔

ایک بہت ہی اندر کی آف دی ریکارڈ خبر ہاتھ لگی ہے۔ حکومت کے اندر کسی اچانک تبدیلی کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس ڈر کی وجہ سے چوہدری شجاعت حسین نے اپنے اثر و رسوخ اور پہنچ کی حد تک اپنے خلاف خفیہ والوں کی فائلوں میں ردو بدل کی کوشش کی ہے۔ تاہم بعض نہایت اہم حلقوں نے ان فائلز کی مکمل کاپیاں کہیں اور بھی محفوظ کر دی ہیں۔ اب موجودہ آن ریکارڈ (لیکن خفیہ) فائلوں میں کسی نے ردو

بدل کیا تو وہ متعلقہ حکام چوہدری شجاعت حسین کا احتساب ہونے کا وقت آنے پر اعانت جرم میں پوری سزا پائیں گے۔ اس کا پکا انتظام ہو گیا ہے۔ مشتری ہوشیار باش!

قائم مقام چیف جسٹس آف پاکستان بھگوان داس نے کہا ہے کہ میں اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ اس پر میرے چند دوستوں نے خوشی کا اظہار کیا ہے کہ ایم اے اسلامیات کرنے والے ایک عالم فاضل ہندو نے بھگوان کی بجائے اللہ سے ڈرنے کی بات کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اللہ کا نام عرب دنیا میں اسلام سے پہلے رائج تھا۔ رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ کے والد محترم کا نام حضرت عبداللہ تھا۔ یعنی اللہ کا بندہ۔ اس لئے یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ عرب روایت کے مطابق مشرکین عرب بھی اللہ کو اپنا معبود مانتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے۔ بھگوان داس تو قانون کے ساتھ دینیات کے بھی اسکالر ہیں اس لئے جب وہ بسم اللہ پڑھتے ہیں یا اللہ سے ڈرتے ہیں تو ان کے سامنے اس نام کا پورا سیاق سباق ہوتا ہے۔ ہندوستان کے انتہا پسند ہندو خوامخواہ کے لئے اس نام سے الرجک ہیں ورنہ یہ نام تو مسلمانوں اور ہندوؤں کو قریب لانے کا باعث بن سکتا ہے۔

ٹاٹا میموریل ہسپتال بمبئی کینسر کے علاج کے حوالے سے عالمی شہرت رکھتا ہے۔ وہاں کی ایک افسوسناک خبر یہ ہے ہسپتال میں داخل ۱۵،۱۶ برس کی ایک لڑکی کے ساتھ کسی نے جنسی زیادتی کر دی اور وہ حاملہ ہو گئی۔ اس پر وہاں کے عوامی حلقوں میں اضطراب اور غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ہسپتال انتظامیہ کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے ہیں۔ اس گھناؤنی حرکت میں دو وارڈ بوائز کے ملوث ہونے کا شک کیا جا رہا ہے۔

شلپا شیٹی کے بارے میں ایک بار پھر ہنگامہ خیز خبر آئی ہے۔ ہالی ووڈ کے اداکار رچرڈ گئیر ے ہندوستان گئے ہوئے تھے۔ وہاں ایک تقریب کے دوران انہوں نے نہایت نازیبا انداز کے ساتھ شلپا شیٹی کو گلے لگا کر، ان کی مزاحمت کے باوجود ان کے بوسے لئے۔ اسٹیج پر اس طرح کی حرکت اور مزاحمت کے باوجود ایسی حرکت تو ہالی وڈ کے کسی فنکشن میں بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ ہندوستان کے بعض شہروں میں رچرڈ کے خلاف مظاہرے شروع ہو گئے ہیں۔

چند دنوں سے پاکستان میں یہ افواہ پھیلی ہوئی تھی کہ چند مخصوص نمبرز سے کوئی کال اٹینڈ نہیں کرنی چاہئے کیونکہ جن لوگوں نے اس نمبر کی کال اٹینڈ کی وہ ہارٹ اٹیک، برین ہیمبرج یا کسی بھی اچانک نوعیت کی موت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ افواہ پاکستان میں اس حد تک خوف پھیلانے کا باعث بنی کہ لگ بھگ ایک کروڑ صارفین نے اپنے موبائلز ہی بند کر دیئے۔ اب یہی افواہ افغانستان میں پہنچ گئی ہے تو افغان

حکومت نے الزام لگایا ہے کہ یہ افواہ طالبان نے پھیلائی ہے۔ مجھے طالبان کی اسلام کی جاہلانہ اور قبائلی طرز کی تعبیر سے شدید اختلاف ہے لیکن ایسی افواہ کا الزام طالبان پر لگانا بھی خود ایک جہالت ہے۔ ایک واہیات سا لطیفہ یاد آ گیا۔ کسی میراثی نے تھانے دار پر کوئی جگت کر دی۔ تھانے دار اسے پکڑ کر تھانے لے آیا۔ وہاں محرر سے پوچھنے لگا فلاں چوری والے کیس کا کچھ پتہ چلا؟ محرر نے بتایا کہ ابھی تک کچھ نہیں بنا۔ تھانے دار نے کہا وہ چوری اس میراثی پر ڈال دو۔ پھر اسی طرح کے دو تین اور کیسز کے بارے میں پوچھا اور کہا یہ الزام بھی اس میراثی پر ڈال دو۔ اسی دوران کسی پولیس والے کی آواز کے ساتھ ہوا خارج ہو گئی۔ اس پر میراثی نے اپنے مخصوص انداز کے ساتھ کہا: ہاں ہاں۔۔۔ اب یہ الزام بھی مجھ پر ہی ڈال دو۔

امریکہ میں ورجینیا کی ایک یونیورسٹی میں ایک نوجوان نے فائرنگ کر کے ۳۳ طالب علموں کو ہلاک کر دیا ہے۔ حملہ آور نے خود کو بھی ہلاک کر لیا۔ خدا کا شکر ہے کہ یہ حملہ آور جنوبی کوریا نژاد تھا، کوئی مسلمان نوجوان نہیں تھا۔ اسی لئے اسے ''گن مین'' کہا جا رہا ہے۔ کوئی مسلمان طالب علم اس حرکت کا ارتکاب کرتا تو پھر یہ سیدھا سادہ دہشت گردی کا کیس قرار پاتا جس میں القاعدہ یا طالبان کو ملوث پایا جاتا۔ چونکہ یہ کوئی مسلمان نوجوان نہیں تھا اس لئے باوجود اس کے کہ اس نے خود کو بھی ہلاک کر لیا، اسے خود کش حملہ جیسی کاروائی یا دہشت گردی نہیں کہا جا رہا۔ بعد کی اطلاعات کے مطابق کوریائی ''گن مین'' نے ایک ویڈیو بھی چھوڑی ہے جس میں اس نے امریکہ کے دولت مندوں کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اس پر بھی شکر کیا جانا چاہئے کہ یہ ''گن مین'' جنوبی کوریا کا تھا، شمالی کوریا کا نہیں تھا۔ شمالی کوریا کا ہوتا تو مسلمانوں پر نہ سہی، بچے کھچے سوشلسٹ ممالک کے خلاف پروپیگنڈہ مہم شروع کر دی جاتی۔ اس کیس کے سلسلے میں مزید حقائق تو امریکی حکام ہی بتا سکیں گے، تاہم مجھے اس سانحہ سے ایک اور امکان ابھرتا دکھائی دے رہا ہے۔

سوویت یونین کی شکست و ریخت سے پہلے مغربی سرمایہ دارانہ نظام کی پروردہ حکومتوں نے بڑی کاری گری کر رکھی تھی۔ جو کچھ کمیونزم ایک عام آدمی کے لئے مانگتا تھا، اور جو عوام کے لئے پرکشش تھا، سرمایہ دارانہ مغربی حکومتوں نے اس سے بھی کچھ زیادہ اپنے عوام کو فلاحی ریاست کے قوانین کے تحت فراہم کر دیا تھا۔ ملازمتوں میں تحفظ اور تنخواہوں میں ایک اعتدال والا فرق پایا جاتا تھا۔ لیکن جیسے ہی سوویت یونین ٹوٹ گیا۔ کمیونزم کا خوف ختم ہوا ویسے ہی مغربی ممالک میں سرمایہ داری کے عفریت نے اپنی اصلیت ظاہر کرنا شروع کر دی۔ فلاحی ریاست کے قوانین میں ترامیم کی جانے لگیں اور تدریجاً عوامی

فلاحی مراعات کم کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا گیا جو تا حال جاری ہے۔ ملازمتوں میں پہلے جو تحفظ ہوتا تھا وہ اب بہت کم رہ گیا ہے۔ کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ تنخواہ کا جو فرق پہلے ہوتا تھا، اس میں اور موجودہ بڑھتے ہوئے فرق میں زمین آسمان جیسا فرق پیدا ہو چکا ہے۔ جنوبی کوریائی طالب علم کی اندھا دھند فائرنگ کے پس منظر میں امریکی دولت مندوں کی پیدا کردہ نئی سماجی تفریق بھی ایک سبب ہے تو پھر امریکہ کو ہی نہیں سارے سرمایہ دارانہ نظام کو کمیونزم کے ایک نئے جنم کا سامنا کرنے کی تیاری کر لینا چاہئے۔ اس بار کمیونزم کسی شکل اور صورت میں آئے خود سرمایہ دارانہ نظام کے محافظ ملکوں میں ہی اس کا جنم ہو سکتا ہے۔ ایسا کوئی ''یومِ حساب'' نہ بھی ہوا تو سرمایہ داروں کو کچھ نہ کچھ حساب کتاب تو پیش کرنا ہی پڑے گا کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد اپنے ہی ملک کے عوام کو جن مراعات سے محروم کیا گیا، اس ظلم کی وجوہات کیا تھیں؟

بمبئی میں اسٹار ٹی وی چینل کے دفتر پر انتہا پسند ہندوؤں نے حملہ کر دیا۔ اطلاعات کے مطابق اسٹار ٹی وی نے دو شادیوں کی خبر نشر کی تھی۔ ایک خبر کے مطابق بھوپال سے بھاگ کر آنے والا لڑکا (عبدالقادر) مسلمان تھا اور لڑکی ہندو تھی۔ دوسری خبر کے مطابق لڑکا (محمد عمر) ویسے تو مسلمان تھا لیکن لڑکی (پرینکا وادھوانی) کی محبت میں اس نے ہندو دھرم کو قبول کر لیا تھا۔ اس کے باوجود دونوں رشتوں کی ان کے گھر والے مخالفت کر رہے تھے۔ خاص طور پر لڑکیوں کے گھر والے۔ جہاں تک اس مسئلہ کے سماجی پہلو کا تعلق ہے، یقیناً تشویشناک اور تکلیف دہ ہے۔ یہ صرف ہندوؤں کا نہیں بلکہ پورے جنوبی ایشیا کے سماج اور تہذیب کا مسئلہ ہے۔ تاہم اس کو فرقہ وارانہ رنگ میں لے کر اشتعال انگیزی کرنا اور ٹی وی چینل کے دفتر پر حملہ کرنا انتہا پسند ہندوؤں کی دہشت گردی ہے۔ معاشرے کی اصلاح یا سماج کے سدھار کے نام پر انڈیا کے انتہا پسند ہندو ہوں یا پاکستان کے انتہا پسند مسلمان ہوں، دونوں کے طور طریقے بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔

قومی اسمبلی میں حکومت کی ملی بھگت کے ساتھ اپوزیشن لیڈر بننے والے اور ایک صوبہ میں قاف لیگ کے اشتراک سے حکومت میں شریک پارٹی کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی تو ملک دوبارہ ٹوٹ جائے گا۔۔۔ ملک کو پہلے بھی فوجی جرنیلوں اور الیکشن میں ناکام رہنے والی بعض مذہبی جماعتوں کی ملی بھگت نے توڑنے کی راہ پر ڈالا تھا۔ اور جب ملک ٹوٹ گیا تھا تو انہیں مولانا فضل الرحمٰن کے والدِ گرامی مولانا مفتی محمود نے فرمایا تھا اور بالکل بجا فرمایا تھا کہ خدا کا شکر ہے

ہمارے بزرگ پاکستان کو بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔سو جو مولوی پاکستان بنانے کے شدید مخالف رہے،مسلم لیگ سے لے کر قائدِ اعظم تک ہر ایک کے لئے انتہائی نازیبا اور اشتعال انگیز زبان بولتے رہے، پاکستان ٹوٹنے پر خدا کا شکر بجالاتے رہے،ان مولویوں کی اولاد کو زیب نہیں دیتا کہ وہ بے نظیر بھٹو کے بارے میں ایسی نامناسب زبان استعمال کریں۔آج آئین میں سترھویں ترمیم کی منظوری کا عذاب ہو یا بےنظیر کا راستہ روکنے کے لئے تیسری بار وزیر اعظم بننے پر روک لگانے کی شق ہو،ان سارے گناہوں کا بوجھ بھی انہیں مولانا کے سر پر ہے جو پیپلز پارٹی کے اقتدار میں آنے سے اتنے خوفزدہ ہو گئے ہیں کہ انہیں ملک ٹوٹتا دکھائی دینے لگا ہے۔

ابھی پاکستان کے دو جلاوطن سابق وزرائے اعظم بےنظیر بھٹو اور میاں نواز شریف کی پاکستان واپسی ہوئی نہیں اور بنگلہ دیش میں دو سابقہ وزرائے اعظم خواتین کو بھی جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔شیخ مجیب الرحمٰن کی صاحبزادی حسینہ شیخ امریکہ کے دورہ پر تھیں اور اسی دوران ان کے خلاف بنگلہ دیش میں قتل کا مقدمہ درج کر کے ان کی واپسی روک دی گئی ہے۔بیگم خالدہ ضیا کے بیٹوں کو گرفتار کر کے ان کے ساتھ سودے بازی یہ کی گئی کہ وہ جلاوطن ہو جائیں تو ان کے بیٹے رہا کر دیئے جائیں گے۔چنانچہ ڈیل کے مطابق بیٹوں کی رہائی کی قیمت پر بیگم خالدہ ضیا اب بنگلہ دیش سے جا رہی ہیں۔یہ شاید سعودی عرب جائیں۔ہندوستان کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جلاوطنی کی حالت میں موت آئی اور وہ حسرت کے ساتھ یہ شعر کہہ گئے۔

کتنا ہے بدنصیب ظفؔر دفن کے لئے　　دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

یہ جلاوطن ہونے والے بھی اصلاً جب کچھ بادشاہ بننے لگتے ہیں تو ان کے ساتھ ایسا رونما ہونے لگتا ہے۔پاکستان کے ہی نہیں بنگلہ دیش کے جلاوطنوں کے لئے بھی دعا ہے کہ خدا انہیں امن وسکون کے ساتھ وطن واپس لائے اور دوبارہ بادشاہ بننے کی خواہش بھی دل میں نہ آنے دے۔صحیح معنوں میں عوام کی خدمت کر سکیں۔۔۔۔۔یہ کالم مکمل ہونے تک آنے والی خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ بیگم خالدہ ضیا کی جلاوطنی کے فیصلہ پر عملدرآمد رک گیا ہے۔اس سے پہلے حسینہ واجد کے وارنٹ گرفتاری معطل ہونے کی خبر آئی تھی۔خدا کرے بنگلہ دیش کا سیاسی جمہوری عمل کسی سازش اور شرارت کے بغیر چلتا رہے۔

سال ۲۰۰۶ء میں پاکستان سے چار لاکھ بتیس ہزار افراد عمرہ کے لئے سعودی عرب گئے تھے۔خبر ہے کہ ان میں سے ۵۸ ہزار پاکستانی سعودی عرب میں چھپ گئے ہیں اور واپس نہیں گئے۔لگتا

ہے یہ ۵۸ ہزار پاکستانی ان نعتوں کے اشعار سن سن کر سرور حاصل کرتے رہے ہیں جن میں مدینے میں جانے اور پھر وہاں سے واپس نہ آنے کا ایمان افروز اور عقیدت مندانہ اظہار ملتا ہے اور اب اسی سرور میں وہ وہاں کھو گئے ہیں۔

پہنچ جائیں بہزؔاد جب ہم مدینے
تو واپس نہ آئیں، یہ جی چاہتا ہے

ہم وہاں جا کے واپس نہیں آئیں گے
ڈھونڈتے ڈھونڈتے لوگ تھک جائیں گے

ابھی تک کی آن ریکارڈ خبروں کے مطابق امریکہ میں دو کیس ایسے ہوئے ہیں کہ کسی عورت نے بیک وقت سات بچوں کو جنم دیا۔سعودی عرب میں بھی ایک کیس ایسا ہو چکا ہے۔اب اس نوعیت کا چوتھا کیس الجزائر میں ہوا ہے۔قوبہ کے پبلک ہسپتال میں ایک خاتون نے بیک وقت سات بچوں کو جنم دیا ہے۔ایک بیٹا اور چھ بیٹیاں ہیں۔خبر کے مطابق بچوں کی ماں کی حالت اچھی ہے۔حالانکہ یہ بتایا جانا چاہئے تھا کہ باپ کی حالت کیسی ہے؟ جس کے سامنے بیک وقت جنت کے چھ دروازے کھل جائیں وہ غریب تو پریشان ہو جائے گا کہ کس دروازے سے جنت میں داخل ہو؟

۲۳/اپریل ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے: ۱۴

چیف جسٹس سپریم کورٹ آف پاکستان کے خلاف دائر ریفرنس کیس حکومت کے لئے سنگین صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ ۵رمئی کو لاہور ہائی کورٹ بار کی دعوت پر ان کا اسلام آباد سے لاہور تک کا جی ٹی روڈ کے رستے ہونے والا سفر پاکستان کی تاریخ کا ایک یادگار سفر بن گیا ہے۔ ۵ گھنٹے کا یہ سفر ۲۵ گھنٹوں میں طے ہوا۔ عوام نے جگہ جگہ چیف جسٹس کا استقبال کر کے ان کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔ لاہور شہر سارا دن اور ساری رات چیف جسٹس کے استقبال کے لئے جاگتا رہا۔ وقت گزرنے کے ساتھ عوام میں تھکن اور اکتاہٹ کی بجائے گرم جوشی پیدا ہوتی گئی۔ ہائی کورٹ کے ۱۷ حاضر سروس اور ۲۰ ریٹائرڈ جج صاحبان نے بھی چیف جسٹس کا استقبال کیا۔ یوں پنجاب کے ججوں کے سابقہ کردار کو کسی حد تک بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ حکومت کے ترجمان اوٹ پٹانگ قسم کے بیانات دے کر اس یادگار سفر کی اہمیت کم کرنے کی کوششِ رائگاں کر رہے ہیں لیکن دو شخصیات کے دو بیانات سے حکومت کی اندرونی حالت کا اور بوکھلاہٹ کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم نے کہا ہے کہ چیف جسٹس کے خلاف ایک اور ریفرنس بھیجا جا سکتا ہے۔ (پہلا ریفرنس بھیج کر ابھی سبق نہیں ملا؟)، جبکہ ریفرنس کے اصل محرک، اسٹیل مل میگا کرپشن کے مرکزی کردار وزیر اعظم شوکت عزیز نے کہا ہے کہ ''آئین میں واضح طور پر ایسے حالات کی نشاندہی کی گئی ہے، جن کی موجودگی میں ملک میں ایمرجنسی نافذ کی جا سکتی ہے'' اور یوں بالواسطہ طور پر ایمرجنسی نافذ کرنے کا پیغام دیا ہے۔

چیف جسٹس کے شاندار استقبال پر مختلف قسم کے موافقانہ اور مخالفانہ تبصرے کئے جا رہے ہیں۔ ایک الزام یہ لگایا جا رہا ہے کہ سیاسی جماعتیں چیف جسٹس کو استعمال کر رہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چیف جسٹس کی حمایت میں قدرت کی طرف سے ایسی ہوا چلی ہے کہ ساری اہم سیاسی جماعتیں ان کی حمایت کرنے پر مجبور ہو گئی ہیں۔ نہ چیف جسٹس کسی کو استعمال کر رہے ہیں اور نہ ہی کوئی سیاسی جماعت انہیں استعمال کر رہی ہے۔ یہ مجموعی طور پر فوجی جبر کے خلاف عوام کی نفرت کا اظہار ہے۔ چیف جسٹس کے ''انکار'' نے جس حیرت انگیز فضا کو جنم دیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبر اور سختی کے باوجود، حتیٰ کہ پی سی او کے تحت جج بننے کے باوجود اگر جج حضرات فوجی جرنیلوں کا ''آلۂ کار'' بننے سے انکار کر دیں تو فوجی

جرنیل ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ جسٹس منیر سے لے کر جسٹس انوار الحق تک سارے جج صاحبان فوجی جرنیلوں کے آلۂ کار بن کر قوم پر مارشل لا کا عذاب مسلط کرنے میں فوجی جرنیلوں کے برابر کے مجرم رہے ہیں۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے لاہور میں اپنے خطاب میں کہا ہے کہ انتظامیہ بنیادی انسانی حقوق کے خلاف قانون سازی نہیں کر سکتی (یہ بڑا اہم قانونی نکتہ ہے)۔ ان کے بقول کسی بھی مہذب معاشرے میں بنیادی انسانی حقوق ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو قومیں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں وہ تباہ ہو جاتی ہیں۔ یہ بڑی بنیادی نوعیت کی باتیں ہیں لیکن کیا پاکستان میں تمام طبقات اور فرقوں اور مذاہب کو واقعتاً بنیادی انسانی حقوق حاصل ہیں؟ کیا مستقبل قریب میں ایسا ہونے کی کوئی امید ہے؟ شاید ابھی پاکستان کو ایک طویل سفر طے کر کے اس منزل تک پہنچنا ہوگا۔ ابھی تو پاکستان مذہبی انتہا پسندوں، جاگیرداروں اور لٹیروں کے گھیرے میں پھنسا ہوا ہے۔

جنرل پرویز مشرف ابھی تک چوہدری شجاعت حسین، پرویز الٰہی، شوکت عزیز، ڈاکٹر سلمان شاہ اور ارباب غلام رحیم جیسے عناصر پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں اور ان کے زوال کا سبب بھی یہی لوگ بنیں گے۔ اگر جنرل پرویز مشرف اپنے اس قماش کے سارے حلیفوں سے نجات پا لیں اور قوم کو بھی ان سے نجات دلا دیں اور پھر ملک میں اصل جمہوری قوتوں کو جمہوری طریقے سے کام کرنے دیں تو شاید ابھی بھی کچھ بچ بچاؤ کی گنجائش بن جائے، ورنہ میں جو بات پہلے کہہ چکا ہوں اسے پھر دہرا رہا ہوں کہ ان کی بے جا ضد بالآخر ایک خونریزی پر منتج ہوگی۔

فوج میں، خفیہ ایجنسیوں میں اور بیوروکریسی میں ضیاع الحقی عنصر بڑی تعداد میں موجود ہے۔ جس خونریز تبدیلی کا خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اگر ایسا ہوا تو اس کے بھی دو آپشن دکھائی دیتے ہیں۔ ایک امکان یہ ہے کہ فوج میں سے سیدھا سادہ روشن خیال طبقہ آگے آئے گا اور اپنی راہ کی رکاوٹ والے انتہا پسندوں کا بڑے پیمانے پر قلع قمع کرے گا۔ دوسرا امکان یہ ہے کہ امریکہ خود چاہے کہ پاکستانی فوج کا مولوی قسم کا طبقہ پوری طرح برسر اقتدار آ جائے۔ اس طرح پاکستان میں مولویوں کو مزید طاقتور دکھایا جائے۔ اس کے بعد بہانہ ساز امریکہ کے لئے پاکستان کو نشانہ بنانے کا بڑا بہانہ مل جائے گا کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثے انتہا پسندوں کے ہاتھ میں آ گئے ہیں اس لئے دنیا کی سلامتی کے لئے امریکہ کے لئے مداخلت کرنا ناگزیر ہو گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ یہ محض ہوائی یا ڈرانے والی باتیں نہیں ہیں بلکہ جنرل پرویز مشرف کی بے جا ضد بازی پوری قوم اور ملک کو انہیں امکانات کی طرف لے جا رہی ہے۔ بہتر ہوگا کہ جنرل پرویز مشرف

ایسی نوبت نہ آنے دیں۔اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قاف لیگ اور دوسرے سیاسی لوٹوں سے نہ صرف الگ ہوں بلکہ ان سب کی لوٹ مار اور دوسرے جرائم کی فائلیں کھولیں،اصل جمہوری قوتوں کو کسی رخنہ کے بغیر جمہوری عمل کا حصہ بننے دیں،اور چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس کا باعزت حل نکال کر مزید خرابیوں سے بچیں۔

ابھی تک مجھے حسنِ ظن تھا کہ متحدہ قومی موومنٹ حکومت کا حصہ ہونے کے باوجود اصولی موقف میں برملا اختلاف کرنے کی جرات رکھتی ہے۔حکومت کا حصہ ہوکر بھی اپنے اصولوں پر قائم ہے۔لیکن عدلیہ کے حالیہ بحران پر ایم کیو ایم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے،اس سے ایسا لگا کہ ایم کیو ایم پرویز بھائی کی حمایت میں وہی کچھ اور ویسا کچھ کر رہی ہے جیسا چوہدری برادران پنجاب میں کر رہے ہیں۔۵رمئی کو جیو ٹی وی،اے آر وائی اور آج ٹی وی کی نشریات کو سندھ میں صرف اس لئے جام کرا دیا گیا کہ یہ چینلز چیف جسٹس کے اسلام آباد سے لاہور کی طرف سفر کی کوریج کر رہے تھے۔گلہ یہ سامنے آیا کہ ہماری کراچی کی حکومتی حمایت والی ریلی کی کوریج نہیں کی جا رہی تھی،اور چیف جسٹس کے سفر کو اہمیت دی جا رہی تھی۔اس گلہ کے ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ ہم نے نہ تو کیبل آپریٹرز کو مجبور کیا تھا،نہ ہی نشریات بند کرائی تھیں۔یہ از خود کوئی عوامی دباؤ قسم کی چیز تھی۔سبحان اللہ!۔۔۔اس اقدام سے ایسا لگنے لگا ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ پھر سے ایک لسانی تنظیم مہاجر قومی موومنٹ بن رہی ہے۔یعنی ایجنسیوں کی تائید وحمایت کے ساتھ خوف اور دہشت کی فضا پیدا کرنے والے اقدامات کرنے لگی ہے۔لیکن اتنے عرصہ میں حالات میں بڑی بنیادی تبدیلیاں آ چکی ہیں،اب ویسے اقدامات میڈیا پر فوراً سامنے آ جائیں گے۔اس لئے مناسب ہوگا کہ ایم کیو ایم اپنا مہاجر قومی موومنٹ والا انداز چھوڑ کر واقعتاً متحدہ قومی موومنٹ والا انداز ہی اپنائے رکھے۔

اب ایم کیو ایم کی جانب سے ۱۲رمئی کو کراچی میں مشرف حمایت کی ایسی ریلی نکالنے کا اعلان کیا گیا ہے جس میں عدالتی بحران کو سیاسی رنگ دینے کی مخالفت کی جائے گی۔بے شک انہیں سیاسی طور پر ایسی ریلی نکالنے کا حق حاصل ہے لیکن عین اس تاریخ کو ریلی نکالنا جب چیف جسٹس کراچی آئیں گے،اس سے پھر ایم کیو ایم اور گجرات کے چوہدریوں میں مشابہت گہری ہو رہی ہے۔کیونکہ گجرات کے چوہدریوں نے بھی اسی دن لاہور میں ریلی نکالی تھی جس دن چیف جسٹس لاہور پہنچ رہے تھے۔

۵رمئی کو جب چیف جسٹس لاہور کی طرف رواں دواں تھے تو وفاقی وزیر قانون وصی ظفر دل کے چیک اپ کے لئے ہسپتال میں داخل ہو گئے تھے۔۷رمئی کو ڈیفنس منسٹر راؤ اسکندر اقبال دل کے

عارضہ کے باعث ہسپتال میں داخل ہو گئے،ان کی حالت تشویشناک بتائی گئی ہے۔

۷رمئی کو ہی سپریم کورٹ آف پاکستان کے لارجر بنچ نے چیف جوڈیشل کونسل کو چیف جسٹس کے خلاف ریفرینس کی سماعت سے روک دیا ہے اور ساتھ ہی فل کورٹ کو کیس ریفر کر دیا ہے۔اس فل کورٹ میں جوڈیشل کونسل میں شامل ججوں میں سے کوئی بھی شامل نہیں ہوگا۔اس فیصلے کو کئی جہات سے دیکھا جا سکتا ہے تاہم توقع ہے کہ اس کے نتیجہ میں جنرل پرویز مشرف کو کسی حد تک محفوظ راستہ دے دیا جائے گا،اور چیف جسٹس کے خلاف شوکت عزیز کی طرف سے بھیجے گئے ریفرینس کا وہی حشر ہوگا جو شوکت عزیز کی طرف سے اسٹیل مل کی نجکاری کی اسکیم کا ہوا تھا۔

۵رمئی کو جنرل پرویز مشرف نے سندھ کے گاؤں نوکوٹ میں ایک جلسۂ عام سے خطاب کیا۔اس جلسہ کا انتظام وزیر اعلیٰ سندھ ارباب غلام رحیم نے کیا تھا۔یہ مقام موصوف کا انتخابی حلقہ بھی کہا جاتا ہے۔چیف جسٹس کا عوام نے جو والہانہ استقبال کیا،وہ تو جنرل پرویز مشرف کو کبھی نصیب نہیں ہو سکتا،تاہم زبردستی پکڑ دھکڑ کر کے لائے گئے عوام سے جنرل پرویز مشرف کے خطاب کی تقریب میں ایک ہی کام کی بات ہوئی۔تمام تر خوشامد اور دریوزہ گری کے باوجود ارباب غلام رحیم کے منہ سے ایک پرانی حکایت بیان ہو گئی۔آج کے سچ پر مبنی وہ حکایت کچھ یوں ہے:

''ایک بادشاہ راستہ بھول گیا۔رستہ تلاش کرتا ہوا ایک باغ میں جا پہنچا۔وہاں پیاس کی شدت کی وجہ سے باغ کے مالی سے پانی مانگا۔مالی نے اسے کوئی عام مسافر سمجھتے ہوئے ایک انار توڑا اور اس کا رس نکالا تو پورا گلاس لبالب بھر گیا۔ایک انار سے گلاس کو بھرتا دیکھ کر بادشاہ کے دل میں خیال آیا کہ اس سے تو خاصی آمدنی ہو سکتی ہے۔اس پر ٹیکس لگانا چاہئے۔اس خیال کے ساتھ ہی اس نے پہلا گلاس پی کر ایک اور گلاس طلب کیا۔مالی نے پھر ایک انار توڑا اور اب جو رس نکالا تو بمشکل آدھا گلاس بھر سکا۔یہ دیکھ کر بادشاہ حیران ہوا اور مالی سے پوچھا کہ اس بار یہ گلاس آدھا کیوں بھرا ہے؟اس پر مالی نے کہا لگتا ہے ہمارے بادشاہ کے دل میں کھوٹ آ گیا ہے،جس کی وجہ سے برکت ختم ہو گئی ہے۔''

ارباب غلام رحیم کو اپنے دورِ اقتدار میں دوسرا سچ بولنے پر مبارکباد!۔۔۔پہلا سچ انہوں نے تب بولا تھا جب کہا تھا کہ آصف زرداری کو جان بوجھ کر چھوڑا گیا ہے۔عدالتی ضمانتوں کی وجہ سے رہا نہیں کیا گیا۔اگر گرفتار رکھنا چاہتے تو ان پر بکری چوری کا کوئی کیس بنا کر انہیں اندر ہی رہنے دیتے۔ان کا پہلا سچ بھی حکومت کی ''گڈ گورنینس'' کا منہ بولتا ثبوت تھا اور اب یہ حکایت بیان کر کے انہوں نے عارفانہ

انداز میں ''گڈ گورننس'' کی حقیقت بیان کر دی ہے۔اگر وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر اعظم سلمان شاہ وہاں موجود ہوتے تو جلسہ گاہ میں اس حکایت کا پوری طرح تجزیہ کر کے قوم کو نوید سناتے کہ بادشاہ کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔مالی اپوزیشن کے ہاتھوں میں کھیل رہا ہے۔پھر اعداد وشمار کی زبان میں بتاتے کہ پہلے انار میں دانوں کی شرح ۹۶ فی صد تھی،جس کی وجہ سے گلاس لبالب بھر گیا۔جبکہ دوسرے انار میں دانوں کی شرح ۳۳ فی صد تھی۔اس لحاظ سے دوسرا گلاس آدھا بھر جانا،دراصل پہلے انار کے مقابلہ میں دوسرے انار کے اندر تقریباً ۷۱ فی صد زیادہ رس موجود ہونے کا ثبوت ہے۔اس لئے بادشاہ کی نیت میں کھوٹ کا الزام اپوزیشن کی سازش ہے،اور اپوزیشن نے اس سازش کے لئے مالی کو استعمال کیا ہے۔بادشاہ سلامت نے اضافی ٹیکس کا جو سوچا ہے وہ بالکل بجا ہے۔اس سے قومی خزانے میں اضافہ ہو گا،اور پہلے سے بھرا ہوا خزانہ مزید بھر جائے گا،اس طرح ہماری ٹریکل ڈاؤن اسکیم جلد شروع ہو سکے گی اور حکومت کی کامیاب اقتصادی پالیسیوں کے نتائج عوام تک پہنچنا شروع ہو جائیں گے۔اس سے جی ڈی پی کی شرح میں مزید بہتری ہو گی۔اسٹاک مارکیٹ مستحکم ہو گی۔اگر اپوزیشن اضافی ٹیکس کی مخالفت کے لئے مالی کو استعمال کرتی رہی تو پھر حکومت کے پاس اس باغ کی نجکاری کے علاوہ کوئی رستہ باقی نہ رہے گا۔اگر نجکاری کی گئی تو اس کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا جائے گا جو اسٹیل مل کی نجکاری کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔اس سلسلہ میں چوہدری شجاعت حسین کی خدمات بھی حاصل کی جا سکتی ہیں تاکہ اس باغ کی نجکاری کا انجام اسٹیل مل کی نجکاری والا نہ ہو سکے۔آخر انسان حالات سے کچھ نہ کچھ تو سیکھتا ہی ہے۔

خبر براہِ راست نہیں ہے اس لئے اس کے راست ہونے میں شک کی گنجائش ہے۔تاہم جنرل ضیاع الحق کے صاحبزادے اور مذہبی امور کے وزیر اعجاز الحق نے بیان دیا ہے کہ امام کعبہ نے ان سے ملاقات کے دوران جامعہ حفصہ اور لال مسجد والوں کے طور طریقوں پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے انہیں غیر اسلامی قرار دیا ہے اور صاف کہا ہے کہ کسی سرکاری یا غیر سرکاری جگہ پر غیر قانونی طریقے سے مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں ہے۔پاکستان میں سعودی عرب کے حکمرانوں کے مسلک سے قریب تر مکتبِ فکر والے جامعہ حفصہ کے طور طریقوں پر امامِ کعبہ کی رائے خود انہیں لوگوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ویسے امامِ کعبہ نے وہی باتیں نرم،ملائم اور ڈھکے چھپے لفظوں میں کہی ہیں جو اس سے پہلے ایم کیو ایم کے الطاف بھائی نے زیادہ کھل کر کہی ہیں۔ان باتوں کا مذکورہ اداروں کے مولویوں پر خاک اثر ہو گا،ابھی تو حکومت پر بھی ان باتوں کا اثر نہیں ہوا۔چنانچہ پاکستان میں کرپشن کے میگا اسکینڈل میں ملوث وزیر اعظم شوکت عزیز نے

اسلام آباد میں چوہدری شجاعت حسین کے مولویوں سے مذاکرات کا احوال جاننے کے بعد اسلام آباد کی ایک کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہمیں دینی مدارس پر فخر ہے۔پاکستانی دینی مدارس میں کوئی دہشت گرد تربیت نہیں دی جا رہی،اور ہمیں مدارس کے بارے میں کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔خدا کرے شوکت عزیز کی ساری باتیں سچ ثابت ہو جائیں،کیونکہ ان کی تردید تو خود دوسرے معتبر سرکاری ذرائع سے ہوتی رہتی ہے۔

چوہدری شجاعت حسین عام طور پر رات کو لال مسجد یا جامعہ حفصہ جاتے ہیں،رات بھر وہاں ان کے مذاکرات جاری رہتے ہیں اور اگلے دن فجر کی نماز پڑھ کر وہ وہاں سے واپس آتے ہیں۔رات بھر کے ان مذاکرات میں قوم کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے اس لئے حکومت اور جامعہ حفصہ والوں کے مذاکرات کو 'مذاق رات' کہنا برمحل ہو گا۔ایسے 'مذاق رات' کے نتیجہ میں وزیر اعظم شوکت عزیز نے جس طرح دہشت گردی کے کھلے گڑھ پر فخر کا اظہار کیا ہے اس کے ردِ عمل میں متحدہ قومی موومنٹ کے قائد الطاف بھائی نے کھل کر اظہار خیال کیا ہے۔الطاف بھائی کے بقول:

''وزیر داخلہ پر حملہ لال مسجد،جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ والے انہی مذہبی انتہا پسندوں نے کرایا،جنہوں نے چند روز پیشتر ملک بھر میں خود کش حملوں کی دھمکی تھی۔انہوں نے کہا کہ کھلے عام خود کش حملوں کی دھمکی دینے والوں کے خلاف قانونی ایکشن لینا چاہئے تھا لیکن حکمراں جماعت کے سربراہان انہیں معصوم اور فرشتے بنا کر پیش کر رہے ہیں اور ان مذہبی انتہا پسندوں کو سپورٹ کر رہے ہیں۔''

سپریم کورٹ کے جج جسٹس فلک شیر نے ایک مقدمہ میں ریمارکس دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''سلیکشن بورڈ کا کام وزیر اعظم نے کرنا ہے تو پبلک سروس کمیشن کو ختم کر دینا چاہئے'' وزیر اعظم شوکت عزیز اسٹیل مل اور اسٹاک مارکیٹ کریش میگا کرپشن اسکینڈلز کے مرکزی کردار ہیں اور ان کے دامن سے اور بھی کئی اقتصادی چھومنتر قسم کے اسکینڈل وابستہ ہیں۔ان کی کرپشن کا ایک اور زاویہ سپریم کورٹ کے ایک جج کے مذکورہ ریمارکس سے بھی ظاہر ہو رہا ہے۔ان کی طرف سے بھیجا جانے والا چیف جسٹس آف سپریم کورٹ کے خلاف ریفرنس ان کے مذکورہ اسکینڈلز کے حوالے سے عدالتی ریمارکس اور فیصلوں کا شاخسانہ رہا ہے۔انہیں چاہئے کہ اب جسٹس فلک شیر کے خلاف بھی ایک ریفرنس بھیج دیں۔

گزشتہ کالم کے حوالے سے ایک خاص ای میل ۲۷ را پریل کو آئی تھی،وہ میل اور جوابی ای میل من وعن پیش ہے:

m_sarwar135@yahoo.com

موصولہ میل: آپ کا کالم'' ادھر ادھر سے'' پڑھا، بہت اچھا تھا،مزہ بھی بہت آیا لیکن اسلامی مدارس کے بارے میں آپ کے خیالات کچھ اچھے نہ ہیں۔مانا کہ کچھ مولوی پاکستان بنانے کے مخالف تھے،خاص کر مفتی محمود،لال مسجد والے بھی وہی لوگ ہیں۔حدیث پاک ہے کہ برائی کو سختی سے روکو۔اگر ایسا نہ کر سکو تو زبان سے روکو۔اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو دل سے برا جانو۔سختی کرنا حکومت کا کام ہے،نہ کرے تو اس کا گناہ صاحبِ اختیار پر ہوگا۔زبان سے روکنا علماء کا کام ہے۔دل سے برا جانے عوام کے لئے ہے۔اس لیے لال مسجد والوں کا مطالبہ یوں ٹھیک ہے لیکن طریقہ غلط ہے۔

میری جوابی میل: آپ کے کمنٹس کے لئے آپ کا شکریہ۔میں آپ کی رائے اور خیالات کا احترام کرتا ہوں۔پاکستان کی مجموعی فضا بہتر بنانے کے لئے ایک دوسرے کی رائے کا احترام کرنا اور ایک دوسرے کو خوشدلی کے ساتھ برداشت کرنا ضروری ہے۔ورنہ ہم لوگ واقعتاً دوسرا افغانستان بن جائیں گے۔آپ نے حدیث لکھی ہے،اس کی تشریح میں اختلاف ہیں،لیکن قرآن شریف میں تو خود سرکارِ دوعالم (ﷺ) کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ ہم نے آپ کو داروغہ نہیں مقرر کیا ہے۔آپ کا کام پیغام پہنچا دینا ہے اور اتنا کافی ہے۔بہر حال تشریح کے اختلاف کے ہوتے ہوئے اس طرح ڈنڈا اور بندوق اٹھا لینا پاکستان کے لئے انتہائی خطرناک نتائج کا حامل ہے۔امید ہے مکالمہ کی گنجائش رہے گی۔

۸/مئی ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۱۵

۱۲/مئی...یومِ سیاہ

۱۲/مئی کو کراچی میں جو خونریزی کی گئی،کرائی گئی،اس کی ذمہ داری مکمل طور پر جنرل پرویز مشرف،ان کی خفیہ ایجنسیوں،ایم کیو ایم اور وزیر اعلیٰ سندھ پر عائد ہوتی ہے۔یہ سب اس قتل و غارت کے ذمہ دار ہی نہیں مجرم بھی ہیں۔ایسا سانحہ جو پاکستان کی تاریخ میں ایک اور یوم سیاہ بن گیا ہے۔کل تک گہرے دکھ کی کیفیت نے حد سے زیادہ جذباتی کر رکھا تھا،تاہم اب میں اس پوزیشن میں ہوں کہ جذبات پر قابو رکھتے ہوئے کل کے سانحہ کا حالات و واقعات کے تناظر میں سنجیدگی کے ساتھ تجزیہ کر سکوں۔

چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چوہدری نے کراچی بار کی دعوت پر کراچی میں ہونے والی تقریب میں شرکت کرنا تھی۔اس سے قبل چیف جسٹس اندرون سندھ کے دو شہروں میں وکلا کی دعوت پر جا چکے تھے اور وہاں ان کا والہانہ استقبال کیا گیا تھا۔عدالتوں کے حاضر سروس ججوں نے ان کے استقبال کی ابتدا اندرون سندھ کے دوروں سے ہی شروع کی تھی۔اس کے بعد چیف جسٹس پشاور اور جڑواں شہروں کی بار سے بھی خطاب کر چکے ہیں اور ہر جگہ ان کا جس طرح والہانہ استقبال ہوا،اس سے یہ امید قائم ہونے لگی تھی کہ اعلیٰ عدلیہ اپنے ماضی کے ریکارڈ کے برعکس اب واقعتاً قانون اور آئین کی بالا دستی کے لئے جرات کا مظاہرہ کرنے لگی ہے۔اس حوالے سے بینچ اور بار کے درمیان ایسی زبردست ہم آہنگی پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار دیکھنے میں آئی۔جنرل پرویز مشرف نے جس جرنیلی طریقے سے چیف جسٹس کو رخصت کرنا چاہا تھا،ان کی وہ خواہش پوری نہ ہوئی بلکہ ان کے لئے خفت کا موجب بن گئی۔چیف جسٹس کے اسلام آباد سے لاہور کے سفر نے جنرل پرویز مشرف کی کمانڈو سیاست کو بھی ہلا دیا۔اور معاملہ خفت سے کچھ آگے بلکہ کافی آگے چلا گیا۔

چیف جسٹس کو کراچی کے وکلا کی طرف سے ۲۳/مارچ کو مدعو کیا جا رہا تھا لیکن ان کے خلاف ریفرینس آ جانے اور اس سے پیدا شدہ بحران کے نتیجہ میں پھر انہیں ۱۲/مئی کو مدعو کیا گیا۔یہ پروگرام پہلے طے ہوا اور میڈیا میں اس کی خبریں بہت پہلے سے آ گئی تھیں۔لیکن اسلام آباد سے لاہور تک چیف جسٹس کے فقید المثال استقبال کے بعد جنرل پرویز مشرف نے اس معاملہ کو دل پر کچھ زیادہ ہی لے لیا۔چنانچہ

جنرل پرویز مشرف نے پرویز مشرف بھائی کی حیثیت سے الطاف بھائی سے مدد طلب کی۔ بھائی، بھائی کے کام آیا۔الطاف بھائی نے پرویز مشرف بھائی کی مدد کے لئے اسی بارہ مئی کو کراچی میں اپنی طاقت کے مظاہرہ کے لئے ریلیوں کے انعقاد کا اعلان کر دیا۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ چیف جسٹس کا پروگرام پہلے سے اعلان شدہ تھا۔ایم کیو ایم کا پروگرام بعد میں اسی تاریخ اور انہی روٹس کے مطابق بنوایا گیا جو چیف جسٹس کے لئے پہلے سے بتایا جا چکا تھا۔یوں بے شک الطاف بھائی، پرویز مشرف بھائی کے کام آئے تاہم اس بھائی چارے میں کراچی کو قتل گاہ بنا دیا گیا۔

اب حالات و واقعات کو ایک اور رُخ سے دیکھتے ہیں۔۱۲ مئی سے پہلے ۹ مئی کو چیف جسٹس کے وکیل منیر اے ملک کے دفتر کو سرکاری طور پر سیل کیا گیا۔ یہ کھلم کھلا ایسی زیادتی تھی جو ارباب غلام رحیم اور ایم کیو ایم کے ذہنی ملاپ سے ہی ہو سکتی تھی۔لیکن قانونی طریقے سے یہ سیل تڑوائی گئی اور یہ ’’قانون کی آڑ لے کر کی جانے والی‘‘ چیرہ دستی کامیاب نہ ہوئی تو ۹ مئی سے ۱۰ مئی کی درمیانی رات منیر اے ملک کے گھر پر اندھا دھند فائرنگ کی گئی۔یہ فائرنگ خالصتاً اسی اسٹائل کی تھی جو ماضی میں ایم کیو ایم کا وطیرہ رہی ہے۔سندھ حکومت کے سیکریٹری داخلہ جو بریگیڈیئر بھی ہیں، ان کی طرف سے چیف جسٹس کو خط لکھا گیا کہ یہاں کے حالات خراب ہیں اس لئے آپ کراچی کا دورہ ملتوی کر دیں۔یعنی بجائے سرکاری پارٹی ایم کیو ایم کو روکنے کے، الٹا چیف جسٹس اور وکلاء پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ اپنا پروگرام ملتوی کر دیں۔بارہ مئی سے پہلے ہی اپوزیشن کے کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں شروع کر دی گئیں۔اور رات گئے ائر پورٹ جانے والے تمام راستے رکاوٹیں کھڑی کر کے بند کر دیئے گئے۔یوں آنے اور جانے کے لئے صرف ہیلی کاپٹر کو استعمال کیا گیا۔

بارہ مئی کو اپوزیشن نے پر امن ریلی شروع کی تھی اور اس کا کسی تصادم کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ کیونکہ چیف جسٹس کا استقبال اپوزیشن کی ترجیح تھی۔ایم کیو ایم کی ریلیاں گیارہ اور بارہ مئی کی درمیانی رات سے نکلنا شروع ہوئیں اور اس دوران کہیں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔دن کے پہلے حصہ میں بھی کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔بس جیسے ہی دوپہر بارہ بجے کے قریب چیف جسٹس کا طیارہ کراچی ائر پورٹ پر اترا۔اس کے معاً بعد ائر پورٹ کے اردگرد کے علاقوں میں اپوزیشن کی ریلیوں پر براہ راست فائرنگ شروع کر دی گئی، گاڑیوں اور پٹرول پمپوں کو آگ لگانا شروع کر دی گئی۔ان سڑکوں پر فائرنگ اور آتش زنی کا ایک ہی مقصد تھا کہ ائر پورٹ کے رستے بلاک کرنے کے باوجود ایسی فضا بنا دی جائے کہ نہ کوئی چیف جسٹس کو لینے کے لئے جا

سکے اور نہ چیف جسٹس ائر پورٹ سے باہر نکل سکیں۔صرف اس مقصد کے لئے اپوزیشن کی ریلی کے ساتھ آگ اور خون کی ہولی کھیلی گئی۔مزید حفاظتی اقدام کے طور پر سیکریٹری داخلہ سندھ اور پولیس کے سربراہ دونوں صبح چیف جسٹس کی آمد سے لے کر ساڑھے چار بجے تک ائر پورٹ پر اس وی آئی پی لاؤنج کے باہر موجود رہے جہاں چیف جسٹس اپنے وکلا ساتھیوں کے ساتھ میزبانوں کا انتظار کر رہے تھے۔حالانکہ ان دونوں شخصیات کی اصل ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ائر پورٹ کے اردگرد سڑکوں پر ہونے والی خونریزی کو روکیں، لیکن چونکہ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہو رہا تھا، طے شدہ پروگرام کے مطابق کرایا جا رہا تھا، اس لئے لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کو سنبھالنے کے ذمہ دار دونوں سرکاری افسران اپنی اصل ڈیوٹی کرنے کی بجائے چیف جسٹس کو ایک طرح سے حصار میں لئے موجود رہے۔

ایک طرف ائر پورٹ کے آس پاس کے علاقے میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی تھی دوسری طرف اس دہشت گردی کو ان علاقوں تک پھیلایا جا رہا تھا جو معروف معنوں میں ’’غیر مہاجر‘‘ علاقے کہلاتے ہیں۔گویا متحدہ قومی موومنٹ پھر سے مہاجر قومی موومنٹ کے روپ میں آ رہی تھی۔’’غیر مہاجر علاقوں‘‘ کو میدانِ جنگ بنانے میں یہ حکمت عملی تھی کہ اندھا دھند فائرنگ اور غارت گری کے نتیجہ میں اس علاقے کے باسیوں کا ہی زیادہ سے زیادہ نقصان ہوگا۔نتیجہ بھی یہی نکلا۔اب تک جتنی ہلاکتیں سامنے آ چکی ہیں ان میں دو تہائی ہلاکتیں اپوزیشن والوں کی ہوئی ہیں۔

سندھ حکومت کے مشیر داخلہ ایم کیو ایم کے اپنے بندے تھے۔ویسے ارباب غلام رحیم بھی اس سازش میں پوری طرح ملوث ہیں۔پہلے سے تصادم کا خطرہ موجود تھا تو حفاظتی انتظام بھی ہونا چاہئیں تھے۔لیکن بارہ بجے سے لے کر شام سات بجے تک ایم کیو ایم کے غنڈوں کو وحشت و بربریت کا کھیل کھیلنے کے لئے فری ہینڈ دے دیا گیا۔کہیں پر نہ کوئی پولیس دکھائی دے رہی تھی، نہ کوئی رینجرز کے حفاظتی دستے سامنے آ رہے تھے۔اس دوران اپوزیشن کی ریلی کو تتر بتر کرنے کے بعد ایسے کام کئے گئے جو ماضی میں ایم کیو ایم کے مزاج کا حصہ رہے ہیں۔مثلاً سب جانتے ہیں کہ عبدالستار ایدھی کے معاملہ میں ایم کیو ایم کا کیا رویہ رہا ہے۔ایک زمانہ میں تو ایدھی صاحب کراچی سے باہر چلے گئے تھے۔اس بار ان کی ایک ایمبولینس میں ڈالے گئے دو زخمیوں کو ہلاک کرنے کے ساتھ ایمبولینس کے ڈرائیور کو بھی ہلاک کر دیا گیا۔جناح ہسپتال جہاں بہت ساری لاشیں اور زخمی لے جائے جا رہے تھے، وہاں ہسپتال کے اندر جا کر بھی فائرنگ کی گئی۔اے آر وائی ٹرسٹ ہسپتال پر فائرنگ کی گئی۔آج ٹی وی کے دفتر پر مسلسل فائرنگ کی گئی اور کئی گھنٹے تک دفتر

کا محاصرہ بھی کئے رکھا گیا۔۵؍مئی کو سندھ بھر میں جیو ٹی وی، اے آر وائی چینل اور آج ٹی وی کی نشریات بند کرانے کا سہرا پہلے ہی ایم کیو ایم کے سر ہے،اسی تسلسل میں آج ٹی وی کے ساتھ ہونے والی دہشت گردی کو دیکھا جائے تو ایم کیو ایم کے کارکنوں کی اعلیٰ کارکردگی کھل کر سامنے آجاتی ہے۔

ایک طرف یہ سب قتل و غارت گری ہو رہی تھی، دوسری طرف تبت سنٹر پر ایم کیو ایم کی ریلیاں پُر امن طور پر پہنچ رہی تھیں۔دو جمع دو چار کی طرح بہت ہی سیدھی سی بات ہے اگر اپوزیشن نے ایم کیو ایم کے ساتھ الجھاؤ چاہا ہوتا تو انہوں نے تبت سنٹر پر توجہ مرکوز کی ہوتی۔ وہاں پر ایک دو دھماکے کرادینا کم از کم 'برادرانِ اسلام' کے لئے تو کوئی مشکل کام نہ تھا۔ایم کیو ایم کا سارا جلسہ ہی اکھڑ جاتا،لیکن یہ حقیقت ہے کہ اپوزیشن صرف چیف جسٹس کا استقبال کرنا چاہتی تھی۔ایم کیو ایم نے وحشیانہ طور پر اس استقبال کو سبوتاژ کرنے کے لئے جنرل پرویز مشرف کی دلجوئی کی ہے اور خفیہ ایجنسیوں کی فرمانبرداری کا ثبوت دیا ہے۔

یہاں ایک ضمنی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔میری ذاتی رائے یہ ہے کہ مہاجر قومی موومنٹ کے قیام میں جنرل ضیاع الحق کے دور کی خفیہ ایجنسیوں کا عمل دخل رہا ہے۔اسی لئے ایجنسیوں نے اس لسانی تنظیم کو اپنے مقاصد کے لئے جی بھر کر استعمال کیا۔ تاہم ایک مرحلہ ایسا آیا جب اس کے قائد اور دوسرے رہنماؤں نے طے کیا کہ خفیہ والوں کے لئے اب کوئی خطرناک کھیل نہیں کھیلنا۔تب ان لوگوں نے صرف سیاسی کردار ادا کرنا چاہا اور اپنی جماعت کی مقبولیت کے صرف مثبت رُخ کی طرف توجہ کرنا چاہی۔میں ان مثبت پہلوؤں کا معترف ہوں جن میں جاگیرداروں اور وڈیروں کی مخالفت، مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف مزاحمت، نچلے اور متوسط طبقے کے عوام کو اوپر لانا وغیرہ شامل ہیں۔میرا ذاتی تجزیہ یہ ہے کہ جب ایم کیو ایم کی قیادت نے خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے سے انکار کر دیا تو ان ایجنسیوں نے ان کی پرانی فائلیں کھولنا شروع کر دیں۔جس کے نتیجہ میں الطاف حسین کو لندن آنا پڑا۔ یہاں آ کر انہوں نے لسانی تنظیم کے کلاوے سے نجات حاصل کرنے کے لئے مہاجر قومی موومنٹ کو متحدہ قومی موومنٹ بنایا۔تب سے اب تک ان کی سیاست میں وہ ساری خوبیاں بھی تھیں جو دوسری سیاسی جماعتوں سے منسوب کی جا سکتی ہیں اور وہ سارے عیب بھی تھے جو مجموعی طور پر ہماری سیاست کا مزاج بن چکے ہیں۔تاہم ان کے کردار کا یہ رخ واضح لگتا تھا کہ وہ اب خفیہ ایجنسیوں کا آلۂ کار نہیں بنیں گے۔ابھی تک حکومت میں شراکت کی قیمت کے طور پر جو معاملات طے ہوئے تھے وہ بھی کوئی بہت زیادہ قابلِ اعتراض

نہ تھے۔لیکن اب ۱۲؍مئی کے قتل و غارت اور خون خرابے کے بعد ایم کیو ایم متحدہ قومی موومنٹ کی بجائے پھر سے مہاجر قومی موومنٹ بن گئی ہے۔ یہ سب کچھ صرف پرویز مشرف بھائی کی محبت میں کیا گیا ہے یا پھر سے ایجنسیوں کی خدمات بجالانے کا ثبوت دیا گیا ہے، دونوں صورتیں ہی افسوسناک ہیں۔جن کا حتمی نقصان بالآخر ایم کیو ایم ہی کو ہوگا۔

قانون نافذ کرنے والے اداروں کی مکمل ذمہ داری اپنے ہاتھ میں ہونے کے باوجود اور کراچی میں خود ہی قتل و غارت کرانے کے باوجود، ایم کیو ایم کے وزیروں اور مشیروں سے لے کر قائد تک سب لوگ انتہائی مکاری کے ساتھ اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے رہے۔اور حیرت انگیز طور پر سب کی تان چیف جسٹس کے خلاف زہر اگلنے پر آ کر ٹوٹتی رہی۔گورنر سندھ عشرت العباد، پارٹی کے مرکزی رہنما فاروق ستار، وزیر و مشیران بابر غوری، وسیم اختر اور رکن اسمبلی حیدر عباس رضوی، سب نے انتہائی وحشیانہ طور پر چیف جسٹس کے خلاف زہر اگلا اور ساتھ ہی عدلیہ کی آزادی کے اعلان بھی کرتے رہے۔الطاف حسین نے اپنی تقریر میں یہ تک کہہ دیا کہ چونکہ چیف جسٹس نے پی سی او کے تحت حلف اٹھایا تھا،اس لئے قوم سے معافی مانگیں، پھر چیف جسٹس کے عہدہ سے استعفیٰ دیں۔اس کے بعد ایم کیو ایم ان کی حمایت کرے گی۔

جہاں تک پی سی او کے تحت حلف اُٹھانے پر اعتراض کی بات ہے تو پہلی بات یہ کہ پہلے تو اس کی مزاحمت کی جائے جو پی سی او کے تحت حلف اٹھوانے کا حکم صادر کرتا ہے۔دوسری بات یہ کہ اگر کوئی پی سی او کے تحت حلف اُٹھا کر بھی اسی قانون اور اسی آئین کے دائرے میں رہ کر جرنیلی حکم کو ٹھکرادیتا ہے اور جنرل مشرف کو اپنے سترھویں ترمیم والے آئین اور قانون کے مطابق چلنے کا کہتا ہے تو اس جرات پر تو چیف جسٹس کا ساتھ دینا چاہئے تھا۔سترھویں ترمیم کی حمایت کرنے والوں،اسی ترمیم کے تحت پی سی او کے حلف کا حکم دینے والے کی حمایت کرنے والوں، اور اسی سترھویں ترمیم کے بعد کے آئین کے تحت حکومت میں شامل ہونے والوں کو یہ کہتے ہوئے شرم آنی چاہئے تھی کہ چیف جسٹس پی سی او کے تحت حلف اٹھانے کی وجہ سے قوم سے معافی مانگیں۔ چیف جسٹس کی آنکھ کے تنکے پر معترض ہونے والوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر کیوں نہیں دکھائی دے رہا؟ چیف جسٹس کا حلف اسی قانون کے تحت ہوا تھا جس کی منظوری کے جرم میں الطاف حسین کی جماعت بھی پوری طرح شریک تھی۔

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے اپنے زمانے کے لمبی لمبی آیتیں پڑھ کر تقریریں کرنے والے رہنماؤں کو کہا

تھا: ''تم مچھروں کو تو چھانتے ہو مگر اونٹوں کو نگل جاتے ہو''۔ تو جناب الطاف حسین آپ بھی سترھویں ترمیم کی منظوری میں حکومت کے ساتھ، باوردی جمہوریت میں حکومت کے ساتھ، فوجی جمہوریت میں آپ کی پارٹی حکومت کی حلیف اور حکومت میں پوری طرح حصہ دار، یہ سارے اونٹ نگل لینے پر کوئی اعتراض نہیں لیکن اعتراض ہے تو صرف یہ کہ ہم نے سترھویں ترمیم کے ذریعے جس پی سی او حلف کی راہ نکالی، آپ نے اس کے تحت حلف کیوں اٹھایا؟

الطاف بھائی! یہ آپ ہیں تو آپ کے قربان جایئے

جہاں تک چیف جسٹس سے استعفیٰ دینے کے مطالبہ کا تعلق ہے، یہ تو وہی مطالبہ ہے جو الطاف بھائی کے پرویز مشرف بھائی نے اپنے دوسرے جرنیل بھائی لوگوں کے ساتھ مل کر چیف جسٹس سے کیا تھا۔ اگر فوجی جرنیل دھونس کے ذریعے استعفیٰ حاصل نہیں کر سکے تو الطاف حسین کی ایم کیو ایم بھی کسی دہشت گردی کے ذریعے ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ بس اتنا ہے کہ استعفیٰ کا مطالبہ کر کے الطاف بھائی اور پرویز مشرف بھائی کی ایک جیسی خواہش سامنے آ گئی ہے۔

آ ملے ہیں سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک!

سینہ چاکانِ چمن کی بات سے گجرات کے سینہ چاکوں کی یاد آ گئی۔ ابھی کل تک الطاف حسین اور ان کی جماعت کھلے عام کہتی تھی کہ لاہور میں اور پنجاب میں جو ڈاکے پڑ رہے ہیں اور ڈاکوں کے ساتھ قتل اور عصمت دری کے جو ہولناک سانحات ہو رہے ہیں ان کی سرپرستی گجرات کے چوہدری کر رہے ہیں۔ یہ باتیں کھلے عام کی جا چکی ہیں۔ پھر الطاف حسین کے اس بیان کی تو ابھی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی کہ :

''وزیرِ داخلہ پر حملہ لال مسجد، جامعہ حفصہ اور جامعہ فریدیہ والے انہی مذہبی انتہا پسندوں نے کرایا، جنہوں نے چند روز پیشتر ملک بھر میں خودکش حملوں کی دھمکی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کھلے عام خودکش حملوں کی دھمکی دینے والوں کے خلاف قانونی ایکشن لینا چاہئے تھا لیکن حکمراں جماعت کے سربراہان انہیں معصوم اور فرشتے بنا کر پیش کر رہے ہیں اور ان مذہبی انتہا پسندوں کو سپورٹ کر رہے ہیں۔''

لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ کراچی میں ایم کیو ایم کے کارکنوں کی صوبائی اور مرکزی حکومتوں اور خفیہ ایجنسیوں کی سرپرستی میں کی گئی بارہ مئی کی دہشت گردی کے بعد گجرات کے چوہدریوں نے بطورِ خاص الطاف حسین کو ٹیلی فون کئے ہیں۔ اگر یہ صرف تعزیتی فون ہوتے تو بعینہ ایسے ہی ٹیلیفون ان جماعتوں کے سربراہوں کو بھی جاتے جن کے کارکن ایم کیو ایم سے دو تہائی زیادہ تعداد میں ہلاک کئے گئے۔ لیکن

تعزیت کی آڑ میں یہ ٹیلی فون بھی سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاکانِ چمن کے ملنے کا منظر ہی بتاتے ہیں۔ ابھی تک جو چوہدری خود آپ کے بقول ڈاکوؤں کے سرپرست تھے اور مذہبی دہشت گردوں کو معصوم فرشتہ بنا کر انہیں سپورٹ کر رہے تھے، اب وہ اور آپ، دونوں ایک ہی مشن پر چل نکلے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایم کیو ایم کراچی اور حیدر آباد کی ایک موثر سیاسی قوت ہے۔ الطاف حسین چاہیں تو ابھی بھی کسی کے ہاتھوں میں کھیلنے کی بجائے اپنی سیاست خود کریں اور ملک کو وردی سے پاک جمہوریت کی طرف لے جانے میں اپنا مثبت کردار ادا کریں (زبانی کلامی نہیں بلکہ عملی کردار) لیکن اگر وہ اپنی قوت کا اسی طرح غلط استعمال کرنے کی راہ پر چل نکلے تو پھر اللہ ان کے حال پر بھی رحم کرے، کراچی کے حال پر بھی رحم کرے اور پاکستان کے حال پر بھی رحم کرے۔ الطاف حسین نے اپنی تقریر میں یہ دعا کی تھی:

''اے اللہ! تو دیکھ رہا ہے۔ ہم تیرے انصاف کے طالب ہیں، ہم تیرے انصاف کے طالب ہیں، ہم تیرے انصاف کے طالب ہیں۔''

انسان، انسانوں کو تو دھوکہ دے سکتا ہے، لیکن خدا کو دھوکہ نہیں دیا جا سکتا۔ الطاف حسین خود ہی ایجنسیوں کے آلۂ کار بن کر، پرویز مشرف کے برادرانہ فرمانبردار بن کر اتنا بڑا قتلِ عام کرا کے خدا سے انصاف نہ مانگیں، کہیں وہ سچ مچ انصاف نہ کر دے۔ بہتر ہے خدا سے معافی اور رحم کی التجا کریں، وگرنہ بقول میاں محمد بخش:

او جبار، قہار سداوے، متاں روڑ سٹی ددھ کڑھیا

اس بات کو آسان اردو میں کراچی کے بارے میں کہے گئے ایک شعر کے مطابق یوں بھی کہا جا سکتا ہے۔

یہ شہر سمندر کے کنارے پہ ہے آباد
اس شہر میں رہنا بھی تو اوقات میں رہنا

اپنی اب تک کی ساری گفتگو کو سمیٹتے ہوئے ایک بار پھر کہوں گا کہ چیف جسٹس آف پاکستان اندرون سندھ، پشاور، اسلام آباد، لاہور جہاں بھی گئے ہیں کہیں تشدد اور خون خرابہ نہیں ہوا۔ بارہ مئی کو کراچی میں جو آگ لگائی گئی، وہ ساری منظم حکومتی سازش تھی، جس میں مرکزی حکومت اور صوبائی حکومت پورے تال میل کے ساتھ ملوث تھیں۔ وہ تمام حالات و واقعات جن کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، حکومتی منصوبوں کو کھول کر ظاہر کر چکے ہیں۔ کراچی بار کے صدر ابرار حسین کے بیانات سے مزید تصدیق ہوتی

ہے کہ ایم کیو ایم اور پوری حکومتی مشینری اس سازش کو درجہ بدرجہ مکمل کر رہے تھے۔ان کے بیانات کی تردید عشرت العباد ابھی نہیں کر سکے۔کراچی میں جو کچھ ہوا وہ صرف اور صرف ریاستی دہشت گردی تھی جس کا شکار اپنے ہی بے گناہ عوام کو بنایا گیا۔اس کے لئے مکمل سرکاری تحفظ کے ساتھ ایم کیو ایم کے غنڈوں کو استعمال کیا گیا اور وحشت و بربریت کا کھیل کھیلا گیا۔

اگر پاک فوج بحثیت ادارہ اس گھناؤنے کھیل میں ملوث نہیں ہے،اور مجھے حسنِ ظن ہے کہ بحثیت ادارہ پاک فوج اس گھناؤنے کھیل میں ملوث نہیں ہے،تو پھر پاک فوج کا فرض بنتا ہے کہ چند اقتدار پرست جرنیلوں اور چند انتہائی کرپٹ اور غنڈے قسم کے سیاستدانوں ،اور ٹھگ بنکاروں کے اس ٹولے کو لگام دیں جو پورے ملک کو صرف اور صرف اپنے ذاتی اقتدار اور ذاتی مفادات کی حصول کی ہوس میں خانہ جنگی کی طرف دھکیل رہا ہے۔میں کسی نئے جرنیل کو اقتدار سنبھالنے کی ترغیب نہیں دے رہا بلکہ میری گزارش اتنی ہے کہ موجودہ کرپٹ حکمرانوں اور ان کے سر پرستوں کو احتساب کے کٹہرے میں لایا جائے اور ملک میں کسی تاخیر کے بغیر آزادانہ اور شفاف انتخاب کرا کے جمہوری عمل بحال کیا جائے۔جنرل پرویز مشرف سے اصلاح احوال کی جو تھوڑی بہت امید کی جا سکتی تھی اب وہ بھی باقی نہیں رہی،وہ مکمل طور موجودہ حکمران کرپٹ ٹولے کے سر پرست اور محافظ بن چکے ہیں اور ملک کو مذہبی اور لسانی فسادات کی راہ پر ڈال رہے ہیں۔اس سے پہلے کہ ملک دوسرا افغانستان بن جائے ،اسے بچا لیا جائے۔ملک بچانے کے لئے اب موجودہ سارے حکمرانوں اور ان کے سر پرست کا صرف جانا ہی ضروری نہیں ہے بلکہ ان سب کا احتساب بھی بے حد ضروری ہو گیا ہے۔

۱۳رمئی ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۱۶

ایم کیو ایم جب تک مہاجر قومی موومنٹ تھی،اس کی حیثیت ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھلونے جیسی تھی۔لیکن جیسے ہی اس نے متحدہ قومی موومنٹ کا روپ اختیار کیا،اس کا سیاسی کردار بہتر ہونے لگا۔اب اس کی پیش قدمی پنجاب،بلوچستان،اندرون سندھ،صوبہ سرحد اور کشمیر کی طرف جاری تھی۔اگرچہ بہت سے لوگ ایم کیو ایم کے نئے روپ کو ایک بہروپ کہتے تھے لیکن میرے جیسے کئی لوگوں کو خوشی تھی کہ یہ جماعت اپنی لسانی سطح سے اوپر اٹھ کر ایک قومی جماعت کا کردار ادا کرنے لگی ہے۔اس کے غریب اور متوسط طبقے کے لوگوں سے ہمدردی صرف سیاسی نعرہ نہیں تھا بلکہ اس کے طرز عمل سے بھی اسی کا اظہار ہوتا تھا۔یہ سب خوش آئند تھا،ایم کیو ایم کے لئے بھی اور پاکستان کے لئے بھی۔۔لیکن ۱۲رمئی کے بعد سے ایم کیو ایم نے نہ صرف دوسرے سارے علاقوں اور اندرون سندھ میں اپنی ہمدردیاں کھوئی ہیں بلکہ خود کراچی میں بھی اس کی حمایت میں کمی ہو گئی ہے۔۱۲مئی کو ہی ایم کیو ایم نے اپنا پاکستان اسٹیل مل کا ووٹ بنک کھو دیا ہے۔ایم کیو ایم کی حامی ہونے کے باوجود اور ہر جلسے،ریلی میں چالیس سے پچاس ہزار تک افراد کی حاضری دینے والی اسٹیل مل اس بار ایم کیو ایم کی ریلی کی بجائے اپنے محسن جسٹس افتخار محمد چوہدری کا استقبال کرنا چاہ رہی تھی۔الطاف حسین اور ایم کیو ایم کے دوسرے رہنما اپنے اپنے ضمیر میں جھانک کر خود سے پوچھیں کہ ۱۲مئی کو اگر انہوں نے خونی لسانی جماعت کا روپ دھارنے کی بجائے چیف جسٹس کا استقبال کیا ہوتا تو ان کی ملک گیر عزت اور مقبولیت میں کتنا اضافہ ہوتا۔ایسا کرنے کی صورت میں وہ مذہبی جماعتیں بالکل ہی پس پردہ چلی جاتیں جو اس وقت چیف جسٹس کے استقبال میں اپنے جھنڈوں کے ساتھ پیش پیش ہوتی ہیں۔ایم کیو ایم نے اس موقعہ کو ضائع ہی نہیں کیا،اپنی عزت اور تکریم کو اپنی ذلت اور رسوائی میں بدل لیا ہے۔ایجنسیوں کا آلۂ کار بن کر،کراچی کو لہولہان کرنے کے علاوہ سیاسی طور پر بھی اپنا نقصان کیا ہے۔اس وقت حکومتی پارٹی قاف لیگ میں ان کی حمایت صرف وہ گروہ کر رہا ہے جسے ایم کیو ایم خود ڈاکوؤں کا سر پرست اور مذہبی دہشت گردوں کا سپورٹر قرار دیتی رہی ہے۔وہ سرائیکی بیلٹ جو ایم کیو ایم کو زیادہ خوش آمدید کہہ رہی تھی،اسی سرائیکی بیلٹ کے قاف لیگ کے ممبران ایم کیو ایم کے خلاف پھٹ پڑے۔انہوں نے صدارتی ریفرنس کو بھی پسند نہیں کیا اور ایم کیو ایم کے ۱۲مئی کے کردار

کو ویسا ہی باور کیا ہے جیسا اپوزیشن والوں نے کہا ہے اور جیسا غیر جانبدار پریس نے دنیا کو بتایا ہے۔

۱۲ مئی ۲۰۰۷ کو چیف جسٹس کی کراچی میں آمد کو روکنے کے لئے کراچی میں جنرل مشرف نے صوبائی حکومت اور ایم کیو ایم کی قیادت کے ذریعے جو خونی کھیل دکھایا وہ جنرل مشرف اور ایم کیو ایم دونوں کی سیاہ کاریوں میں شمار کیا جاتا رہے گا۔ اس کا مزید شرمناک پہلو یہ ہے کہ دن بھر کراچی میں آگ اور خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی اور اسی دن شام کو جنرل پرویز مشرف اسلام آباد میں ڈھول کی تھاپ پر ہوتے رقص کے جلو میں گجرات کے چوہدریوں کی ریلی سے خطاب کر رہے تھے۔ اس سیاسی تماشے پر وہ پرانی کہاوت یاد آئی ''روم جل رہا تھا اور نیرو بانسری بجا رہا تھا'' لیکن اسے اب ''نیرو'' کے ساتھ کیوں نتھی کیا جائے براہ راست نئے نیرو کا نام کیوں نہ دیا جائے۔

''کراچی جل رہا تھا اور جنرل مشرف ڈھول کی تھاپ پر ہوتے رقص کو دیکھ رہا تھا''

اب یہ نئی کہاوت رائج کی جانی چاہئے۔

۱۳ مئی کو یومِ سیاہ منایا گیا اور ۱۴ مئی کو پورے ملک میں اپوزیشن کی اپیل پر کراچی کی دہشت گردی کے اصل مجرموں کے خلاف ہڑتال کی گئی۔ ۱۴ رمئی کو ہی حکومت کے مرکزی شہر اسلام آباد میں ایڈیشنل رجسٹرار سپریم کورٹ حماد رضا کو علی الصبح ان کے گھر پر قتل کر دیا گیا۔ پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس ٹارگٹ کلنگ کو ڈکیتی کا رنگ دینے کی کوشش کی گئی لیکن جب حماد رضا کی بیوہ، برطانوی نیشنلٹی ہولڈر شبانہ نے برطانوی سفارتخانہ سے رابطہ کر کے قانونی مدد کی درخواست کی اور واضح طور پر کہا کہ حکومتی اداروں سے منصفانہ تحقیق کی امید نہیں ہے، تو جنرل مشرف کی جانب سے چیف جسٹس کے خلاف کھیلے جانے والے گھناؤنے کھیل کا ایک اور ورق کھل کر سامنے آ گیا۔ حقیقت یہ ظاہر ہوئی کہ ۹ رمارچ کو چیف جسٹس کے خلاف کاروائی شروع کی گئی تو ایڈیشنل رجسٹرار حماد رضا کو بھی خفیہ ایجنسیوں نے اپنی تحویل میں لے لیا تھا۔ ان پر شدید دباؤ ڈالا گیا کہ وہ چیف جسٹس کے خلاف گواہ بن جائیں۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ اب سپریم کورٹ میں فل کورٹ کی تشکیل کے بعد مشرف کی جرنیلی حکومت کی یہ کہانی عدالت میں آنے والی تھی۔ سو انہیں اس گواہی سے روکنے کے لئے ڈاکے کی واردات کا ڈرامہ بنا کر گھر پر قتل کر دیا گیا۔ لیکن ان کی بیوہ کی برطانوی حکام سے فریاد کے بعد اور میڈیا کی طرف سے واضح اشارے ملنے کے بعد جنرل پرویز مشرف اب شاید اپنے اقتدار کے زوال کے آخری سرے تک پہنچ گئے ہیں۔

۱۵ رمئی کو پشاور کے ناز سینما روڈ پر، مسجد مہابت خان کے سامنے واقع ''مرحبا ہوٹل'' پر خوفناک بم

دھماکہ ہوا ہے۔ اس کے نتیجہ میں ۲۷ سے زائد افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ بے شک اس دھماکہ کے سبب کے مختلف امکانات ہو سکتے ہیں۔ صوبہ سرحد میں حالیہ دنوں میں کئی خود کش حملے ہو چکے ہیں۔ اسی دوران صوبہ سرحد میں ایک ایسے شخص کو رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا جو دھماکہ خیز مواد چھپکے سے رکھ کر نکلنا چاہتا تھا، وہ شخص مرکزی خفیہ ایجنسی کا ایک اہلکار نکلا۔ جسے مرکز والے زبردستی چھڑا کر لے گئے۔ اس پر وزیر اعلیٰ سرحد نے کئی دن تک شور مچایا لیکن مرکز نے اس اہلکار کی کہانی پوری طرح دبا دی۔ اس بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ بعض دھماکے مذہبی انتہا پسند کر رہے ہیں تو کبھی کبھار خفیہ ایجنسیاں بھی اپنے مقاصد کے حصول کے لئے دھماکوں کا کھیل کھیل لیتی ہیں۔ سو اسی وجہ سے میرے نزدیک حالیہ دھماکہ میں بھی جنرل پرویز مشرف کا اشارہ شامل ہے۔ کسی خفیہ ایجنسی نے یہ دھماکہ کرایا ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف کراچی کے دہشت گردوں سے توجہ ہٹا کر لوگوں کو پشاور کے دھماکے کی طرف غلطاں کرنا ہے۔ جلد یا بدیر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی۔ دھماکہ کے فوراً بعد میرا پہلا تاثر یہی تھا۔ بعد ازاں اسی روز حامد میر کے پروگرام کیپٹل ٹاک میں اعتزاز احسن نے اور اے این پی کے ایک لیڈر نے بھی اپنے اپنے انداز میں اسی بات کے اشارے دیئے۔ جبکہ کراچی میں اے این پی کے رہنما نے صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ کراچی سے توجہ ہٹانے کے لئے ایجنسیوں نے یہ دھماکہ کرایا ہے۔ حکومت کی طرف سے اس سانحہ کو سابق خود کش دھماکوں جیسا قرار دیا جا رہا ہے۔ لیکن ایجنسیاں ویسی مشابہت پیدا کرنے کی کوشش میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکیں۔ مثلاً پہلے دھماکوں میں نوجوان لڑکے خود کش بمبار ہوتے تھے، اس بار ایک بوڑھے بابے کو خود کش حملہ آور ظاہر کیا گیا ہے۔ ایک مضحکہ خیز واقعہ یہ ہوا کہ اس خود کش حملہ آور کی ٹانگ پر ایک کاغذ بندھا ہوا پایا گیا ہے جس میں یہ باور کرایا گیا ہے کہ یہ ''افغان مجاہدوں'' کا کارنامہ ہے جو امریکہ کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ اس سے اس خونی تماشہ کی منصوبہ بندی کرنے والوں کا بھونڈا پن ظاہر ہوتا ہے۔

اسی دوران حکومت نے اپنے ٹوپی ڈرامہ ''جامعہ حفصہ و لال مسجد'' کے منجھے ہوئے مذہبی انتہا پسند کرداروں کو استعمال کیا ہے۔ ان انتہا پسندوں نے اس وجہ سے چار پولیس اہلکار پکڑ لئے ہیں کیونکہ حکومت نے ان کے تین طالب علموں کو گرفتار کیا ہے۔ اس وجہ سے کچھ کھلبلی مچانے کی کوشش کی گئی ہے لیکن عوام اب اس ٹوپی ڈرامہ کی حقیقت جان گئے ہیں۔ کراچی میں خون کی ہولی کھیلنے والے کرداروں سے توجہ ہٹانے کے لئے نہ پشاور میں مرحبا ہوٹل کا بم دھماکہ کام آ سکا ہے اور نہ ہی جامعہ حفصہ کے ڈرامہ کا گھسا ہوا ریکارڈ کام آئے گا۔ اب جنرل پرویز مشرف کو اپنا حساب کتاب دینا ہوگا۔ اپنے غیر آئینی، غیر

قانونی اقدامات اور اقتدار کے تحفظ کے لئے اپنے ہی عوام کا خون بہانے والوں کو اب یومِ حساب کی تیاری کر لینی چاہئے۔

ماضی قریب تک ایم کیو ایم کے رہنما جب ایم ایم اے کے ساتھ مباحثہ کرتے ہوئے کسی ٹاک شو میں دلائل کے ساتھ بات کرتے تھے تو ایم ایم اے والوں کی علمی بے کسی قابلِ دید ہوا کرتی تھی۔لیکن اب وہی ایم کیو ایم کے رہنما جب چیف جسٹس کے خلاف لچر قسم کی باتیں کرتے ہیں تو ان کی باتیں اور ان کی دلیلیں سن کر ہی گھن آنے لگتی ہے۔الطاف حسین کے بعض پوچ اعتراضات کے جواب میں گزشتہ کالم میں وضاحت کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔اس دوران ایک اور بات جو ایم کیو ایم والے اپنی طرف سے بڑی دلیل بنا کر بیان کر رہے ہیں یہ سامنے آ رہی ہے کہ عدلیہ کا معاملہ عدالت میں طے ہونا چاہئے۔اسے سڑکوں پر نہیں لایا جانا چاہئے۔اگر اپوزیشن کی سیاسی جماعتیں اسے سڑکوں پر لائیں گی تو پھر ٹکراؤ ہو گا۔چیف جسٹس کے خلاف صدارتی ریفرنس کے معاملہ میں یہ دلیل بھی بڑی ہی پوچ قسم کی ہے۔ساری دنیا جانتی ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے چیف جسٹس کو آرمی ہاؤس میں طلب کر کے وہاں استعفیٰ دینے کے لئے دباؤ ڈالا۔چیف جسٹس کے ''تاریخی انکار'' کے نتیجہ میں انہیں محبوس رکھا گیا۔انہیں اس وقت تک فوج کی حراست میں رکھا گیا جب تک سپریم کورٹ کا قائم مقام چیف جسٹس نہیں بنا دیا گیا۔اور جب تک سندھ اور لاہور سے پسندیدہ ججوں کو بلا کر اپنی مرضی کی جوڈیشل کونسل تشکیل نہیں دے دی گئی۔اس کے بعد بھی چیف جسٹس کو تب رہائی نصیب ہوئی جب ٹی وی چینلز نے ان کے محبوس ہونے کی رپورٹ دینا شروع کر دی۔انہیں برطرف نہیں کیا گیا تھا لیکن ان سے ساری سرکاری سہولیات لے لی گئیں۔اپنے غیر آئینی اختیار کے بل پر چیف جسٹس کو معطل کر دیا گیا۔ان کے گھر پر پہرہ بٹھا دیا گیا۔صرف وہ لوگ ان سے مل سکتے تھے جن سے حکومت انہیں ملانا چاہتی تھی تاکہ انہیں استعفیٰ کے لئے راضی کیا جا سکے۔سرِ عام چیف جسٹس کو سڑک پر گھسیٹا گیا،ان کے بال نوچے گئے،ان کے بچوں کا گھر سے نکلنا اور اسکول جانا بند کر دیا گیا۔دہشت کی یہ فضا ایک دن کی بات نہ رہی،چار دن تک ایسا رہا۔ایسے جرنیلی اور غیر آئینی وغیر قانونی مظالم کے نتیجہ میں وکلاء اور عوام چیف جسٹس کی حمایت اور اقتدار پر قابض فوجی جرنیلوں کے خلاف نفرت کے اظہار کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔یہ وکلاء کی قابض جرنیلوں کے خلاف جدوجہد اور عوام کی حمایت تھی جس نے اپوزیشن کو بھی مجبور کر دیا کہ اس اہم مسئلہ میں ان کا ساتھ دیں۔اپوزیشن نے کبھی بھی چیف جسٹس کے اشو پر سیاست نہیں کی۔اپنے جھنڈوں کے ساتھ سب نے

چیف جسٹس کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا ہے۔سکھر،حیدر آباد،اسلام آباد،پشاور سے لے کر لاہور تک چیف جسٹس کے ساتھ پوری قوم کو نہایت پُر امن قسم کا اظہار یکجہتی جنرل پرویز مشرف کے غیر آئینی اور غیر قانونی اقدامات کے نتیجہ میں کرنا پڑا۔چیف جسٹس کے خلاف روا رکھے جانے والے جنرل پرویز مشرف کے غیر قانونی،غیر آئینی،غیر اخلاقی اور غیر انسانی اقدامات پوری دنیا میں پاکستانیوں کے لئے شرمندگی بلکہ ذلت کا موجب بنے ہیں۔عوام نے اسی کی مزاحمت کی۔اپوزیشن نے بھی عوام کے موڈ کو دیکھ کر ان کا ساتھ دیا۔اس لئے عدلیہ کے معاملہ کو سڑکوں پر لانے کے ذمہ دار صرف اور صرف جنرل پرویز مشرف ہیں۔اگر یہ معاملہ سڑکوں تک نہ آتا تو اب تک چیف جسٹس بھی پتہ نہیں کہاں غائب کئے جا چکے ہوتے اور ان کے اہلِ خانہ ان کی بازیابی کے لئے اپیلیں اور مظاہرے کر رہے ہوتے۔یا پھر ان کا بھی ایڈیشنل رجسٹرار سپریم کورٹ حماد رضا والا انجام کر دیا جاتا۔جنرل پرویز مشرف کا المیہ یہ ہے کہ پی سی او کے تحت حلف اٹھانے والے اپنے چیف جسٹس کے انکار کو اپنے سترھویں ترمیم والے آئین کے مطابق بھی ہضم نہیں کر سکے۔

ایم کیو ایم کے لیڈروں کو بودے دلائل کے ساتھ آئیں بائیں شائیں کرنا بند کر دینا چاہئے۔عوام ہوں یا مہذب دنیا،کوئی بھی ان کی چرب زبانی کے باوجود ان کی بے تکی دلیلوں اور باتوں کا یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔وہ دھونس جما کر پورے چوبیس گھنٹے بھی ٹی وی پر براہِ راست اپنی صورتیں دکھاتے رہیں،قوم ان سے سخت متنفر ہو چکی ہے۔وہ کراچی میں قتل و غارت گری کے ذمہ دار ہیں۔جنرل پرویز مشرف کی محبت میں اپنی مرضی سے ایجنسیوں کے ہاتھوں استعمال ہوئے ہیں۔پوری قوم یہ حقیقت جان چکی ہے۔اب کچھ تلافی ہو سکتی ہے تو صرف اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اور پوری قوم سے معافی مانگ کر ہی ہو سکتی ہے۔

معافی سے یاد آیا،اس معاملہ میں بھی پرویز مشرف بھائی اور الطاف بھائی دونوں بھائی لوگ ایک جیسی طبیعت کے مالک لگتے ہیں۔پرویز مشرف بھائی نے جیوٹی پر حملہ کرایا اور پھر ان سے معافی مانگ لی لیکن چیف جسٹس کے معاملہ میں اپنے مجرمانہ کردار پر معافی مانگنے کے لئے ابھی تک تیار نہیں ہیں۔الطاف بھائی نے بھی ایک طرف ٹی وی چینلز کو دھمکا کر کوریج لینے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا ہے۔دوسری طرف ''آج'' ٹی وی کے دفتر پر حملہ کرانے کے بعد ان کے فاروق ستار نے اسلام آباد میں باقاعدہ معافی مانگ لی ہے۔اس معافی کی نوبت تب آئی جب ان کی پریس کانفرنس میں صحافیوں نے کراچی میں صحافت پر ایم کیو ایم کے حملوں پر غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے پریس کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔جن صحافیوں

نے پریس کانفرنس میں شرکت کی انہوں نے بھی احتجاجاً زمین پر بیٹھ کر رپورٹنگ کی۔شاید بہت سے قارئین کوعلم نہ ہو کہ ۱۲مئی کو کراچی میں ''آج'' ٹی وی کے دفتر پر چار گھنٹے تک جاری رہنے والی فائرنگ کی وجہ کیا تھی؟۔۔۔وجہ یہ تھی کہ طلعت حسین نے اپنی اعلیٰ پیشہ ورانہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''آج'' ٹی وی پر ایک ایک ایسی فلم چلا دی تھی جس میں ایم کیوایم کی جانب سے اس کے کارکنوں میں اسلحہ تقسیم کرتے ہوئے دکھایا گیا تھا۔کراچی میں قتلِ عام کے اصل مجرم اس میں بے نقاب ہو گئے تھے۔اسی لئے اس چینل کے دفتر پر اتنی دیر تک وحشیانہ فائرنگ کی جاتی رہی۔ضرورت اس امر کی ہے کہ اس فوٹیج کو دوسرے چینلز پر بھی بار بار دکھایا جائے اور پھر ان چرب زبان رہنماؤں سے پوچھا جائے کہ اب بتاؤ یہ فوٹیج کیا ہے اور یہ غنڈے کون ہیں؟

ایک ویب سائٹ نے آج ٹی وی کی اس فوٹیج کو آن لائن کیا ہے۔اس کے علاوہ چند اور مناظر دوسرے چینلز کے بھی ہیں جن کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ متحدہ قومی موومنٹ،صرف مہاجر قومی موومنٹ والے کردار کی طرف کی واپس نہیں گئی بلکہ یہ تھی ہی مہاجر قومی موومنٹ اور اس نے متحدہ کے نام کا صرف بہروپ اختیار کیا تھا۔اس دہشت گردی کے لئے کسی الزام تراشی کی ضرورت نہیں ہے،مہاجر قومی موومنٹ کا ۱۲مئی کا دہشت گردانہ کردار براہِ راست دیکھئے:

http://www.mqmwatch.org//content/view/5/26/

http://www.mqmwatch.org/

ابھی تک ایم کیوایم کے رہنما یہ کہتے رہے ہیں کہ چیف جسٹس کی وجہ سے کراچی میں خون خرابہ ہوا ہے۔اب الطاف بھائی کے جنرل پرویز مشرف بھائی نے کہا ہے کہ چیف جسٹس اور اعتزاز احسن کراچی کے حالات بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں۔اس بیان سے لگتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف اپنے ہوش و حواس کھوتے جا رہے ہیں۔ان کی ٹانگوں کی لڑکھڑاہٹ صدارتی بریفنگ کے لئے آنے والے گنتی کے چند سینئر صحافیوں نے دیکھی تھی لیکن ان کے اس بیان سے عوام بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جنرل پرویز مشرف واقعی لڑکھڑا گئے ہیں۔اعتزاز احسن ان کے اس بیان پر ان کے خلاف ہتک عزت کا دو ارب روپے ہرجانہ کا مقدمہ دائر کرنے جا رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ یہ رقم کراچی کے غریب عوام پر خرچ کی جائے گی۔

میں ایک عرصہ تک عام پاکستانیوں کی طرح یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ جنرل پرویز مشرف ملک

کا بھلا کریں گے اور غریب عوام کے لئے ضرور کچھ بہتر کریں گے۔لیکن آہستہ آہستہ یہ امید مایوسی میں بدلتی گئی اور اب تو ان کا وجود قوم کے لئے عذاب بن چکا ہے۔جنرل پرویز مشرف اپنے سات سالہ دور اقتدار میں کالا باغ ڈیم بنانے کا اعلان کرتے رہے لیکن یہ اعلان قوم کو ڈیم فول بنانے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔قوم کے اربوں کھربوں روپے ڈکار جانے والوں سے لوٹی ہوئی دولت واپس لینے کا اعلان کرتے رہے اور اسی دوران مزید اربوں روپے اپنے حمایتی سیاستدانوں اور سیاسی لوٹوں کو قرض دے کر معاف کر دیئے۔یعنی لوٹی ہوئی دولت تو واپس کیا لاتے اُلٹا مزید اربوں روپے ''دادا جی کی فاتحہ حلوائی کی دوکان پر'' کی طرز پر معاف کر دیئے۔اسٹیل مل کو تو ان کے وزیر اعظم شوکت عزیز اور ان کے مشیر اعظم ڈاکٹر سلمان شاہ ''شیرِ مادر'' سمجھ کر پی جانے لگے تھے(پتہ نہیں اس میں خود جنرل پرویز مشرف کے لئے کتنے کروڑ یا ارب کا حصہ تھا جو باہر ہی باہر ان کے کسی اکاؤنٹ میں منتقل کر دیا جاتا)چیف جسٹس کے تاریخی فیصلہ نے قومی ڈاکے کی اس کوشش کو ناکام بنا دیا۔اگر جنرل مشرف نے بھی اس بھوکی ننگی قوم کو لوٹنا ہے اور لٹوانا ہے تو پھر اب ان کا اپنے سارے کرپٹ ساتھیوں سمیت جانا ضروری ہو گیا ہے۔بہت گڈ گورنینس ہو گئی۔اب یہ ان پر منحصر ہے کہ بچی کھچی عزت کے ساتھ رخصت ہو جائیں یا پھر اسی وقت جائیں جب عوام میں ان کے لئے وہ گالی بچے بچے کی زبان پر آ جائے جو ابھی چند جلسوں میں دی گئی ہے۔یہ وہی تاریخی گالی ہے جو ایوب خان کو بھی دی گئی تھی لیکن انہیں تب اس گالی کا یقین آیا تھا جب ان کے پوتے یا نواسے کی زبان پر بھی وہ گالی آ گئی تھی۔کیا جنرل پرویز مشرف اس مقام پر پہنچ کر رخصت ہونا چاہتے ہیں؟تب ساری قاف لیگ اور ایم کیوایم کے بھائی لوگ انہیں کہیں بھی دکھائی نہیں دیں گے اور وہ وقت زیادہ دور نہیں لگتا۔

کراچی میں ۱۲مئی کے قتلِ عام کی ذمہ داری خود قبول کرنے اور ایم کیوایم کو اس کا مرکزی حصہ دار ماننے کی بجائے چیف جسٹس اور اعتزاز احسن پر الزام تراشی کرنے کے بعد جنرل پرویز مشرف نے ایک اور تاریخی بیان دے دیا ہے۔اس بیان کے دو حصے ہیں اور ان دونوں حصوں سے ان کی منافقانہ شخصیت کھل کر سامنے آ جاتی ہے۔ایک انٹرویو کی جنگ میں ہونے والی رپورٹنگ کے مطابق:''صدر نے کہا کہ وہ اردو بولنے والے ہیں اس لئے اپوزیشن ان کا تعلق ایم کیوایم سے جوڑنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن ان کا ایم کیوایم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔وہ پاکستان کے بارے میں سوچتے ہیں۔۔۔۔اسی انٹرویو میں صدر صاحب یہ بھی فرماتے ہیں''اگر متحدہ چیف جسٹس کو ریلی نکالنے کی اجازت دیتی تو ۲۰ سے ۳۰ ہزار لوگ ایم کیوایم کے علاقے میں جمع ہو جاتے اور یہ تاثر دیتے کہ متحدہ کراچی میں اثر کھو چکی ہے''

پاکستان کے عوام کی بڑی اکثریت اردو زبان سے محبت کرتی ہے۔گزشتہ ساٹھ ستر برس کے دوران خاص طور پر اردو ادب کی جتنی خدمت غیر اہلِ زبان نے کی ہے، اتنی شاید خود اردو والوں نے بھی نہیں کی ہوگی۔اس لئے اردو بولنے والوں سے کسی کو کوئی پریشانی نہیں ہے۔خود جنرل پرویز مشرف کو گزشتہ سات برسوں میں کبھی کسی نے اس حوالے سے طعنہ نہیں دیا کہ وہ اردو بولنے والے ہیں، بلکہ مجھے تو دل ہی دل میں یہ افسوس ہوا کرتا تھا ایک اہلِ زبان خاندان کا فرد ہے اور اردو کی اہلِ زبان والی صلاحیت سے محروم ہے۔سو اردو بولنے والے تو ہمارے لئے محبت اور عزت کے لائق ہیں، مسئلہ ان لوگوں کا پیدا کردہ ہے جو لسانی بنیاد پر اردو کا نام لے کر دوسروں سے صرف نفرت ہی نہیں کرتے بلکہ ان کا قتلِ عام بھی کرتے ہیں۔اپنے انٹرویو میں ایک طرف تو جنرل پرویز مشرف کہتے ہیں کہ ان کا ایم کیو ایم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور وہ پورے پاکستان کا سوچتے ہیں دوسری طرف ان کا یہ کہنا ہے کہ

''اگر متحدہ چیف جسٹس کو ریلی نکالنے کی اجازت دیتی تو ۲۰ سے ۳۰ ہزار لوگ ایم کیو ایم کے علاقے میں جمع ہو جاتے اور یہ تاثر دیتے کہ متحدہ کراچی میں اثر کھو چکی ہے'' یہ بیان انتہائی حیران کن ہے۔اس بیان سے کئی نکات پیدا ہوتے ہیں۔ایم کیو ایم ابھی تک ''عیارانہ انکار'' کر رہی تھی کہ اس نے چیف جسٹس کے لئے جانے والی ریلی میں کہیں بھی کوئی روک نہیں ڈالی۔لیکن جنرل پرویز مشرف کہتے ہیں کہ اگر ایم کیو ایم ریلی نکلنے دیتی تو ایم کیو ایم کے علاقے میں ۲۰ سے ۳۰ ہزار لوگ جمع ہو جاتے اور اس سے یہ تاثر پیدا ہوتا کہ ایم کیو ایم کراچی میں اپنا اثر کھو چکی ہے۔یعنی ریلی میں رکاوٹ ایم کیو ایم نے ہی ڈالی اور سارا قتل و غارت اس لئے کرایا گیا کہ ایم کیو ایم کا تاثر قائم رہے کہ کراچی صرف اسی کا ہے۔یہ جنرل پرویز مشرف کا جو اس خونی کھیل کا بڑا کردار ہیں، بالواسطہ طور پر اقبالِ جرم ہے۔اسے عدالتی سطح پر پیش کیا جانا چاہئے۔ اس بیان کے بعد جنرل پرویز مشرف صدرِ پاکستان تو کیا چیف آف آرمی اسٹاف بھی نہیں لگتے۔اس واضح بیان کے بعد ان کی حیثیت ایم کیو ایم کے سیکٹر کمانڈر جیسی بن گئی ہے۔

اس بیان کو سرسری نہیں لینا چاہئے۔ بلکہ اب تو فوج کے محبّ وطن جرنیلوں کو فکر کرنی چاہئے کہ اگر آرمی چیف ایم کیو ایم کا سیکٹر کمانڈر بن گیا ہو تو قوم کا کیا بنے گا۔میں اس حساس موضوع پر مزید کچھ لکھنے سے گریز کر رہا ہوں۔لیکن اگر اس خوفناک بیان کے مضمرات کو فوج کے اعلیٰ افسران نے نظر انداز کرنا چاہا تو یہ خود پاک فوج کے ادارے کے لئے انتہائی خطرناک ثابت ہوگا۔

۱۵ رمئی کو ایک ہی دن دو اہم بیانات سامنے آئے۔ پہلا بیان پاکستان میں برطانوی ہائی کمشنر

رابرٹ برنکلے کا تھا۔انہوں نے کہا کہ پاکستان میں صدر اور آرمی چیف کے عہدے الگ ہونے چاہئیں۔انہوں نے توقع ظاہر کی کہ جنرل پرویز مشرف اس سال کے آخر تک وردی اتار دیں گے۔ کیونکہ دو عہدے ایک ساتھ رکھنے سے ملک میں حقیقی جمہوریت نہیں آسکتی۔دوسرا بیان امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ باؤچر کا ہے۔انہوں نے امریکہ میں اس توقع کا اظہار کیا ہے کہ جنرل پرویز مشرف وعدہ کے مطابق اس سال اپنی وردی اتار دیں گے اور غیر جانبدارانہ شفاف انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنائیں گے۔

اسلامی ملکوں کی تنظیم او آئی سی کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس ۱۵ مئی سے اسلام آباد میں شروع ہوئی۔اسے موثر بنانے کے لئے اس کے نئے چارٹر پر اتفاق رائے نہیں ہو سکا۔تنظیم کے جنرل سیکریٹری نے اتفاق رائے نہ ہو پانے کو تعجب خیز قرار دیا ہے۔حالانکہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔مسلمانوں نے کچھ آپس میں لڑلڑ کر مرنا ہے اور جو باقی بچیں گے وہ باری باری امریکہ کے ہاتھوں مریں گے۔ یہ محض خیال آرائی نہیں ہے۔جس دن او آئی سی کے جنرل سیکریٹری نے نئے چارٹر پر اتفاق رائے نہ ہو پانے پر تعجب کا اظہار کیا ہے، اسی روز امریکی سینٹرل کمان کے سابق سربراہ جنرل جان ابی زید نے کہا ہے کہ ضروری نہیں کہ عراق اور افغانستان امریکہ کے لئے دو سب سے بڑے مسائل ہوں۔آگے چل کر پاکستان اور سعودی عرب امریکہ کے لئے زیادہ بڑے مسائل بن سکتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ دونوں ممالک سیکیورٹی کے مسائل سے نمٹ رہے ہیں۔لیکن امریکہ کو تشویش اس وجہ سے ہے کہ سعودی عرب تیل کے بڑے ذخائر رکھتا ہے اور پاکستان ایٹم بم رکھتا ہے۔یہ جنرل جان ابی زید اپنے جنرل پرویز مشرف کے خاص دوست رہے ہیں۔ان کے بیان کو ذرا کھول کر دیکھا جائے تو انہوں صاف کہہ دیا ہے کہ عراق اور افغان مسائل ہمارے لئے کوئی اتنا بڑا دردِ سر نہیں ہیں اور ہم مستقبل میں پاکستان اور سعودی عرب کے ساتھ بھی ایسا کچھ کرنے جا رہے ہیں۔ برطانوی ہائی کمشنر کے وردی والے بیان پر اور ابی زید کے بیان پر پاکستان کی وزارتِ خارجہ کی ترجمان نے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے۔کسی بات کی ٹو دی پوائنٹ تردید یا رد تو سامنے نہیں آیا تاہم اس بیان میں اتنا ہی غنیمت ہے کہ وزارتِ خارجہ کی ترجمان نے ''سرِ تسنیم'' خم نہیں ہونے دیا۔

۱۹ رمئی ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۱۷

لال مسجد، جامعہ حفصہ کے ڈرامہ کا ڈراپ سین لیکن۔۔۔۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ سے اسلامی نظام نافذ کرنے کے ڈرامہ کا ڈراپ سین ہو گیا ہے۔اس سلسلہ میں ماضی کے حوالے سے بھی کئی اہم سوال ہیں اور مستقبل کے حوالے سے بھی کئی اہم سوال ہیں۔ فوجی حکومت اور حساس اداروں کے قابلِ اعتراض کردار کے بارے میں جتنی باتیں اب تک کھل کر کی جا چکی ہیں،اُن کا ذکر بھی ناگزیر ہے۔تاہم پہلے میں یہاں حکومتی بیانات کو فوقیت دیتے ہوئے اس سانحہ کی مختصر روداد دہرا دیتا ہوں۔

لال مسجد سرکاری مسجد تھی،۱۹۹۸ء میں اس کے خطیب مولوی عبداللہ کے قتل کے بعد ان کے بیٹے مولوی عبدالعزیز کو اس کا خطیب بنایا گیا۔مولوی عبدالرشید غازی نائب خطیب مقرر ہوئے۔مولوی عبداللہ اس امریکی جہاد کے سرگرم مبلغ و مجاہد تھے جو سوویت یونین کے خلاف لڑا گیا تھا۔امریکہ اور اسرائیل نے اس امریکی برانڈ جہاد کے لئے جتنی مالی وعسکری امداد بھیجی وہ زیادہ تر پاکستان اور سعودی عرب کے ذریعے بھیجی گئی۔تاہم جذبۂ جہاد سے سرشار دوسرے مجاہدین کی طرح یہ بھی افغانستان میں جنگ لڑتے رہے اور وہاں سے واپسی کے بعد بھی وہاں کے عسکری حلقوں سے براہِ راست رابطوں میں رہے۔ان میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن جیسے لوگ بھی شامل ہیں۔سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد امریکی مقاصد پورے ہو گئے اور وہ اپنا بوریا بستر لپیٹ کر یہاں سے رخصت ہو گیا۔اسرائیل کو متعدد ڈپلومیٹک فوائد کے ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد سب سے پہلی چار ریاستیں جو آزاد ہوئیں اور کسی خون خرابے کے بغیر آزاد ہوئیں وہ چاروں یہودی آبادی والی ریاستیں تھیں۔جبکہ مسلم آبادی والی ریاستیں جو بعد میں آزاد ہو پائیں، ہر ایک کو خون خرابہ کے بعد آزادی مل سکی۔بہر حال افغان،افریقی اور عرب مجاہدین جو امریکہ برانڈ جہاد کو سچ مچ اسلامی جہاد سمجھ رہے تھے،بعد میں بھی اسی بات پر مُصر رہے۔وہ ابھی تک یہ اندازہ نہیں کر پائے یا کرنا نہیں چاہتے کہ جہاد کے نام پر وہ امریکہ اور اسرائیلی مقاصد کے حصول کی جنگ لڑتے رہے ہیں۔اور اس معاملہ میں ان کی حیثیت بھاری معاوضہ کے کرائے کے فوجیوں سے زیادہ کچھ نہ تھی۔سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد جب

امریکہ اپنے ان ایجنٹوں کا کوئی متبادل بندوبست کئے بغیر علاقہ سے نکل گیا تو اس کے نتیجہ میں پہلے افغان مجاہدین کا باہمی خون خرابہ ہوا، بیچ میں صلح صفائی کے لئے خانہ کعبہ میں بیٹھ کر قسمیں کھائی گئیں اور کابل پہنچنے تک سارے مجاہدین کی قسمیں ٹوٹ گئیں پھر طالبان کا اسلامی نظام لایا گیا۔جسے ساری دنیا نے دیکھا۔نائن الیون سے پہلے تک حکومت پاکستان ہر سطح پر طالبان کی سرپرستی کر رہی تھی تاہم نائن الیون کے بعد جنرل پرویز مشرف کی حکومت کو یوٹرن لینا پڑا۔لیکن مولویوں کا ایک خاص مکتب فکر اور ان کے ہم خیالوں کا طبقہ یہ ادراک و اعتراف نہ کر سکا کہ وہ جہاد کے نام پر امریکہ کے آلۂ کار بنے تھے۔لال مسجد والے بھی اسی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کو محض مسجد اور دینی مدرسہ کہنا کافی نہ ہوگا۔ناجائز سرکاری زمینوں کو گھیرتے ہوئے ان مولویوں نے ایک کنال کی مسجد کو بڑھاتے بڑھاتے اس کا مجموعی رقبہ ۱۶ کنال کے لگ بھگ بنا لیا تھا اور یوں ایک چھوٹا سا شہر بسا لیا تھا۔یہاں دینی تعلیم کے ساتھ عسکری سرگرمیاں بھی جاری تھیں،اور جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا باقاعدہ غیر ملکی دہشت گردوں نے یہاں ڈیرہ ڈال رکھا تھا۔اگر معاملہ صرف دینی درس و تدریس تک محدود رہتا تو شاید حکومت ان کے ناجائز قبضوں کو بھی برداشت کئے رکھتی لیکن ان مولویوں نے شریعت کے نفاذ کے نام پر ایسی حرکتیں شروع کرا دیں جن کا نتیجہ دنیا بھر میں پاکستان اور اسلام کی تضحیک کے سوا کچھ نہیں نکلا۔اسلام آباد کے مختلف مقامات پر غیر قانونی طور پر تعمیر کی گئی بعض مساجد کے انہدام کو آڑ بنا کر چلڈرن لائبریری پر قبضہ کر کے، ناجائز قبضہ کر کے بنائی گئی مساجد کی از سر نو تعمیر کے اور شریعت کے نفاذ کے مطالبات سے یہ کھیل ۲۲ جنوری ۲۰۰۷ء میں شروع ہوا۔پھر کبھی ویڈیو کی دوکانوں کو بے حیائی کے فروغ کا باعث قرار دے کر ویڈیو کیسٹیں،سی ڈیز وغیرہ کو سرِ عام آگ لگانے کے مظاہرے شروع کئے جانے لگے،کبھی کسی خاتون کو فحاشی کا اڈہ چلانے کے الزام میں اس کی بہو بیٹیوں سمیت گھسیٹ کر ان کے گھر سے نکالا گیا اور انہیں مسجد میں یرغمال بنائے رکھا گیا۔پھر اپنی مزعومہ شریعت کے مطابق انہیں توبہ تائب کر کے رہا کیا گیا۔کبھی پولیس اہلکاروں کو یرغمال بنا لیا گیا اور اپنے گرفتار طلبہ کی رہائی کے بعد انہیں رہا کیا گیا۔یہ سب کچھ کسی قبائلی علاقے میں نہیں ہو رہا تھا بلکہ پاکستان کے دارالحکومت اسلام آباد میں ہو رہا تھا۔آخری اقدام چینی کلینک پر آدھی رات کو دھاوا بولنا تھا۔

اس میں چینی خواتین کے ساتھ بعض مردوں کو بھی پکڑا گیا اور الزام لگایا گیا کہ یہ سب بے حیائی میں ملوث تھے۔جب بعض سیاسی مولویوں نے انہیں اس اقدام سے روکا تو انہوں نے باقاعدہ کہا کہ ایم

ایم اے کے ایک رکن اسمبلی کا بیٹا بھی یہاں جایا کرتا ہے۔نفاذِ شریعت اور بے حیائی کے خلاف جنگ کرنے والے لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے منتظمین سے کوئی یہ پوچھنے والا نہیں تھا کہ تم جس انداز کی شریعت نافذ کرنے لگے ہو اس کی رُو سے تو کوئی خاتون اپنے محرم کے بغیر حج یا عمرہ کے لئے بھی نہیں جا سکتی، تو تم نے کس طرح ہزاروں جوان لڑکیوں اور عورتوں کو ان کے محرموں کے بغیر یہاں جمع کر رکھا ہے؟ پہلے اپنی مزعومہ شریعت یا تفہیمِ دین پر خود تو عمل کر لو۔

چینی کلینک پر مولویوں کی واردات کے بعد چینی حکومت کی طرف سے پاکستان پر شدید دباؤ ڈالا گیا۔ چنانچہ حکومت پاکستان کے پاس ایکشن لینے کے سوا کوئی چارہ نہ رہ گیا۔۳رجولائی کو حکومت نے رینجرز، پولیس اور فوج کے دستوں کے مختلف گھیرے بنا کر لال مسجد کے مولوی برادران پر دباؤ ڈالنا شروع کیا تو ان کی طرف سے رینجرز پر فائر کھول دیا گیا۔ایک شہادت اور چند زخمی سپاہیوں کا تحفہ ملنے کے بعد حکومت نے ابتدائی سخت کاروائی شروع کی۔تاہم حکومت نے پوری کوشش کی کہ یہ مولوی برادران خود کو حکومت کے سپرد کر دیں اور محصور خواتین اور بچوں کو رہا کر دیں۔

اس سے پہلے خبریں آچکی تھیں کہ مولوی عبدالعزیز نے تمام طلبہ و طالبات سے قرآن پر حلف لیا ہے کہ وہ شہادت قبول کر لیں گے لیکن ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ان کے بارے میں یہ خبر بھی سامنے آچکی ہے کہ انہیں تین سو سے زاید بشارتیں ہو چکی ہیں۔ان بشارتوں پر مبنی کتاب بھی چھپی ہوئی ہے۔ان میں سے ایک بشارت کے مطابق مولوی عبدالعزیز کا خون مسجد کے صحن میں بکھرا ہوا ہے اور اس خون سے اسلامی انقلاب نکلے گا۔طلبہ و طالبات سے قرآن پر ’’شہادت قبول لیکن ہتھیار نہیں ڈالنا‘‘ کا حلف لینے والے اور اپنے خون سے اسلامی انقلاب آنے کی بشارت چھاپنے والے مولوی عبدالعزیز ۴رجولائی کو برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے گرفتار ہو گئے۔حقیقتاً ۴رجولائی کو رات گئے حکومت کو وہ سب کچھ کر لینا چاہئے تھا جو ۱۰رجولائی کو مزید مجبور ہو کر کرنا پڑا۔۴رجولائی کو ایسا سب کچھ کر لیا جاتا تو حکومت کی اخلاقی پوزیشن کافی بہتر ہوتی، غیر ضروری تاخیر کے جواز میں حکومت کا موقف یہ ہے کہ ہم کم سے کم جانی نقصان چاہتے تھے اسی لئے اتنی تاخیر کرنا پڑی۔ بہر حال ۹ اور ۱۰رجولائی کی درمیانی رات کو حکومت، علماء، اور سیاسی شخصیات کی کاوشوں سے ایک معاہدہ طے پا رہا تھا جس کے مطابق عبدالرشید غازی روجھان، راجن پور میں اپنے گاؤں میں نظر بند ہو جائیں گے۔لیکن ان کی طرف سے پوچھا گیا کہ غیر ملکی افراد کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟(یوں پہلی بار انہوں نے مدرسہ میں غیر ملکی جنگجوؤں کی موجودگی کا اعتراف کر

لیا)۔اس کے جواب میں انہیں بتایا گیا کہ انہیں قانون کا سامنا کرنا ہوگا۔بس یہیں پر مذاکرات ٹوٹ گئے اور اسی رات لال مسجد والوں کے خلاف آپریشن شروع کر دیا گیا۔جس کے نتیجہ میں مولوی عبدالرشید ہلاک ہو گئے۔حکومت کی طرف سے بیان کیا گیا کہ ۱۰۲ کے لگ بھگ اموات ہوئی ہیں جبکہ ۱۰رجولائی کو شام تک جرمنی میڈیا ہلاکتوں کی تعداد آٹھ سو بتا رہا تھا۔یہ بلاشبہ بہت بڑا انسانی المیہ ہے، جس کا دکھ ہر انسان دوست محسوس کرے گا لیکن حکومت کی یہ بات بھی اپنے اندر وزن رکھتی ہے کہ ۱۰رجولائی تک تیرہ سو کے لگ بھگ خواتین و حضرات اور بچوں کو بچا لیا گیا جن میں مولوی عبدالعزیز کی اہلیہ اور بیٹی بھی شامل ہیں۔

مولوی عبدالرشید غازی نے اگر عورتوں اور بچوں کو یرغمالی بنانے کی بجائے انہیں خود باہر نکال دیا ہوتا تو اتنی زیادہ ہلاکتیں نہ ہوتیں۔بے شک برین واش کئے ہوئے بعض افراد ان کے ساتھ مرنے پر بھی تلے ہوئے ہوں گے لیکن ۱۰رجولائی تک تیرہ سو افراد کا بحفاظت نکال لیا جانا ظاہر کرتا ہے کہ ایک بڑی تعداد کو واقعتاً یرغمال بنایا گیا تھا۔مولوی عبدالرشید غازی کے اس طرزِ عمل سے مجھے انڈو پاک کی فلموں کے روایتی ولن یاد آئے۔فلم کے اختتام سے تھوڑا پہلے وہ ہیرو کی ماں، بہن یا ہیروئن وغیرہ کو اغوا کر کے اپنی جان بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔افسوس یہ ہے کہ عبدالرشید غازی نے اپنے ہی بچوں اور عورتوں کو یرغمال بنا لیا اور حکومت کو بلیک میل کرتے رہے۔اگر وہ ساری خواتین اور بچوں کو خود نکال دیتے اور پھر حکومت کے ساتھ لڑتے ہوئے مارے جاتے تو میرے جیسے گناہ گار لوگ بھی ان کی عظمت کو سلام کرتے۔لیکن اس وقت جتنی افسوسناک اور تکلیف دہ ہلاکتیں ہوئی ہیں میں ان کی زیادہ ذمہ داری مولوی عبدالرشید غازی پر ہی ڈالوں گا، اس معاملہ میں ان کا کردار فلموں کے روایتی ولن جیسا رہا۔

مولوی عبدالعزیز کی بشارتوں میں سے ایک بشارت کا اوپر ذکر کر چکا ہوں۔مجھے قرآن شریف میں بشارت اور انذار کے حوالے سے آیات کو سمجھنے میں کبھی دقت نہیں ہوئی تھی لیکن سورۃ توبہ کی ابتدائی آیات میں ایک جگہ بشارت کا لفظ عذاب کے طور پر پڑھا تو مجھے کچھ حیرانی سی ہوئی تھی۔اب مولوی عبدالعزیز کی بشارتوں کے نتائج سے اندازہ ہو رہا ہے کہ کبھی کبھی عذاب کی خبر انذار کی بجائے بشارت کے لفظ میں بھی بیان ہو سکتی ہے۔اسی سورۃ توبہ میں ایک مسجد ضرار کا ذکر بھی ملتا ہے جو فتنہ و فساد کا مرکز بنا دی گئی تھی۔لال مسجد کو اسلحہ خانہ بنانے والوں نے نفاذ شریعت کے نام پر جو فتنہ گری شروع کر رکھی تھی اپنے زہریلے ثمرات کے لحاظ سے یہ مسجد ضرار والوں سے کم نہ تھی۔

میں نے اپنے ۱۵ اپریل کے کالم (نمبر۱۲) میں ان مولویوں کے کردار اور بھنڈرانوالہ کا حوالہ دیا تھا۔تب میرے ایک قریبی دوست نے گلہ کیا تھا کہ میں نے ''عالمِ دین'' کو سکھوں کے ساتھ ملا دیا۔
۳؍جولائی کی کاروائی کے بعد اخبارات اور ٹی وی پر آنے والے کئی تبصروں اور تجزیوں میں بھنڈرانوالہ کا ذکرِ خیر ہوتا رہا اور دونوں عبدل برادران کے کردار کے ساتھ ان کی مثال دی جاتی رہی۔اس کے نتیجہ میں میرے دوست کا گلہ تو مجھ سے کم ہو گیا ہوگا لیکن اب مجھے عبدل برادران کے ساتھ بھنڈرانوالہ کا ذکر کرنے پر شرمندگی ہو رہی ہے۔ اگرچہ گولڈن ٹمپل میں عورتیں اور بچے موجود تھے لیکن بھنڈرانوالہ نے انہیں یرغمال بنا کر اپنے آپ کو بچانے کی گھٹیا حرکت نہیں کی۔ یہاں تو عبدالرشید غازی نے آخری مرحلہ پر بھی ''پورے پیکیج'' کے نام کے ساتھ اس گھٹیا حرکت پر اصرار جاری رکھا۔ یہ ایک سکھ رہنما اور ایک مولوی کے کردار کا واضح فرق ہے۔ پھر بھنڈرانوالہ نے مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جان دے دی۔ جبکہ عبدل برادران کا بڑا بھائی برقعہ پہن کر فرار ہوتے ہوئے پکڑا گیا اور دوسرا بھائی اپنے سر پر مسلط غیر ملکی دہشت گردوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ آخری مرحلہ پر مذاکرات کی ناکامی کی وجہ واضح طور پر یہی ہے کہ مولوی عبدالرشید غازی اپنے غیر ملکی دہشت گردوں کے لئے بھی تحفظ چاہتے تھے۔حکومت نے اس سے انکار کیا تو قوم کی عورتوں اور بچوں کو یرغمال بنانے والا خود بھی اپنے ہاتھوں سے پناہ دیئے گئے غیر ملکی دہشت گردوں کا یرغمالی بن کر رہ گیا اور انہیں کے ہاتھوں کیفرِ کردار کو پہنچا۔

۳؍جولائی کے دن سے ۱۰ جولائی کی رات تک مولوی عبدالرشید نے اتنے جھوٹ بولے، اتنے پینترے بدلے کہ ان کی حمایت کرنے والوں کی جذباتیت پر حیرانی ہوتی ہے۔ جیو ٹی وی پر ان کے ساتھ مفاہمت کی بات طے کرتے ہوئے کامران خان نے انہیں کہا کہ آپ اس بات پر قائم رہیں گے؟ مولوی عبدالرشید نے کہا میں اس پر قائم ہوں، کامران خان نے اسی وقت حکومتی ذرائع سے رابطہ کیا اور پھر پوری قوم نے دیکھا کہ مولوی عبدالرشید ایک گھنٹے کے اندر اپنی بات سے مکر گئے۔

ایک موقعہ پر انہوں نے مسجد میں بیٹھے ہوئے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ ہمارے پاس کوئی بھاری اسلحہ نہیں ہے، لائسنس والا تھوڑا سا اسلحہ ہے۔ اسی رات پاک فوج کے لیفٹیننٹ کرنل ہارون الاسلام شہید ہو گئے اور بعض دوسرے فوجی زخمی ہوئے۔ اور پھر ٹی وی پر قسم کھا کر بھاری اسلحہ کی موجودگی سے انکار کرنے والے کی طرف سے صرف راکٹ لانچر ہی فائر نہیں ہوئے بلکہ مولوی عبدالرشید نے خود ٹی وی پر بتایا کہ ہمارے پاس اتنا اسلحہ موجود ہے کہ ہم فوج کا ایک مہینے تک مقابلہ کر سکتے ہیں۔ بعد میں مسجد سے جو اسلحہ برآمد ہوا وہ

الگ سے ایک حقیقت ہے۔

شروع میں مولوی عبدالرشید غازی نے سختی کے ساتھ اس بات کی تردید کی کہ مسجد میں یا جامعہ میں کوئی غیر ملکی موجود ہے۔لیکن مذاکرات کی تان اس بات پر آ کر ٹوٹی کہ مجھے تحفظ دینے کے ساتھ غیر ملکی دہشت گردوں کو بھی تحفظ دیا جائے۔ گویا غیر ملکی دہشت گرد واقعی موجود تھے اور ان کی موجودگی سے انکار کر کے مولوی عبدالرشید غازی مسجد میں بیٹھ کر جھوٹ پر جھوٹ بولتے چلے جا رہے تھے۔
ہاں ایک سچ انہوں نے ضرور بولا تھا۔۔انہوں نے حکومت کو دھمکی دی تھی کہ اگر ہمارے خلاف کاروائی ہوئی تو ہمارے پاس اتنے خودکش حملہ آور موجود ہیں کہ پورے ملک میں خودکش حملے ہوں گے۔اب فوج اور عوام کے خلاف ہونے والے خودکش حملوں کی یلغار نے انہیں اس معاملہ میں سچا ثابت کر دیا ہے۔

چند باتیں بطور خاص حکومت پاکستان کے لئے

جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے لئے چند خاص باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔ان میں سے بیشتر سوالات گزشتہ دنوں میں ملک کے مختلف معتدل حلقوں کی طرف سے بار بار اٹھائے جا چکے ہیں اور ان کی تکرار کا مقصد حکومت پاکستان کو لال مسجد معاملہ میں ملوث دوسرے اور شاید اصل کرداروں کے خلاف کاروائی کرنے کے لئے ان کی ذمہ داری کا احساس دلانا ہے۔
۱۔عبدل برادران جب اپنی ''ریاست کے اندر ریاست'' میں مسلسل توسیع کر رہے تھے تو سرکاری زمینوں پر ان کے ناجائز قبضوں کا نوٹس کیوں نہ لیا گیا؟ اور اس حوالے سے ان کے خلاف کاروائی کیوں نہ کی گئی؟
۲۔جن اداروں یا افسران نے اس ''ریاست کے اندر ریاست'' کے خلاف کاروائی کرنا چاہی، اُلٹا ان افسروں یا اداروں کے خلاف کیوں کاروائی ہو جاتی تھی؟ یہ سب کرنے والے با اختیار کون لوگ تھے؟ ان سارے حکام کے نام قوم کے سامنے لائے جائیں اور ان سب کے خلاف بھی دہشت گردی کو تحفظ اور فروغ دینے کے جرم میں مقدمہ قائم کیا جائے۔
۳۔ریاست کے اندر یہ ریاست ملکی سلامتی کے سب سے حساس ادارے آئی ایس آئی کے دفتر سے ایک ،ڈیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر قائم تھی۔ یہاں غیر ملکیوں سمیت ہر طرح کے دہشت گرد پناہ گزیں ہوتے رہے، تعمیراتی طور پر اتنے تہہ خانے بنا لئے گئے کہ فوج کو انہیں چیک کر کے کلیئر کرنے میں کئی دن لگیں گے، یہاں ہر طرح کے اسلحہ کے انبار لگتے رہے، اتنا کچھ ہوتا رہا اور آئی ایس آئی جیسا اہم اور حساس ادارہ اس سب کچھ سے بے خبر رہا؟ کیا واقعی ایسا ممکن ہے؟ یا پھر حکومت کے حساس ادارے ہی ان کی پرورش

کرتے رہے؟اس معاملہ میں آئی ایس آئی کے کردار کوبطورِ خاص سامنے لایا جائے اوراس وقت کے ان سارے اہلکاروں کے خلاف کاروائی کی جائے جو ان مولویوں کو دہشت گردی کے لئے تیار کر رہے تھے۔اگرآئی ایس آئی ان معاملات میں ملوث نہ تھی تو اس کی بے خبری اور نا اہلی کا جرم اصل جرم سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ان تمام معاملات کی عدالتی تحقیقات ضروری ہے۔

۴۔سال۲۰۰۴ء میں دونوں عبدل برادران کو دہشت گردی کے ایک کیس میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔اس سلسلہ میں اس وقت کے حکومتی ترجمان شیخ رشید احمد نے ۱۴راگست کو باقاعدہ اعلان کیا کہ ملک کو دہشت گردی کی ایک بہت بڑی واردات سے بچالیا گیا ہے۔لیکن پھر جنرل ضیاع الحق کے سپوت اعجاز الحق کی سفارش پر دونوں بھائیوں کا نام کیس سے نکال دیا گیا۔کیا اعجاز الحق اس طرح براہ راست ان دہشت گردوں کی حفاظت نہیں کرتے رہے؟اگران کی ضمانت پر دونوں مولویوں کومعافی دی گئی تھی تو اب ان کی موجودہ دہشت گردی کے نتیجہ میں اعجاز الحق کولازماً شاملِ تفتیش کیا جانا چاہیئے اور کیفر کردار تک پہنچانا چاہیئے۔وگرنہ حکومت کی کاروائیاں صرف دکھاوے کی یا مجبوری کی کاروائیاں ثابت ہوں گی۔ حکومت کو دہشت گردوں کے سر پرستوں اور ضمانتیوں سے پاک کرنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا دہشت گردوں کے خلاف کاروائی کرنا۔اعجاز الحق اور چوہدری شجاعت حسین جیسے لوگوں سمیت حکومت کے اندر ابھی بہت سارے اور ایسے عناصر موجود ہیں جو دہشت گردوں کے بنیادی مقاصد کے ساتھ مکمل ہمدردی ہی نہیں رکھتے، بلکہ ان کی دامے، درمے، قدمے سرپرستی بھی کرتے رہتے ہیں۔ان سب کے خلاف تفتیش کرنا لازم ہوگیا ہے۔

۵۔حکومت پاکستان عمومی طور پر اور پاک فوج اور اسٹیبلشمنٹ کے دوسرے بڑے کردار خصوصی طور ۱۹۶۹ء سے اپنے کردار کا جائزہ لیں۔اس زمانے سے مقتدر جرنیلوں اوران کے سیاسی و بیوروکریسی کے مشیروں نے مل کر ملک کی تاریخ اور جغرافیہ دونوں کومسخ کرنے کا کھیل شروع کیا تھا۔اس کھیل کی ابتدا میں ہی ان مولویوں کونظریۂ پاکستان کا چیمپئن بنا دیا گیا جو قیامِ پاکستان کے شدید مخالف تھے۔یہاں اس نکتہ کی تھوڑی سی وضاحت کردوں۔

پاکستان کا سوادِاعظم جسے معروف معنوں میں بریلوی مسلک کے سنی کہا جا سکتا ہے،اپنی تعداد کے لحاظ سے کم از کم ۷۰% ہے۔بریلوی کے برعکس دیوبندی مسلک کے لوگ اوران کے ہم خیال گروپس ۱۰ فی صد کے لگ بھگ ہیں لیکن ایک سازش کے تحت ملک کی خاموش اور پُر امن اکثریت کو اقلیت کی طرح

نظر انداز کر کے ان مکاتب فکر کو آگے لایا جانے لگا۔قیام پاکستان میں سواد اعظم کی حمایت ان رہنماؤں کو حاصل تھی جو شیو کیا کرتے تھے۔اُس زمانے میں کوٹ پتلون پہنا کرتے تھے۔علامہ اقبال ہوں یا قائدِ اعظم اوران کے کشادہ دل وکشادہ نظر ساتھی، یہ سب اپنے حلیہ سے لے کر علم وعمل تک سکہ بند ملائیت سے کوسوں دور تھے۔تب قائدِ اعظم کے خلاف اور مطالبۂ پاکستان کے خلاف یہ سارے علماء زہر افشانی کر رہے تھے جو آج نظریۂ پاکستان کے علم برداراور چیمپئن بنے ہوئے ہیں۔قائداعظم کی مخالفت اور پاکستان دشمنی کی باتیں شاید ایسے سمجھ میں نہیں آئیں گی اس لئے یہاں ان مولویوں کے ماضی کی تاریخ کے چند صفحات نہیں بلکہ صرف چند اقتباسات نمونہ کے طور پر پیش کر دیتا ہوں۔مولویوں کے بولے ہوئے اور لکھے ہوئے ایسے شرمناک بیانات پاکستان کے قیام کی تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔لیکن ہم ایک سازش کے تحت اپنی تاریخ سے غافل کر دیئے گئے ہیں۔(میں یہ اقتباس اپنے حافظہ کی بنیاد پر لکھ رہا ہوں ،اس میں کہیں ایک آدھ لفظ تو آگے پیچھے ہوسکتا ہے لیکن نفسِ مضمون سو فی صد درست ہے اور میں نفس مضمون کی درستی کی مکمل ذمہ داری قبول کرتا ہوں)

۔۔۔ماں نے وہ بچہ نہیں جنا جو پاکستان کی پ بھی بنا سکے۔

۔۔۔پاکستان بن گیا تو پیشاب سے اپنی داڑھی منڈا دوں گا۔اگر مرنے کے بعد بنا تو میری قبر پر آ کر پیشاب کر دینا۔

۔۔۔جب میں مسلم لیگ کے ریزولیشن (۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء) کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔

۔۔۔افسوس لیگ کے قائدِ اعظم سے لے کر مبتدی تک کوئی بھی اسلامی طریق کے مطابق نہیں ہے۔

۔۔۔ اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا یہ قائدِ اعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم

۔۔۔یہ مولوی لوگ ''قائدِ اعظم'' کی بجائے ''کائدِ اعظم''(مکار اعظم) لکھا کرتے تھے۔

جب پاکستان بن گیا تو ان پاکستان دشمن مولویوں نے پاکستان دشمنی کے لئے اپنے ہندوستانی اڈوں میں مقیم رہنے کی بجائے پاکستان کا رخ کرلیا۔اور یہاں بھی اعلانیہ طور پر ایسے بیانات دیتے رہے۔

۔۔۔پاکستان ایک بازاری عورت ہے جسے ہم نے مجبوراً قبول کیا ہے۔

۔۔۔میں نے اپنے دفتر کے چپراسی کا نام قائداعظم رکھ دیا ہے۔

یہ مخالفین پاکستان، قائدِ اعظم کے معاملہ میں اپنے دلوں میں اتنا زہر رکھتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد

مرتے دَم تک کبھی ان کے مزار پر دعائے مغفرت کے لئے بھی جانا گوارا نہیں کیا۔اوراب المیہ یہ ہے کہ یہی لوگ خود کو قائدِ اعظم کے دست راست، مشیر اور نظریاتی ساتھی بتا رہے ہیں۔ان سارے مکروہ چہروں کو بے نقاب کیا جا سکتا تھا اور قوم ان سے ہمیشہ باخبر رہ کر محتاط رہ سکتی تھی۔لیکن افسوس کہ فوج کے چند جرنیلوں، بیوروکریسی اور لوٹا سیاست کے بعض کرداروں نے مل کر نظریہ پاکستان کا راگ الاپتے ہوئے دشمنانِ پاکستان کو پاکستان کا مالک ومختار بنا دیا۔اس ملی بھگت نے پاکستان کا جغرافیہ بھی خراب کیا، پاکستان کی اکثریتی آبادی کو پاکستان سے الگ کردیا اوراسی ملی بھگت نے پاکستان کی تاریخ کو بھی مسخ کر رکھا ہے۔جس ملک وقوم کی تاریخ اور جغرافیہ مسخ کر دیئے جائیں وہاں کا آئین کیونکر مسخ نہ ہوگا۔

اب عبدل برادران کی حمایت میں بولنے والے مولویوں کو دیکھیں تو یہ وہی کردار ہیں، وہی مکاتبِ فکر ہیں جو پاکستان کے قیام کے مخالف تھے،قائدِ اعظم سے نفرت کرتے تھے۔ان کے برعکس وہ علماء جو سترفی صدآبادی کے معتقدات کے ترجمان ہیں وہ آج بھی ان دہشت گردوں سے اپنی بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

۱۱رجولائی کوچھپی ایک خبر کے مطابق: تنظیم المدارس پاکستان کے ناظم اعلیٰ و مہتمم جامعہ نعیمیہ لاہور ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا ہے کہ جو مدارس منفی سرگرمیوں میں ملوث ہیں ان کے خلاف کاروائی ہونی چاہئے اور جو دہشت گردی میں ملوث ہیں انہیں ختم کر دینا چاہئے۔انہوں نے کہا کہ لال مسجد والوں کی منفی سرگرمیوں کی وجہ سے دوسرے مدارس بدنام ہورہے ہیں۔

اب فوج اور دوسرے مقتدر اداروں کے سامنے سیدھا رستہ یہی ہے کہ وہ مسلک کے امتیاز کے بغیر تمام دینی مدارس کی جانچ پڑتال کا کام کریں،ان کی تلاشیاں لی جائیں۔تہہ خانے کھنگالے جائیں۔جن کے دامن صاف ہیں وہ ایسی کسی احتیاطی تدبیر کے خلاف قطعاً کوئی مزاحمت نہیں کریں گے ،ہرطرح سے حکومت کے ساتھ تعاون کرکے ملک میں امن وامان کے قیام میں تعاون کریں گے۔اور جو مدارس لال مسجد و جامعہ حفصہ جیسی دہشت گرد سرگرمیوں میں ملوث ہیں وہ یقیناً ایسے فیصلے اوراقدام کی مخالفت کریں گے۔ پہلے مرحلہ میں تو یہیں پر پُر امن مولویوں اور دہشت گردوں کے ساتھیوں کا ایک واضح فرق سامنے آجائے گا اور حکومتی رٹ قائم کرتے ہوئے تلاشی اور نگرانی کا عمل جاری رکھنے سے مزید دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آتا جائے گا۔ایسا کرنا لازم ہوگیا ہے وگرنہ وقفے وقفے کے بعد لال مسجد جیسے کئی سانحے سامنے آتے رہیں گے۔

مدارس کی مکمل تلاشیوں اور نگرانی کے علاوہ ضروری ہے کہ پاکستان کی تاریخ کو مزید مسخ کرنے سے بچایا جائے۔ابتدائی طور پر پڑھائی جانے والی تاریخ پاکستان میں ان عناصر کے نام لے کر بچوں کو بتایا جائے کہ یہ لوگ پاکستان کے قیام کے اور قائداعظم کے مخالف تھے۔اور تدریجاً اگلے درجوں میں ان کی پوری تاریخ بیان ہوتی چلی جائے۔اس طرح قوم کے ساتھ مزید دھوکے نہیں ہوسکیں گے۔تاریخ کے نصاب میں یہ درستی کرنا ناگزیر ہے۔

دینی مدارس کے حوالے سے ایک اہم بات کرنا ضروری ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ جو دینی مدرسے صرف درس وتدریس تک محدود ہیں وہ پاکستان جیسے اونچ نیچ والے معاشرے میں غریب لوگوں کے بچوں کے لئے تھوڑا بہت پڑھا لکھا ہونے کا سبب بنے ہوئے ہیں۔یہ اس معاشرتی اونچ نیچ کا نتیجہ ہے کہ پہلے مرحلہ میں اعلیٰ درجہ کے تعلیمی ادارے ہیں جہاں تک صرف اشرافیہ کی اولاد کی رسائی ممکن ہے، دوسرے مرحلہ میں سرکاری تعلیمی ادارے ہیں جہاں عام متوسط طبقہ کی رسائی ہے اور تیسرے مرحلہ میں دینی مدارس ہیں جہاں غریب والدین کے بچوں کو کچھ آسرا مل جاتا ہے۔اصولاً تو ایسا ہونا چاہئے کہ تعلیمی اونچ نیچ ختم کرکے سارے تعلیمی اداروں میں یکساں نصاب اور یکساں تعلیمی مواقع مہیا کئے جائیں ۔اس میں ایچی سن اور آرمی برن ہال سے لے کر گورنمنٹ اسکول اور دینی مدرسہ تک سب کے لئے ایک ہی معیار اور نصاب ترتیب دیا جائے۔اگر حکومت جنگی بنیادوں پر ایسا کرنا چاہے تو دو تین سال کے اندر ملک کا نظام تعلیم صحیح خطوط پر استوار کیا جا سکتا ہے۔پھر ہمیں موجودہ دینی مدارس سے اچھے سائنس دان اور ایچی سن سے دینی اسکالرز بھی مل سکیں گے،ایسے دینی اسکالرز جو فرقہ پرستی کی بجائے ادیان کے تقابلی مطالعہ کا شعور رکھنے والے ہوں گے،اوران سب کا علمی مرتبہ پایۂ اعتبار والا ہوگا۔لیکن میں نہیں سمجھتا کہ ہمارا مقتدر طبقہ ایسا کرنا پسند کرے گا۔مقتدر طبقہ کی مفاد پرستی،خودغرضی اور منافقت کی وجہ سے ہی ملک و قوم کو ایسے دن دیکھنا پڑ رہے ہیں۔سو اگر کہیں نیک نیتی کے ساتھ تبدیلی کی خواہش ہے تو تعلیم کے شعبہ میں انقلابی تبدیلیاں لا کر ان میں تدریجاً پیش رفت کی جا سکتی ہے۔

ان مولوی صاحبان کی تفہیمِ دین اتنی محدود ہے کہ چھاپہ خانہ کے قیام پر انہوں نے کفر کا فتویٰ جاری کیا،قرآن شریف کے پہلے ترجمہ پر انہوں نے تکفیر کی، لاؤڈ اسپیکر کو انہوں نے شیطانی آلہ قرار دیا(اوراب اس شیطانی آلے کے سب سے گہرے دوست یہی لوگ ہیں)،سرسید احمد خان نے زمانے کی رفتار دیکھ کر مسلمانوں کو انگریزی پڑھنے کی طرف راغب کرنا چاہا تو انگریزی پڑھنا اور پڑھانا حرام قرار

دے دیا گیا۔اب سارے مولوی ان ساری تبدیلیوں کو نہ صرف مان چکے ہیں بلکہ ان سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں لیکن کوئی نہیں جس میں اتنی اخلاقی جرات ہو جو کہہ سکے کہ ہمارے اکابرین کو وقت کی تبدیلیوں کا شعور ہی نہیں تھا(اور اب بھی نہیں ہے) علامہ اقبال مسلمانوں کو اجتہاد کے لئے کہتے کہتے گزر گئے۔اس وقت مسلمانوں کے بیشتر مسائل کا حل اجتہاد میں ہے۔مجبوراً تو وقت کے ساتھ مانتے جاتے ہیں لیکن وقت سے پہلے حقائق کا ادراک نہیں کریں گے۔اجتہاد کے ضمن میں کسی لمبی چوڑی بحث میں پڑے بغیر صرف دو مثالیں دے کر غور و فکر کی دعوت دیتا ہوں۔نمازوں کے اوقات احادیث مبارکہ میں بیان کئے گئے ہیں۔اب ہم جدید زمانے کی گھڑیوں کے ساتھ ہم آہنگ کرکے ان گھڑیوں سے وقت کا تعین کرتے ہیں۔قرآن شریف میں روزے کے سحر و افطار کے لئے سفید لکیر اور سیاہ لکیر کے فرق والی جو آیات ہیں وہ تو مذہبی زبان میں نص صریح ہیں۔لیکن کیا کوئی ایک مولوی بھی اب اس نص صریح پر عمل کر سکتا ہے اور کرا سکتا ہے؟اس کے لئے بھی ہم قرآنی حکم کی روح کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گھڑیوں سے ہی استفادہ کرتے ہیں۔بس نماز کی ٹائمنگز اور سحر و افطار کی ان مثالوں کے مطابق جدید دور کے تقاضوں کے پیش نظر اسلامی احکامات کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اجتہاد کی ضرورت ہے اور جدید دور کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کے لئے ایسا ناگزیر ہے۔ورنہ برق رفتاری کے ساتھ بڑھتا ہوا وقت کا پہیہ اپنے نیچے آنے والوں کو روندتا ہوا گزر جائے گا۔دنیا چاند سے بھی آگے پہنچ جائے گی اور ہم عید کے چاند کی تاریخوں پر ہی لڑتے رہیں گے۔اور چھوٹے چھوٹے مفادات کے لئے اشتعال انگیزی سے کام لیتے رہیں گے۔
مولویانہ اشتعال انگیزی کی جھلک کے طور پر دائیں بازو کے معروف اخبار کے دو کالم نویسوں کے دو اقتباس یہاں پیش کئے دیتا ہوں۔:

''امریکہ کی ایک مسجد میں رونما ہونے والا واقعہ یاد آ گیا۔دو مولویوں میں رنجش ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ایک ہاتھ میں دوسرے کی داڑھی تھی کہ پولیس آن پہنچی اور دونوں کو حراست میں لے لیا گیا۔مسلمان کی بدنامی ہوئی جبکہ مولوی صاحبان نے عدالت میں کہا کہ پولیس کے اہلکاروں نے جوتیوں سمیت مسجد میں داخل ہو کر مسجد کی بے حرمتی کی ہے۔اسلام کے محافظوں کی حرکات اور بیانات پر ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی'' **(نوائے وقت ۱۱ جولائی ۲۰۰۷ء)**

''ہمارے ایک دوست بتاتے ہیں کہ انہیں ایک گاؤں میں نماز جنازہ پڑھنے کا موقعہ ملا۔نماز جنازہ پڑھ کر مجھے احساس ہوا کہ امام صاحب کو نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی دعائیں یاد نہیں ورنہ وہ اتنی جلد

اور بے ہنگم طریقے سے نماز نہ پڑھاتے۔میں نے سوچا امام صاحب کو احساس دلاؤں مگر اس انداز میں کہ وہ برا نہ منائیں۔تدفین کے مراحل باقی تھے،امام صاحب ایک درخت کے نیچے براجمان تھے جو ایک بوسیدہ قبر کی پائینتی کی طرف اُگ آیا تھا۔میں نے عرض کیا کہ مجھے پوری نماز جنازہ یاد نہیں،اگر آپ یہ پڑھتے جائیں اور میں دہراتا جاؤں تو میری اصلاح ہو جائے گی اور آپ کو ثوابِ دارین ہوگا۔پہلے تو انہوں نے وقت کی تنگی کا بہانہ بنایا،پھر مسجد میں آ کر فارغ وقت میں دعائیں سیکھنے کی دعوت دی۔یہ بھی باور کرایا کہ بازار میں کتابیں دستیاب ہیں مگر جب انہوں نے دیکھا کہ میں کسی صورت جان نہیں چھوڑ رہا تو انہوں نے سر اُٹھایا،آواز قدرے بلند کی اور کہا'تمہیں قبرستان میں بیٹھ کر ناموس رسالت کا کوئی احساس نہیں اور مسلسل گستاخی کئے جا رہے ہو'۔مولوی صاحب کا تیر نشانے پر بیٹھا۔میں جوتی قبرستان میں چھوڑ کر بھاگ آیا کہ کہیں کھودی جانے والی قبر میں میرا ہی مردہ نہ پڑا ہو۔'' **(نوائے وقت ۲ جون ۲۰۰۷ء)**

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے سانحہ کے بعد عوامی سطح پر کوئی بڑا ردِ عمل سامنے نہیں آیا اور ایک بار پھر ثابت ہو گیا کہ پاکستانی عوام کی بڑی اکثریت مذہب سے تو وابستہ ہے لیکن ملائیت سے بیزار ہے۔ چنانچہ فوجی جرنیلوں کے پالے ہوئے اور طویل عرصہ تک امریکی اور اسرائیلی مفادات کے لئے امریکی برانڈ جہاد کرنے والے سابق مجاہدوں اور موجودہ دہشت گردوں نے عوامی رویے سے دل برداشتہ ہو کر خود کش حملوں کا رستہ اختیار کر لیا ہے۔اگر ان عناصر کی ان کے اندرونی و بیرونی سرپرستوں اور ہمدردوں سمیت سب کی فوج نے بروقت سرکوبی نہیں کی تو پھر بڑے بڑے خطرات اور بڑی تباہی کا یقین رکھنا چاہئے۔ جن ملکوں اور اداروں نے ان دہشت گردوں کو پالا،پوسا،جوان کیا اور جن کے لئے یہی مولوی لوگ سوویت یونین کے خلاف جنگ کے دوران فخریہ طور''اہل کتاب بھائی'' کے الفاظ ادا کرتے ہوئے سرشار ہو جایا کرتے تھے،اب انہیں روکنے کے لئے بھی انہیں اداروں کو ٹھوس کام کرنا ہوگا۔'اِس کو بچا لو اور اُس کو رگڑ دو' والی پالیسی اب کام نہیں آئے گی۔مقتدر جرنیلوں،سارے خفیہ اداروں کو بخوبی علم ہے کہ کون کون سے مجاہدین گروپ دہشت گردی میں ملوث ہیں،کون کون سے مدرسے عسکری تربیت یا مجاہدین کی تربیت کا کام کرتے رہے ہیں۔کون سے سیاسی علماء بظاہر غیر متعلق ہو کر بھی درحقیقت ایسی دہشت گردی کے سرپرست ہیں۔اس لئے ان سب کے خلاف ایک بڑے آپریشن کی ضرورت ہے،ایسا جتنا جلدی کر لیا جائے ملک کے مفاد میں ہے۔ورنہ اچھی طرح یاد رکھیں کہ امریکہ اور اسرائیل کے پاس اپنی دی ہوئی رقوم کے ایک ایک پیسے کا حساب محفوظ ہے،مجاہدین کو دیئے ہوئے اسلحہ کی ایک ایک گولی کا ریکارڈ موجود

ہےاور کہاں کہاں ان کی فراہمی ہوکر کہاں کہاں تک پہنچتی رہی،اس سب کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔

اگر یہ مغرب اور اسلام کی جنگ ہے تو اس میں مغرب والے ہر داؤ، ہر چال دانشمندی سے کھیل رہے ہیں جبکہ مسلم انتہا پسند گروپ ہر چال جذباتیت اور مشتعل مزاجی کے ساتھ کھیلتے ہوئے صرف خود کولہولہان کر رہے ہیں،اسلام کو بدنام کر رہے ہیں۔یہ بے وقوفی ہے۔مقتدر جرنیلوں اور حساس قومی اداروں نے بروقت اپنی ذمہ داری ادا نہیں کی اور ایسے تمام مذہبی انتہا پسندوں اور دہشت گردوں کے خلاف فیصلہ کن کارروائی نہیں کی تو ابھی کئی لال مسجدیں سامنے آئیں گی اور پھر پاکستان کو افغانستان اور عراق جیسے حالات کا شکار ہونے سے بچایا نہیں جا سکے گا۔شاید یہ اصلاح احوال کی آخری گھڑیاں ہیں۔

۱۸؍جولائی ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:۱۸

اس بار اِدھر اُدھر کی مختلف باتیں کروں گا لیکن میرا خیال ہے کہ ان سب میں ایک ربط بھی کہیں نہ کہیں ملے گا۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ کے سانحہ کے حوالے سے لکھے گئے میرے گزشتہ کالم کے بارے میں کافی اچھا ردِعمل سامنے آیا۔بعض نامور ادیبوں نے بھی حقائق کے تجزیہ کو درست قرار دیتے ہوئے میری حوصلہ افزائی کی۔اس دوران لال مسجد کے دہشت گردوں کی حمایت کرنے والوں کے کئی روپ سامنے آئے۔چھ ماہ سے جن لوگوں نے اسلام کے نام پر اسلام کو تماشا بنا کر رکھ دیا تھا اب انہیں کے بھائی بند اُن کی حمایت میں مختلف ذرائع سے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔اسی سکول آف تھاٹ کے صحافی،اسی مکتب فکر اور فکری ہمنواؤں کے سیاستدان،اسٹیبلشمنٹ میں موجود افراد،سب کی ملی بھگت کے ساتھ پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے۔میں اس سانحہ کے انسانی مسئلہ کی المناکی کا ذکر گزشتہ کالم میں کر چکا ہوں اور اس المیہ کی سب سے زیادہ ذمہ داری لال مسجد کے عبدالعزیز اور عبدالرشید غازیوں پر ہی عائد ہوتی ہے جنہوں نے اپنے ہی بچوں کو یرغمال بنا کر حکومت کو بلیک میل کیا۔آپریشن سائلینس سے کچھ دیر پہلے تک اسی مکتبِ فکر اور فکری ہمنواؤں کے افراد اپنے اپنے داؤ پر بیٹھے ہوئے تھے۔کوئی بیٹھے بٹھائے مفت میں ۱۶،ایکڑ زمین کو اپنے قبضہ میں لینے کا کھیل کھیل رہا تھا تو کوئی کچھ اور چال چل رہا تھا۔

جو لوگ حکومتی رٹ کو دارالحکومت میں بیٹھ کر چیلنج کرنے والوں کی حمایت کر رہے ہیں انہیں صرف اتنا یاد دلاؤں گا کہ جب مشرقی پاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت کچھ اور چاہ رہی تھی، تب الشمس اور البدر تنظیموں کے نام پر وہاں کیا کچھ نہیں ہوا تھا۔تب یہی مذہبی دہشت گرد وہاں کی اکثریت کی خواہش کو کچلنے کے لئے قتل و غارت کا بازار گرم کئے ہوئے تھے۔ان کے نزدیک مشرقی پاکستان کے عوام کی بھاری اکثریت ملک سے غداری کر رہی تھی اس لئے وہ قتل و غارت جائز تھا،اور اب جب ان کی غیر قانونی سرگرمیوں کا نوٹس لیا گیا ہے تو انہیں انسانی حقوق اور شہری حقوق یاد آتے جا رہے ہیں۔بہر حال عبدالرشید غازی کے کئی کھلے جھوٹ بولنے کے باوجود ایک سچ تو روز بروز عیاں ہوتا جا رہا ہے۔انہوں نے حکومت کو

دھمکی دی تھی کہ اگر ہمارے خلاف کاروائی ہوئی تو ہمارے پاس اتنے خودکش حملہ آور موجود ہیں کہ پورے ملک میں خودکش حملے ہوں گے۔سو ملک بھر میں خودکش حملوں کا سلسلہ بڑھتا جا رہا ہے۔تربیلا غازی میس میں ہونے والا حملہ ان جوانوں پر کیا گیا جنہوں نے لال مسجد آپریشن میں حصہ لیا تھا۔یوں لال مسجد،طالبان اور القاعدہ کے فکری ڈانڈے ہی نہیں دہشتگردی کے ڈانڈے بھی ملے ہوئے تھے جو کھل کر سامنے آگئے ہیں۔اس سال پاکستان میں خودکش حملوں سے ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد افغانستان سے بڑھ چکی ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق خودکش حملوں سے ہونے والی ہلاکتوں کی تعداد کے لحاظ سے عراق پہلے نمبر پر ہے،پاکستان دوسرے نمبر پر اور افغانستان تیسرے نمبر پر۔

نائن الیون کے بعد میں نے **منظر اور پس منظر** کے نام سے جو کالم لکھے تھے،اور جو بعد میں کتابی شکل میں چھپے تو میں نے اس کتاب کا انتساب جنرل پرویز مشرف کے نام کیا تھا۔اب حالیہ دنوں میں جنرل پرویز مشرف کے بعض غلط اقدامات پر جب میں نے کچھ تلخی کا مظاہرہ کیا تو میرے دوست ارشاد ہاشمی صاحب نے طنزاً یاد دلایا کہ میں تو جنرل مشرف کا مداح تھا۔ارشاد ہاشمی مسلم لیگ نون والے جاوید ہاشمی کے کزن ہیں اور جرمنی میں مقیم میرے بہت قریبی دوستوں میں سے ہیں،اس لئے ان کی بات کے جواب کے طور پر چند وضاحتیں کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔پہلے تو میرے کتاب میں شامل انتساب کے الفاظ یہاں پیش ہیں۔

صدرِ پاکستان جنرل پرویز مشرف کے نام

جنہوں نے بالکل جائز بنیاد پر ملک کا اقتدار سنبھالا،جنہوں نے یکا یک بدلتے ہوئے عالمی حالات میں بہت سے ناگوار سہی مگر بروقت اور درست فیصلے کئے،جنہوں نے اقتصادی لحاظ سے ڈوبتے ہوئے ملک کو کسی طرح سہی،اقتصادی زبان میں سنبھالا دیا،**لیکن** جنہوں نے اندرون ملک،قومی دولت لوٹنے والوں سے کسی سیاسی امتیاز کے بغیر ملک کی دولت واپس لانے کا سب سے اہم اور بنیادی فرض فراموش کر دیا ہے،اور جو اپنی سیاسی مجبوریوں کے باعث بہت سے بڑے چوروں کا سیاسی تعاون حاصل کرنے کے لئے انہیں اپنے سیاسی سیٹ اپ میں حصہ دار بنائے بیٹھے ہیں ۔

میں نے جنرل پرویز مشرف کے بارے میں ہمیشہ یہ کہا ہے کہ ان کا اقتدار پر آنا میاں نواز

شریف کے غلط اقدام کا نتیجہ تھا۔انہوں نے آکر دیوالیہ کے قریب پہنچی ہوئی ملکی معیشت کو ایک حد تک سنبھالا دیا،اور نائن الیون کے سانحہ کے بعد جو فیصلہ کیا بعض جزوی کمزوریوں کے باوجود وہ فیصلہ ایک درست فیصلہ تھا۔اسی عرصہ کے دوران جنرل پرویز مشرف کی حمایت کرنے کے باوجود میں نے بار ہا یہ لکھا کہ بے نظیر بھٹو کے ساتھ رویے کو تبدیل کیا جانا ضروری ہے اور میاں نواز شریف کی وطن واپسی کی بھی حمایت کی۔تاہم بے نظیر بھٹو کی بعض کمزوریوں اور میاں نواز شریف کی بہت ساری کمزوریوں کا بھی میں نے کھل کر ذکر کیا۔جنرل پرویز مشرف کی آمد کو جائز ماننے کے باوجود میں نے ان کے بعض اقدامات پر کڑی تنقید کی۔بعض ایسے سخت الفاظ تک لکھے جو پاکستان کے کئی بے باک صحافی بھی لکھتے ہوئے کچھ احتیاط کرتے ہیں(اور ان کی احتیاط بجا ہے)۔خصوصاً جب جنرل پرویز مشرف نے لوٹی ہوئی قومی دولت واپس لانے کا وعدہ پورا کرنے کی بجائے ان ٹھگ اور لٹیرے طبقوں کو مزید اربوں کے قرضے معاف کر دیئے تو تب میں نے انتہائی سخت الفاظ میں ان کے اس اقدام کی مذمت کی تھی۔اس نوعیت کے میرے اظہار خیال کے ثبوت کے طور پر اپنے کالموں کے مجموعہ **منظر اور پس منظر** کے یہ چند صفحات بطور حوالہ پیش کر رہا ہوں۔۲۷،۸۰،۸۱،۸۲،۸۳،۱۰۲،۱۰۳۔۔۔۔۔کالموں کے دوسرے مجموعہ **خبر نامہ** کے یہ چند صفحات بھی بطور حوالہ کے پیش ہیں۔۱۷،۱۹،۵۶،۵۷،۶۶،۷۲،۷۶،۷۷، ۸۴،۹۶،۹۸،۱۱۲،۱۱۶،۱۲۸۔۱۳۰،۱۴۰،۱۵۴،۱۵۵۔اس لئے یہ واضح رہے کہ میں نے جنرل پرویز مشرف کے لئے لکھے ہوئے پہلے جملوں میں بھی ان کی تعریف کے ساتھ ان کی کمزوریوں کی نشاندہی کر دی تھی اور آج حقیقتاً وہی کمزوریاں ان کو زوال کی طرف دھکیل رہی ہیں۔

ہر چند اس وقت ملک میں ملائیت کے عفریت نے دہشت گردی کی جو صورت اختیار کر لی ہے،اس سے نمٹنا اب اولین ترجیح بن گئی ہے۔تاہم اس کے بعد سب سے پہلی ترجیح قوم کی لوٹی ہوئی ایک ایک پائی واپس لانا ہی،ملک کی ترقی کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے۔یہ لوٹ مار جن شکلوں میں بھی ہوئی ہے جنرل ضیاع الحق کے دور سے اب تک کی ساری لوٹی ہوئی دولت واپس لانا ناگزیر ہے۔یہ اتنی بڑی کرپشن ہے کہ اس کی واپسی سے پاکستان کا سارا بیرونی قرض اتر جاتا ہے اور عوامی فلاح و بہبود کے کئی منصوبے شاندار طریقے سے شروع کئے جا سکتے ہیں۔جو رہنما بھی جنرل ضیاع الحق کے دور سے لے کر اب تک کی لوٹی ہوئی دولت قوم کو واپس دلائے گا،وہی پاکستان کا اصل بہی خواہ اور سچا رہنما ہوگا۔باقی سب اس چور اور ڈاکو طبقہ کے لوگ ہیں جو سیاسی،مذہبی یا اور کسی بھی دلفریب روپ میں صرف ملک کو لوٹ

رہے ہیں۔

جہاں تک ملائیت کے عفریت اور دہشت گردی سے نمٹنے کا تعلق ہے، اس سلسلہ میں پہلے ذہن کو واضح کر لینا ضروری ہے۔ افسوس کہ جنرل پرویز مشرف سات سالہ گومگو کی کیفیت کے بعد ابھی تک درست ڈائریکشن میں کاروائی نہیں کر سکے۔ جس عفریت کو قابو میں لانا ہے، اس کے بہی خواہ جنرل یحییٰ کے زمانہ سے فوج، خفیہ اداروں اور بیوروکریسی میں گھسنا شروع ہوئے تھے اور اس وقت ان تمام اداروں میں ۶۰ فی صد سے زیادہ یہی لوگ گھسے ہوئے ہیں، چھائے ہوئے ہیں۔ انہیں کی وجہ سے جنرل پرویز مشرف کے درست اقدامات سست روی کا شکار بنا دیئے جاتے ہیں اور انہیں کی وجہ سے دہشت گردی کی وہ ساری صورتیں کھل کر سامنے آگئی ہیں جنہیں چند برس پہلے تک ہم سب بھی صرف امریکی پروپیگنڈہ اور حامد کرزئی کا واویلا کہہ کر نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ سو کسی بھی گند کی صفائی سے پہلے گندگی کی صفائی پر مامور عملہ کی صفائی ضروری ہے۔ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ فلاں ماڈریٹ ہے اور فلاں دہشت گرد تو غلط کہتا ہے۔ اور اگر کوئی اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ خود بھی اُسی ساٹھ ستر فیصد دھڑے کا آدمی ہے۔ یہ جو پاکستان کے قبائلی علاقوں میں مقامی طالبان نے اڑھائی، تین سو کے لگ بھگ پاکستانی فوجی یرغمالی یا قیدی بنا لئے ہیں، یہ شاید اسی ساٹھ ستر فیصد دھڑے کے لوگوں کا کیا دھرا ہے۔ اس علاقہ میں حالیہ دنوں میں اٹھارہ فوجیوں کو ایک دن اغوا کیا گیا اور دوسرے دن ان سب کی لاشیں مل گئیں۔ قبائلی علاقوں سے اسلام آباد تک اور اسلام آباد سے قبائلی علاقوں تک جو باطنی لہریں چل رہی ہیں یہ سارے واقعات ان کی بخوبی نشاندہی کرتے ہیں۔

ابھی چند دن پیشتر مولانا فضل الرحمٰن نے امریکہ کو پیش کش کی ہے کہ وہ طالبان اور مغرب کے درمیان ثالثی کرانے کو تیار ہیں۔ میں نے اپنے ۱۶/اکتوبر ۲۰۰۲ء کے کالم (ذیلی عنوان: ''متحدہ مجلس عمل، امریکہ اور افغانستان'') میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا تھا کہ امریکہ ایم ایم اے کے ذریعے افغانستان میں امن قائم کر کے اپنے مفادات کے حصول کا اصل کام شروع کرے گا اس میں مختلف امکانات کا ذکر کرنے کے بعد میں نے آخر میں لکھا تھا کہ:

''اگر ایسا کچھ نہیں ہوتا تو پھر وہ سب کچھ تو ہوگا ہی جس کے بارے مختلف طبقات کی طرف سے مختلف خدشات، شکوک وشبہات اور تحفظات کا اظہار کیا جا رہا ہے''۔۔۔ یہ کالم اس لنک پر براہ راست پڑھا جا سکتا ہے۔

http://urdustan.com/manzar/2002/1016.html

افسوس یہ ہے کہ ایم ایم اے نے امن کی بحالی کے لئے کوئی موثر کردار ادا کرنے کی بجائے اپنی سیاست گری کا تماشہ دکھائے رکھا۔ اس کے نتیجہ میں طالبان نے پاکستان کے اندر بھی اپنے مضبوط گڑھ بنا لئے۔ اب مولانا کی طرف سے امریکہ کو یا مغرب کو طالبان کے درمیان ثالثی کی پیش کش کرنا ویسا ہی سیاسی عمل ہے جیسا وہ لندن کی اے پی سی میں ادا کر آئے ہیں۔ میرا خیال ہے مولانا نے بہت دیر کر دی ہے۔

یہاں ایک نجی نوعیت کی ہلکی پھلکی سی بات یاد آگئی۔ اپوزیشن کے رہنما مولانا فضل الرحمٰن ایک بار رمضان شریف کے مہینے میں جرمنی میں آئے تو ان کی جماعت یا اپوزیشن کی کسی جماعت نے نہیں بلکہ سرکاری مسلم لیگ قاف کے مقامی عہدیداروں نے ان کی دعوت کی۔ اتفاق سے مجھے بھی اس دعوت میں جانے کا موقعہ ملا۔ مولانا سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ میری کتاب **منظر اور پس منظر** انہیں ملی تھی لیکن کوئی صاحب ان سے وہ کتاب پڑھنے کے لئے لے گئے تھے۔ اس پر میں نے انہیں اس کتاب کا ایک اور نسخہ پیش کر دیا۔ کتاب کا ٹائیٹل دیکھ کر انہوں نے مزاحاً کہا کہ آپ نے باقی ساری دنیا کے لیڈروں کو جنرل مشرف کے ارد گرد رکھا ہوا ہے اور انہیں مرکزی حیثیت دی ہوئی ہے۔ اس پر میں نے برجستہ کہا تھا کہ یہ مرکزی حیثیت کہاں ہے؟۔ دنیا کے اور پاکستانی لیڈروں نے مل کر بے چارے جنرل مشرف کو گھیرے میں لے رکھا ہے۔ میرے جواب پر وہ اپنے مخصوص مولویانہ انداز میں مسکرا دیئے تھے۔

میرا خیال ہے کہ ایم ایم اے امریکہ کے ساتھ اپنے پرانے رومانس کو بحال کرنے کی پوزیشن میں تھی لیکن اس نے اپنی بولی زیادہ لگوانے کے چکر میں پانچ سال ضائع کر دیئے ہیں۔ اب امریکہ بلا امتیاز اپنے پرانے وفاداروں اور موجودہ دہشت گردوں، مذہبی انتہا پسندوں کے خلاف سخت کاروائی کا ارادہ کر چکا ہے۔ اور اس کاروائی میں مذہبی انتہا پسندوں کے ساتھ پاکستان کے کھلے دل اور کھلے ذہن والے عوام کی اکثریت بھی لپیٹ میں آ سکتی ہے۔ خدا کرے کہ ایسا نہ ہو اور اصلاح احوال کی کوئی بہتر صورت نکل آئے۔

چیف جسٹس کے خلاف جنرل پرویز مشرف کا ریفرنس اپنے عبرتناک انجام کو پہنچ چکا ہے۔ ان کی بحالی کے ساتھ قوم کے دل میں اپنی عدلیہ سے انصاف کی کچھ امید پیدا ہوئی ہے۔ چیف جسٹس محمد افتخار چوہدری از خود نوٹس لے کر عوامی مفاد کے کئی تاریخی نوعیت کے فیصلے کر چکے ہیں۔ اب بحالی کے بعد تین

اشوز خصوصی تقاضہ کرتے ہیں کہ وہ ان کے حوالے سے بھی اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں۔

پہلا کام تو یہ کہ سندھ ہائی کورٹ از خود نوٹس کے تحت ۱۲ مئی ۲۰۰۷ء کے سانحہ کراچی کی جو کارروائی کر رہی ہے، اسے کسی کے بھی دباؤ کے تحت ماند نہ پڑنے دیا جائے۔ عدالتی تحقیقات کے تحت جو سفاک کردار سامنے آتے ہیں ان کے خلاف سخت قانونی کارروائی ہونی چاہئے۔ چیف جسٹس خود اس ساری کارروائی پر نظر رکھیں۔

دوسرا اہم کام یہ کہ ان کے خلاف ریفرنس کی ناجائز زیادتی کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ ان کے صاحبزادے ارسلان کی محکمانہ ترقیوں میں ناجائز سفارش کے عنصر کا گہرا شک موجود ہے۔ اگرچہ یہ لعنت پورے مقتدر طبقے میں 'ماں کے دودھ' کی طرح سرایت کر چکی ہے، تاہم اب چیف جسٹس محمد افتخار چوہدری کو قوم نے جس انداز سے بحال کرایا ہے اور ان سے جو توقعات وابستہ کر لی ہیں، ان کا تقاضہ ہے کہ وہ خود اپنے بیٹے کی میرٹ کے بغیر ہونے والی ترقیات کے ضمن میں لگائے گئے سارے الزامات کا نوٹس لیں۔ اس میں ناجائز ترقی دینے والے اور دلانے والے جو کردار بھی سامنے آئیں انہیں قانون کے مطابق سزا دی جائے۔ اگر ارسلان کو ناجائز ترقیات دی گئی ہیں تو یہ ترقیات بھی واپس کرائی جائیں۔ اگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تو ارسلان کے امتحان سے ترقیات تک کا سارا ریکارڈ قوم کے سامنے لایا جائے تاکہ چیف جسٹس کی شخصیت پوری طرح بے داغ دکھائی دیتی رہے۔

نعیم بخاری نے چیف جسٹس کے خلاف ریفرنس دائر ہونے سے پہلے جو ''بدنامِ زمانہ'' سرکلر جاری کیا تھا، اس کے نتیجہ میں ان کے ساتھ کافی کچھ ہو چکا ہے۔ لیکن اب چیف جسٹس کی بحالی کے بعد نعیم بخاری ایک مقدمہ میں پیش ہونے کے لئے لاہور کی عدالت میں گئے تو ان کے ساتھ بعض وکیلوں نے انتہائی غنڈہ گردی کا بلکہ گھناؤنا قسم کا سلوک کیا۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو چاہئے کہ نعیم بخاری کے ساتھ ہونے والی زیادتی کا نوٹس لیں (اب تک نوٹس لے لیا ہوتا تو اس سے اُن کی عزت میں اضافہ ہوا ہوتا)۔ یہ انتہائی شرمناک سانحہ ہوا ہے۔ اگر افرادی قوت اور غنڈہ گردی کے بل پر ''انصاف'' ہونے لگا تو یہ مارشل لا کی حمایت کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہوگا۔ اس کا نقصان بھی خود عدلیہ ہی کو ہوگا۔ ۱۲ مئی کے سانحہ کی سندھ ہائی کورٹ میں جو کارروائی ہو رہی ہے، ایم کیو ایم نے اسے اپنے کارکنوں کے ذریعے جس انداز میں ہینڈل کرنے کی کوشش کی ہے اور جس طرح پانچ سو گواہان کو پیش کر کے معاملہ کو بے جا طول دینے کی ابتدائی کاوش کی گئی ہے، یہ بھی عوامی طاقت کا مظاہرہ کر کے ''انصاف'' کی فراہمی میں رکاوٹ

ڈالنا ہے۔ لیکن جب خود چیف جسٹس سے محبت اور ان کی حمایت کے نام پر نعیم بخاری کے ساتھ غنڈہ گردی کی جا سکتی ہے تو پھر ہر کسی کا حق بنتا ہے کہ اپنے اپنے مقامات پر اپنی اپنی عوامی طاقت کا مظاہرہ دکھائے اور اپنی مرضی کا انصاف حاصل کر لے۔

پاکستان جن مختلف سماجی، سیاسی، آئینی امراض میں مبتلا ہے، ان میں کرپشن ایک قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ کرپشن کا ناسور ہر شعبہ میں سرایت کر چکا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان میں عدلیہ کا ادارہ کرپشن میں تیسرے نمبر پر ہے۔ یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ کوئی مشکل مقدمہ ہو تو اچھا وکیل کرنے کی بجائے براہِ راست اچھا جج کر لو۔ چھوٹی عدالتوں میں ہونے والی کرپشن کے بارے میں اس سے کافی حد تک اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری فوری نوعیت کے حساس معاملات میں از خود نوٹس ضرور لیں لیکن ان کی پہلی ترجیح نیچے سے اوپر تک عدلیہ کو کرپشن سے پاک کرنا اور عوام کے لئے انصاف کی فراہمی کو سستا اور آسان کرنا ہونا چاہئے۔

بارہ مئی کے سانحہ کراچی کے بعد میں نے ۱۳ مئی کو کالم لکھا تھا اور اسی روز اسے آن لائن کرایا تھا۔ میرا وہ کالم اس بات کا گواہ ہے کہ میں نے چیف جسٹس کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم اور زیادتی کے خلاف لکھتے ہوئے کسی کے ساتھ کوئی رُو رعائت نہیں کی تھی۔ پرنٹ میڈیا میں شاید یہ اس موضوع پر چھپنے والا سب سے پہلا کالم تھا۔ تب بھی میرے پیشِ نظر یہی تھا کہ ناانصافی اور ظلم کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ سو اب جو میں نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے لئے چند گزارشات پیش کی ہیں تو ان کا مقصد بھی یہی ہے کہ چیف جسٹس انصاف کی فراہمی اور ظلم کے خاتمہ کے لئے اپنی ترجیحات میں ان امور کو بھی شامل کریں۔

یہاں ضمناً ایک اور بات کا ذکر بھی کر دوں۔ میں نے کئی برس پہلے سے لکھنا شروع کیا تھا کہ بے نظیر اور نواز شریف دونوں کو پاکستان آنے دیا جانا چاہئے۔ تاہم نواز شریف کی جلاوطنی کے حوالے سے سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا، اس سے ایسا لگا جیسے عدالتِ عظمیٰ کسی غصہ کا اظہار کر رہی ہے۔ شیر افگن نیازی نے اس فیصلہ کے خلاف جو ریمارکس دیئے تھے، لب و لہجہ، الفاظ کے چناؤ وغیرہ کے لحاظ سے تو نامناسب تھے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس بارے میں نواز شریف کے معاہدہ یا انڈرسٹینڈنگ کو یکسر نظر انداز کر دینا حیران کن امر ہے۔ یہ نواز شریف اور شہباز شریف کا کسی سے کیا ہوا معاملہ تھا تو عدلیہ کو چاہئے تھا کہ ان کے حمایتیوں سے کہتی کہ اس کے بارے میں شریف برادران سے پوچھا جائے کہ وہ اس تحریر کو مانتے ہیں یا

نہیں؟ اگر مانتے ہیں تو انہوں نے ایسی تحریر کیوں دی تھی؟ شریف برادران سے تحریری بیان منگایا جاتا اور پھر کوئی فیصلہ صادر کیا جاتا۔عدالت عظمیٰ نے جس عجلت میں مختصر فیصلہ سنایا (تفصیلی فیصلہ ابھی تک جاری نہیں ہوا)،اس سے تو خود شریف برادران بھی پریشان ہو گئے کہ وہ اپنے بین الاقوامی مصالحت کاروں کے ساتھ معاملات کو حتمی صورت نہیں دے پائے تھے۔اور اسی وجہ سے دونوں بھائیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ایک کو لندن میں ہی رک جانا پڑا اور دوسرے کو اسلام آباد آ کر پھر جدہ جانا پڑا۔اگر بین الاقوامی مصالحت کاروں کے ساتھ سارے معاملات پوری طرح سیٹ کر لئے ہوتے تو شاید ایسی صورتحال پیش نہ آتی۔یوں آئینی طور پر ایک درست فیصلہ ہونے کے باوجود اس کے بین الاقوامی تناظر کو یکسر نظر انداز کر دینے اور عجلت میں فیصلہ دینے سے یہ فیصلہ ذاتی ناراضی کے تاثر کو چھپا نہیں سکا۔

میاں نواز شریف ۱۰ستمبر کو اسلام آباد آنے کا اعلان کر چکے تھے،مجبوراً انہیں آنا پڑا اور جیسے شہباز شریف کو لاہور سے جدہ بھیج دیا گیا تھا ویسے ہی نواز شریف کو بھی جدہ بھیج دیا گیا۔اس حوالے سے واقفان حال نے اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہی۔اب تازہ ترین خبر یہ ہے کہ اندر خانے جو معاملات طے پا رہے ہیں ان کے مطابق عید کے بعد (صدارتی الیکشن کے بعد) نواز شریف کو پاکستان آنے کی اجازت مل سکتی ہے۔بے نظیر بھٹو کے ساتھ حکومت کی ڈیل کا تاثر گہرا کرنے کے نتیجہ میں بے نظیر بھٹو کی سیاسی اخلاقی پوزیشن پر کچھ اثر تو پڑا ہے لیکن وہ جس طرح معاملات کو ہینڈل کر رہی ہیں لگتا ہے کہ ان کا ووٹ بینک خراب نہیں ہوگا۔حکومت کی طرف سے جتنی یقین دہانی سامنے آ رہی ہے اس سے لگتا ہے کہ ماضی کی طرح پیپلز پارٹی کو الیکشن میں بہت زیادہ دھاندلی کا شکار نہیں بنایا جائے گا۔لیکن ایک شبہ اب دل میں پیدا ہونے لگا ہے۔نواز شریف کو جس طرح اسلام آباد تک آنے دیا گیا اور پھر جدہ بھیج دیا گیا،کہیں اس طرح اسٹیبلشمنٹ انہیں پھر سے ہیرو تو نہیں بنانا چاہتی؟ اگر اسٹیبلشمنٹ اور نواز شریف اندر خانے ملے ہوئے ہوں تو اس طرح بے نظیر کے مقابلہ میں انہیں عوامی ہیرو بنانے کا کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔اس کے باوجود واقعتاً صاف شفاف الیکشن ہوئے تو بے نظیر بھٹو کی پارٹی اب بھی سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھرے گی۔لیکن ایک بات طے ہے،کوئی بھی پارٹی برسر اقتدار آئے،عوام کے بنیادی مسائل اتنے الجھائے جا چکے ہیں کہ کوئی بھی انہیں حل نہیں کر سکے گی۔کرپشن کی لعنت سے کون نجات دلائے گا؟ عوام کی بنیادی ضروریات صرف روٹی، کپڑا اور مکان نہیں ہیں بلکہ بہتر تعلیم ،اچھی صحت کے لئے بہتر طبی سہولیات اور مناسب روزگار کو بھی اب ضروریات میں شمار کرنا چاہیے۔ان ساری سہولیات کی فراہمی

کے ساتھ ملائیت کے عفریت کا سامنا کرنا۔۔۔خاص طور پر دہشت گرد کاروائیوں کے خلاف موثر اقدام کرنا۔جو کام جنرل پرویز مشرف سے سات برسوں میں ڈھنگ سے نہیں ہو سکا،اسے کوئی سیاسی جماعت کیسے کر پائے گی؟ وقت آنے پر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔

صدر کے دو عہدوں کے حوالے سے جماعت اسلامی کی ایک پٹیشن سپریم کورٹ میں زیر سماعت ہے۔اس میں مختلف قانونی اور آئینی نکات پر بحث جاری ہے۔اگلے چند روز میں (شاید یہ کالم چھپنے تک) فیصلہ آنے کی امید ہے۔اس فیصلہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ یا تو پاکستان تدریجاً جمہوریت کی پگڈنڈی پر چلنے لگے گا (پگڈنڈی سے کامیابی سے گزرنے کے بعد جمہوریت کی شاہراہ تک پہنچے گا،شاہراہ پر گامزن ہونے کا مرحلہ اس کے بعد آتا ہے)۔لیکن ایسا نہ ہو سکا تو ایک اور مارشل لا سر پر کھڑا سمجھیں۔

میں نے گزشتہ کالم میں نام لئے بغیر بعض مذہبی جماعتوں کا ذکر کیا تھا جو قیام پاکستان کی شدید مخالف رہی تھیں۔اور اب نظریۂ پاکستان کی چیمپئن بنا دی گئی ہیں۔۱۷اور ۱۸ستمبر کی تاریخوں میں روزنامہ خبریں میں ایک مضمون دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔مضمون کا عنوان ہے ’’مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور جماعت اسلامی‘‘ اور اسے تحریر کیا ہے جماعت اسلامی کے موجودہ امیر قاضی حسین احمد نے۔مضمون کے پہلے پیراگراف میں انہوں نے پاکستان کی مخالفت کرنے کے الزام کی صفائی دینے کی کوشش کی ہے۔ان کی تحریر کے مطابق:

’’مولانا مودودی اور علامہ اقبال کے درمیان گہرا تعلق اس امر سے واضح ہو جاتا ہے کہ مشرقی پنجاب میں پٹھانکوٹ کے نزدیک ’’دارالاسلام‘‘ کے نام سے جماعت اسلامی کا جو پہلا مرکز قائم ہوا،اس کے لیے زمین علامہ اقبال کے توسط سے فراہم ہوئی تھی۔یہ زمین علامہ اقبال کو پنجاب کے ایک زمیندار چوہدری نیاز علی صاحب نے اس مقصد کے لئے پیش کی تھی کہ اس پر دین کا کام کرنے کے لئے کوئی مرکز بنائیں۔علامہ اقبال نے اس کے لئے مولانا مودودی کا انتخاب کیا اور ان کو دعوت دی کہ وہ اس پر ایسا مرکز بنائیں۔یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کو نہ تو کوئی جھٹلا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔یہ تاریخی حقیقت ان تمام اعتراضات اور الزامات کی بھی تردید کر دیتی ہے جو پاکستان کی مخالفت کے سلسلے میں مولانا مودودی پر لگائے جاتے ہیں‘‘

اگر تو واقعتاً مولانا مودودی نے پاکستان کی اور قائداعظم کی مخالفت نہیں کی تھی تو بے جا الزام تراشی نہیں کی جانی چاہیے۔لیکن ’’پاکستان کی مخالفت کے اعتراض اور الزام‘‘ سے بریت کے لئے علامہ

اقبال کی طرف سے پٹھانکوٹ کی زمین فراہم کرنے کو دلیل بنانا قاضی صاحب کے لئے مناسب نہیں لگ رہا۔دین کا کام کرنے والے کئی علماء کانگریس کے ہمنوا اور پاکستان کے کھلے مخالف تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اعلیٰ پائے کے عالمِ دین بھی پاکستان کے مخالف تھے۔کون کہے گا کہ انہوں نے دین کے لئے کام نہیں کیا تھا۔لیکن ان کا سیاسی کردار اور کانگریس سے وابستگی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔۔۔۔اسی طرح ''دین کا کام کے لئے'' زمین کی فراہمی میں مدد کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ مولانا مودودی نے پاکستان کے قیام کی مخالفت نہیں کی تھی؟

صرف حافظہ کی بنیاد پر جو چند حوالے گزشتہ کالم میں لکھ چکا ہوں ان میں سے تین براہِ راست مولانا مودودی سے متعلق ہیں۔میں نے اپنے کالم میں متعلقہ مخالفین پاکستان علماء کے نام نہیں لکھے تھے۔ لیکن اب بات چل نکلی ہے تو وضاحتِ احوال کے طور لکھ رہا ہوں۔قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو مولانا مودودی نے لکھا کہ میں اس قرارداد کو دیکھتا ہوں تو میری روح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔انہوں نے قائدِ اعظم کا نام لے کر لکھا کہ لیگ کے قائدِ اعظم سے لے کر مبتدی تک کوئی بھی اسلامی زندگی کا نمونہ نہیں ہے۔(بعد میں جماعت اسلامی نے تحریف کر دی،اس کتاب کے نئے ایڈیشنوں میں قائداعظم کا لفظ ہٹا کر ''بڑے لیڈروں'' کر دیا۔تاہم مودودی صاحب کی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں قائدِ اعظم کا لفظ واضح طور پر لکھا ہوا ہے اور ان کے اسلامی کردار پر صاف حملہ کیا گیا ہے۔)

قیامِ پاکستان کے بعد اپنی وفات تک مولانا مودودی ایک بار بھی قائدِ اعظم کے مزار پر دعائے مغفرت کے لئے نہیں گئے۔جس سے ان کے دل میں قائدِ اعظم کی عزت ومحبت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔یہ تین حقائق آفتاب آمد دلیلِ آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ان کے جواب میں جماعت اسلامی کی طرف سے پٹھانکوٹ کی زمین دینے دلانے کا کوئی حوالہ لانے کی بجائے صرف ایک ایک سادہ سا حوالہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔پاکستان کے قیام سے پہلے پاکستان کی حمایت میں لکھا ہوا صرف ایک جملہ عطا کر دیا جائے تو تاریخ کا بھلا ہو جائے گا۔اسی طرح قائداعظم کے بارے میں کلمۂ خیر کے طور پر بھی صرف ایک جملہ جو مولانا مودودی صاحب نے کہا ہو۔۱۹۴۷ء سے پہلے کے ایسے دو حوالے جماعت اسلامی کو ان سارے الزامات سے پاک کر سکتے ہیں جو پاکستان کی مخالفت کے سلسلے میں لگائے جاتے رہے ہیں۔

قاضی صاحب!

پاکستان کی حمایت میں اور قائدِ اعظم کی تائید میں صرف ایک ایک جملے کا سوال ہے۔اگر جماعت اسلامی کے لٹریچر میں سے ایسے دو جملے مل جائیں تو حقیقت کا یہ رخ سامنے آجائے گا۔ورنہ حقیقت یہی ہے کہ مولانا مودودی نے پاکستان کی مخالفت کی تھی۔قائداعظم کی زندگی کو غیر اسلامی کہا تھا،اور پاکستان کے قیام میں ان کا قطعاً کوئی کردار نہیں تھا۔

دیوبندی مکتبہ فکر نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی اور کھل کر مخالفت کی تھی۔وہ لوگ آج بھی اس بات کو چھپاتے نہیں ہیں۔ہمہ وقت اس کا اعلان نہیں کرتے رہتے لیکن کہیں اس موضوع پر بات چل نکلے تو وہ کسی اعتذار کے بغیر اپنے اکابرین کے موقف کا برملا اقرار کرتے ہیں۔مولانا حسین احمد مدنی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری،مولانا محمد علی جالندھری سے لے کر مولانا ابوالکلام آزاد تک متعدد علمائے کرام نے کسی نہ کسی جواز کے ساتھ پاکستان بننے کی مخالفت کی تھی اور بعد میں بھی اپنے موقف پر کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کیا۔جماعت اسلامی کو بھی چاہئے کہ پاکستان مخالف دوسرے جید علماء کے طرزِ عمل کے مطابق اپنے تاریخی ریکارڈ کا سامنا کریں۔غلط دعویٰ ٹھیک نہیں ہے۔ویسے تاریخی حقائق کے ساتھ بحث چل نکلے تو دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔

۲۰ ستمبر ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے:١٩

اس بار کالم لکھنے میں لگ بھگ اڑھائی مہینے کا وقفہ آ گیا ہے۔ حالانکہ اس عرصہ میں اتنی اہم ترین خبریں سامنے آتی رہی ہیں کہ ہر ہفتہ میں ایک کالم لکھنا ممکن تھا۔ بے نظیر بھٹو کی واپسی، پھر اسٹیبلشمنٹ کی اسکیم کے عین مطابق میاں نواز شریف کے سارے خاندان کی واپسی، سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی برطرفی، نیا پی سی او، ایمرجنسی، نجی الیکٹرانک میڈیا پر پابندی، انتخابی مہم کا آغاز، بائیکاٹ کے پروگرام، عمران خان کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی میں اسلامی جمعیت طلبا کی طے شدہ بدسلوکی، جماعت اسلامی کی قیادت کی وضاحتی آئیں، بائیں، شائیں۔ جنرل پرویز مشرف کا دُکھے ہوئے دل کے ساتھ اُس وردی کو اتارنا جسے وہ اپنی کھال قرار دیا کرتے تھے۔ لیکن یہ خبریں اور ان سے ملتی جلتی متعدد گرما گرم خبروں نے بھی ٹھنڈا کیے رکھا۔ اس سارے عرصہ میں مجھے علامہ اقبال کا ایک شعر ہی یاد آتا رہا۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اب بھی کالم لکھنے کا موڈ ایک خاص خبر کی وجہ سے بنا ہے۔ یہ کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا ذکر کرنے سے ہمارے سابق جنرل، جناب پرویز مشرف صاحب کی شکایت ہمیں شرمندہ کرتی رہے گی۔ انہیں گلہ ہے کہ ہمارے زیادہ تر لوگ پاکستان کا امیج اچھا بنا کر پیش کرنے کی بجائے بیرون ملک میں اپنے ملک کی بدنامی کرتے ہیں۔ لیکن خبر ایسی ہے کہ اس کے ذکر سے باہر مزید بدنامی نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ خبر باہر ہی سے آئی ہے۔ خبر یہ ہے کہ **ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل** نے **گلوبل کرپشن بیرومیٹر ٢٠٠٧ء** کے نام سے ایک رپورٹ جاری کی ہے۔ اس میں دنیا بھر میں کرپشن کا کچھ حساب کتاب پیش کیا گیا ہے۔ پاکستان میں کرپشن کی شرح سے اندازہ ہوتا ہے کہ ملک نے اور کسی شعبہ میں ترقی کی ہو یا نہ کی ہو لیکن کرپشن کے میدان میں واقعی بڑی ترقی کی ہے۔ کرپشن کے سارے اعداد و شمار بعد میں، مجھے یہاں چار اہم ترین شعبوں کے بارے میں خاص بات کرنی ہے۔ اس رپورٹ میں کرپشن کے کل پانچ نمبر مقرر کر کے پھر پانچ میں سے حاصل کردہ نمبر دیئے گئے ہیں۔ اس کے مطابق فوج نے پانچ میں سے 3.2 نمبر حاصل کیے ہیں۔ میڈیا نے 3.3 نمبر حاصل کیے ہیں۔ لیگل سسٹم یعنی عدلیہ نے 3.5 نمبر حاصل کیے ہیں۔ اور سیاسی

جماعتوں نے 3.9 نمبر حاصل کیے ہیں۔

مجھے حیرت بھی ہے اور افسوس بھی ہے کہ ابھی تک قومی پریس یا آزاد میڈیا نے اس خبر کو اس کے شایانِ شان کوریج نہیں دی۔ شاید اس لیے کہ اس رپورٹ کے مطابق خود میڈیا کے اندر کرپشن کی شرح فوج کے اندر کرپشن سے زیادہ ہے۔ تو پھر یہ ہمارے میڈیا سٹارز کیا ڈرامہ کر رہے ہیں۔ میں نے اپنے گزشتہ کالم میں اس وقت کے بحال شدہ چیف جسٹس افتخار چودھری صاحب کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ ان کی پہلی ترجیح عدلیہ کو کرپشن سے پاک کرنے کی ہونی چاہیے۔ اب یہی درخواست میڈیا کے اسٹارز سے کی جانی چاہیے کہ صاحبو! حکومت کے خلاف آپ کی حق گوئی و بے باکی اپنی جگہ برحق، لیکن پہلے اپنی منجی کے نیچے بھی ڈانگ پھیر لیں اور اپنے اندر کے کرپٹ عناصر کو بھی سامنے لائیں۔ وہ کرپٹ اسٹارز جن کے بارے میں عوام کو کچھ بھی خبر نہیں اور ٹرانسپیرنسی انٹرنیشنل انہیں فوج سے زیادہ کرپٹ قرار دے رہا ہے۔ ان بے باک کرپٹ اسٹارز کا حساب کون بے باق کرے گا؟ میڈیا اور پریس سے توقع کی جانی چاہیے کہ وہ اپنے اندر کی کرپشن کو بھی بے نقاب کریں گے اور قوم کے سامنے پورا سچ لے آئیں گے۔ وگرنہ پھر موجودہ ساری جدو جہد کا ایک ہی مطلب ہے کہ 3.3 سے لے کر 3.9 تک کرپشن کرنے والے شعبوں نے مل کر 3.2 تک کی کرپشن کرنے والے ادارہ کے خلاف محاذ بنا رکھا ہے۔

سیاسی جماعتوں، عدلیہ، میڈیا اور فوج کے نمبر اوپر بیان ہو چکے، اب دوسرے شعبوں کی کرپشن میں اعلیٰ کارکردگی کو بھی ایک نظر دیکھ لیں: پولیس 4.3، ٹیکس، ریونیو اتھارٹی 4.1، رجسٹری اینڈ پرمٹ سروسز 3.9، یوٹی لیٹیز 3.9، پارلیمنٹ 3.8، غیر سرکاری تنظیمیں 3.6، میڈیکل 3.4، پرائیویٹ سیکٹر 3.4، تعلیمی نظام 3.0، مذہبی تنظیمیں 2.7،۔

بے نظیر بھٹو کی پاکستان میں آمد کے موقعہ پر ان کا جو فقید المثال استقبال ہوا، اس سے طاقت کے مراکز میں کھلبلی مچ گئی۔ چنانچہ عجلت میں اس ریلی کو درہم برہم کرنے کے لیے خودکش حملہ کی کارروائی کی گئی۔ مجھے اس امر میں کوئی شک نہیں کہ بے نظیر بھٹو نے جن افراد کے بارے میں پرویز مشرف کو وقت سے پہلے آگاہ کیا تھا، وہی اس حملہ کے ذمہ دار ہیں۔ بے نظیر نے ٢١ر اکتوبر کو ایک برطانوی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان کے خفیہ اداروں میں انتہا پسندی کی حمایت کرنے والے موجود ہیں۔ اس الزام کی توثیق اب میاں نواز شریف کے ایک تازہ بیان سے ہوئی ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ وہ قبائلی علاقوں میں انتہا پسندوں کے خلاف کارروائی کرنا چاہتے تھے (اسامہ بن لادن کو کلنٹن کے حوالے کرنا

چاہتے تھے) تب فوج کے چیف جنرل پرویز مشرف نے یہ کہہ کر انہیں روک دیا کہ یہ تو ہماری فرنٹ لائن دفاعی قوت ہے۔ بہر حال ہمارے خفیہ اداروں کی بعض سرگرمیاں اتنی افسوسناک ہیں کہ ان کا ذکر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ ایک ایجنسی کے (ریٹائرڈ) اعلیٰ افسر جنہوں نے پلے بوائے جیسی جوانی بسر کی، اب تبلیغی جماعت کے رکن بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ وہ بعض افسران کی گھریلو زندگی پر بھی نگاہ رکھا کرتے تھے اور بعض کو کچھ آگاہ بھی کر دیا کرتے تھے۔ چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کے کیس کی سماعت کے دوران عدالت کے سامنے چند قابلِ اعتراض تصویریں پیش کی گئیں۔ جس پر عدالت نے سخت برہمی کا اظہار کیا تو اٹارنی جنرل عبدالقیوم کو غیر مشروط معافی مانگنا پڑی۔ اب پی سی او کے نفاذ کے بعد پھر بعض جج صاحبان کی گھریلو زندگیوں کی تصویروں کا ذکر سننے میں آیا۔ اور تو اور خود شوکت عزیز کے بارے میں بھی پرائم منسٹر ہاؤس کے اندر کی تصویروں کا تھوڑا سا چرچا کیا گیا۔ یہ سب کیا ہے؟

جس ملک کی خفیہ ایجنسیاں ملک کے مفاد کی عالمی نوعیت کی سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے ہی افراد کی خانگی زندگیوں میں گھٹیا بلیک میلروں جیسی تانک جھانک شروع کر دیں، ان سے کسی عالمی نوعیت کی اعلیٰ کارکردگی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔۔۔۔۔ ایجنسیوں کا اتنا ذکر اس لیے آ گیا کہ بے نظیر کے عائد کردہ الزام کو کئی دوسرے زاویوں سے بھی بہتر طور پر دیکھا جا سکے۔ ایم کیو ایم نے بے نظیر کی ریلی کے دوران اپنے طرزِ عمل سے اپنے ۱۲ مئی ۲۰۰۷ء کے کردار کی کچھ تلافی کرنے کی کوشش کی۔ اچھا کیا۔

اسی دوران پرویز الٰہی نے کئی جلسوں سے خطاب کیا، دعوت اسلامی والوں کا اجتماع ہو گیا، تبلیغی جماعت والوں کا لاکھوں کا اجتماع ہو گیا، میاں نواز شریف کا بھی رات بھر کا ایک جلوس داتا دربار تک جا پہنچا۔۔۔ سارے جلسے جلوس خیر و عافیت سے انجام پذیر ہوئے۔ لیکن بے نظیر بھٹو کی عظیم الشان ریلی خود کش حملہ آوروں کا نشانہ بنا دی گئی۔ اس کے ذمہ دار بہر حال حکومت کے اندر ہی موجود ہیں۔ بے نظیر اگر اپنے پہلے بیانات پر خاموشی اختیار نہ کر لیں تو حقیقت وہی ہے جو وہ پہلے کہہ چکی ہیں۔

جی ڈی پی کی شرح میں گرانقدر اضافہ کی نوید اور قومی خزانہ میں اربوں ڈالر کے ریزروز کی بشارتیں سنانے والے شوکت عزیز کی وزارتِ عظمیٰ اپنی مدت پوری کر کے ختم ہو چکی۔ موصوف کی سبکدوشی سے تھوڑا عرصہ پہلے گورنر سٹیٹ بنک آف پاکستان کی طرف سے یہ ہولناک انکشاف سامنے آیا کہ اس حکومت کی برکت سے ملک پانچ ہزار ارب سے زیادہ کا مقروض ہو چکا ہے۔ کہاں کی جی ڈی پی کی شرح اور کہاں کے اربوں ڈالرز کے ریزروز۔۔۔ یہاں لینے کے دینے پڑ گئے ہیں۔ شوکت عزیز اور ان کے

مشیر خزانہ (جو اَب خیر سے وزیر خزانہ ہو چکے ہیں) نے وائٹ کالر کرائم کی ایسی ایسی کاروائیاں کی ہیں کہ اپنے لٹنے کا کھوج لگانے کے لیے قوم کو ایک عمر لگ جائے گی۔ میرے نزدیک گجرات کے چوہدری برادران ملک کو لوٹنے والے سیاستدانوں میں سب سے پہلے نمبر پر تھے۔ کیونکہ یہ لوگ جنرل ضیاع الحق کے زمانے سے اب تک قوم کو لوٹ رہے ہیں، اسٹیبلشمنٹ میں ان کی جڑیں گہری ہو چکی ہیں۔ خفیہ ایجنسیوں میں بھی ان کی رسائی ہو چکی ہے۔ لیکن ہمارے بنکار وزیر اعظم شوکت عزیز صاحب سٹاک مارکیٹ کریش اور پرائیویٹائزیشن کے ایسے ایسے کرتب دکھا گئے کہ ان کے سامنے گجرات کے چوہدریوں کی ساری کرپشن بھی بے معنی ہو جاتی ہے اور وہ محض جوتی چور یا بھینس چور دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اسٹیل مل کو اگرچہ لٹنے سے بچا لیا گیا ہے لیکن اسے جس طرح پرائیویٹائز کرنے کے چکر میں لوٹا جا رہا تھا، وہ اسکینڈل آج بھی سپریم کورٹ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ بلکہ اسی چکر میں سابق جنرل ،صدر پرویز مشرف کو اکسا کر خراب کیا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ چیف جسٹس کے خلاف ۹/مارچ ۲۰۰۷ء کا اقدام شوکت عزیز کے اسٹیل مل والے غم و غصہ کا نتیجہ تھا۔ جس کے لیے قوم کی زد میں شوکت عزیز کی بجائے پرویز مشرف آ گئے۔ پرویز مشرف آج جس صورتحال سے دوچار ہیں یہ کافی حد تک شوکت عزیز کا کیا دھرا ہے۔

جنرل پرویز مشرف اب سابق جنرل ہو چکے ہیں۔ انہوں نے بڑے درد بھرے دل کے ساتھ اپنی وردی اتاری ہے۔ اب وہ پاکستان کے سویلین صدر کہلاتے ہیں۔ پاکستان جمہوریت کی بحالی کی طرف جا رہا ہے۔ قومی خود مختاری کے دعوے بھی کیے جا رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہماری قومی خود مختاری کی حالت ''بی بی مختاراں'' جیسی ہے اور ہماری جمہوریت ''بچہ جمہورا'' ہے۔ اب جو کچھ ہونے جا رہا ہے وہ فوج کی سرپرستی میں ہوئے ماضی کے میوزیکل چیئر گیم ہی کا ایک حصہ ہے۔ جس میں مختلف طبقات اپنے اپنے مفادات سمیٹیں گے۔ اور عوام کے حصہ میں مزید مسائل، مزید مہنگائی اور مزید دکھ اور مصیبتیں ہی آئیں گی۔ ایجنسیوں کے ساختہ انتخابی نتائج کی بجائے جب تک عوام کے ووٹ کا دل سے احترام نہیں کیا جائے گا، پاکستان کے اچھے دن نہیں آئیں گے۔ لیکن اس کے باوجود اچھے دنوں کی امید تو رکھنی چاہئے۔ سو پاکستان کے عوام اچھے دنوں کی امید قائم رکھیں!

پاکستانی قوم کے ساتھ ایک بڑا فراڈ جو گزشتہ ساٹھ سال سے ہو رہا ہے وہ عوام کے دلوں میں امریکہ مخالفت کے جذبات ابھارنا ہے۔ پاکستان کی بیشتر سیاسی جماعتوں کا قبلہ امریکہ کی طرف ہے۔ حکومت ہو یا اپوزیشن ہو سب کا کافی سارا انحصار امریکی آشیرواد پر ہے۔ ہم سوویت یونین کے ٹوٹنے

سے پہلے بھی امریکہ ہی کے زیرِ اثر تھے،سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد تو امریکی اثرات مزید گہرے ہو گئے۔نائن الیون کے سانحہ کے بعد تو ہمارے سامنے کوئی اور رستہ بھی نہیں ہے۔اس وقت جو مذہبی جماعتیں امریکہ کے خلاف سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہی ہیں وہ بھی قوم کو دھوکہ دے رہی ہیں ۔اگر ان کا ماضی کا ریکارڈ دیکھا جائے تو امریکہ کے ساتھ سب سے زیادہ طویل دورانیے کا رومانس انہیں مذہبی جماعتوں کا رہا ہے۔یہ مذہبی رہنما امریکی چینلز پر اہلِ مغرب کو اپنے ’’اہلِ کتاب بھائی‘‘ کہتے تھے اور امریکی میڈیا انہیں مجاہدین قرار دیا کرتا تھا۔ان مذہبی رہنماؤں نے امریکی،اسرائیلی امداد کے ساتھ سوویت یونین کے خلاف امریکہ کی جنگ افغانستان میں لڑی۔اس کے لیے دنیا بھر کے اسلامی ملکوں سے کرائے کے فوجی فراہم کیے گئے۔آج بھی مذہبی جماعتوں کی امریکہ سے اصل ناراضی صرف اتنی ہے کہ افغانستان کے معاملات میں ہمیں ثالث بناؤ،ہم تمہارے معاملات ٹھیک کرا دیں گے۔بعض علماء نے پہلے در پردہ اور بعد میں کھلے عام امریکہ کو یہ پیش کش کی تھی۔دوسری سیاسی جماعتوں کا جھکاؤ بھی امریکہ ہی کی طرف ہے۔

یہ بات تو بہت پہلے سامنے آ چکی ہے کہ امریکہ نے مسلمانوں میں کئی انتہا پسندوں کی خدمات بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ان میں انتہا پسندی کی بالواسطہ حمایت کرنے والے میڈیا اسٹارز بھی شامل ہیں اور خودکش حملہ آوروں کو تربیت دینے والے بھی۔کیونکہ انہیں اقدامات کی وجہ سے ایک طرف دنیا بھر میں مسلمانوں کا امیج بد سے بدتر کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف اس ساری صورتحال کا فائدہ براہِ راست امریکہ کو حاصل ہو رہا ہے۔ایسے خودکش حملہ آوروں،ان کے حامی جرنلسٹوں اور خوش عقیدہ اسلام کے نادان دوستوں کے بارے میں اب کیا کہا جائے؟

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغِ مصطفویؐ
جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

مسئلہ یہ ہے کہ اپنے داخلی و خارجی حالات کے باعث پاکستان کی ہر حکومت امریکہ پر انحصار کرنے پر مجبور ہے۔اگر یہ مجبوری موجود ہے تو قوم کو بھی اصل حقائق سے آگاہ کیجئے۔انہیں بتائیے کہ آپ کی اقتصادیات کس حد تک امریکی یا مغربی اقتصادیات پر انحصار کیے ہوئے ہے۔آپ کے اسٹریٹیجک مفادات کس حد تک امریکہ سے وابستہ ہیں۔خود میڈیا کو بھی بتانا چاہئے کہ پاکستان میں میڈیا کی آزادی میں سب سے بڑا کردار امریکہ کا ہے۔محض سیاست چمکانے کے لیے قوم کے دلوں میں امریکہ مخالف

جذبات بھڑکائے رکھنا اور اقتدار میں حصہ ملنے پر امریکہ کے احکامات کی بجا آوری کیے جانا منافقت ہے۔وہ تمام سیاسی جماعتیں جو بظاہر امریکہ مخالف تقریریں کر رہی ہیں وہ صرف قوم کو دھوکہ دے رہی ہیں اور منافقت سے کام لے رہی ہیں۔بات صرف پاکستان کی نہیں ،مشرق،وسطیٰ کے بیشتر ممالک بالخصوص سعودی عرب،متحدہ عرب امارات،مصر،کویت وغیرہا سب کا انحصار امریکی اور دوسری مغربی قوتوں پر ہے۔البتہ ان عرب ممالک نے پاکستانی سیاست کی طرح کبھی اپنی قوم کو امریکہ مخالف بنانے کی کوشش نہیں کی۔

مغرب سے تعلقات کے حوالے سے ایک خبر یہ ہے کہ ۵؍نومبر ۲۰۰۷ء کو سعودی عرب کے بادشاہ شاہ عبداللہ نے ویٹی کن میں پوپ سے ملاقات کی ہے۔مختلف مذاہب کے درمیان پھیلی ہوئی اور پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے ہر سطح پر مختلف مذاہب کے درمیان مکالمہ بے حد ضروری ہے۔یہ مکالمہ عمومی طور پر تمام مذاہب کے ساتھ ہونا چاہیے اور خصوصی طور پر ان مذاہب اور مسالک کے درمیان ہونا چاہیے جن کے درمیان مخاصمت بہت زیادہ بڑھ چکی ہے۔اگر مسیحی رہنماؤں سے محض اس لیے ملاقات ہو رہی ہے کہ وہ قوم ایک بڑی طاقت بن چکی ہے تو پھر یہ مجبوری کی ملاقات ہے۔لیکن اگر دل میں واقعی اخلاص ہے اور یہ نیت ہے کہ تمام مذاہب اور مسالک کے درمیان پُر امن بقائے باہمی کا رویہ فروغ دیا جائے تو پھر ان مذاہب اور مسالک کے ساتھ بھی مکالمہ ناگزیر ہے جو کوئی بڑی عالمی سیاسی قوت یا اثر نہیں رکھتیں۔جب مکالمہ اس سطح تک پہنچے گا تب ہی یہ کہا جا سکے گا کہ یہ نیک نیتی کا مکالمہ ہے،مجبوری کا نہیں۔

حال ہی میں پاکستان سے انسانی حقوق تنظیم کے دو امریکی کارکنوں کو نکال دیا گیا ہے۔ان کارکنوں کا قصور یہ تھا کہ یہ اعتزاز احسن کی گرفتاری کے خلاف اور ان کی حمایت میں سرگرمِ عمل تھے۔ان میں ایک مسٹر بیری ہیں اور ایک مسز نجمن۔مسز نجمن کا نام سامنے آیا تو یاد آیا کہ اکتوبر کے مہینے میں اس خاتون نے امریکہ ہی میں امریکی وزیر خارجہ کنڈولیزا رائس کے خلاف سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے ان کے چہرے پر لال رنگ ملنے کی کوشش کی تھی۔اس ہنگامہ میں انہیں گرفتار کیا گیا تھا۔اس واقعہ سے تھوڑا عرصہ قبل احمد رضا خان قصوری کے پیپلز پارٹی اور ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں نازیبا ریمارکس دینے پر پاکستان میں ایک ہنگامہ ہوا تھا۔پشاور کے ایک وکیل اور ذوالفقار علی بھٹو کے عاشق خورشید احمد نے احمد رضا قصوری کا منہ کالا کر دیا تھا۔یہ خبر عالمی سطح پر بھی دلچسپی کے ساتھ دیکھی گئی تھی۔لگتا ہے اس خبر سے متاثر ہو کر مسز نجمن نے کنڈولیزا رائس کے چہرے پر لال رنگ ملنے کی کوشش کی تھی۔ظاہر ہے کونڈی کے چہرے

پر کالا رنگ ملنے سے تو کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا۔لیکن مسز بنجمن تھوڑا سا مزید غور کر کے کاروائی کرتیں تو کنڈ ولیزا رائس کے چہرے پر سفید یا پیلا رنگ پھینکنے کی کوشش کرتیں، جو لال رنگ یا کالے رنگ کے مقابلہ میں بہتر نتائج کا حامل ہوتا۔امریکہ میں مسز بنجمن کو گرفتار کیا گیا تھا تو پاکستان میں انہیں ملک سے نکال دیا گیا ہے۔ اس طرح پاکستان کے حکمران کہہ سکتے ہیں کہ ہم امریکہ کے مقابلہ میں زیادہ لبرل ہو گئے ہیں۔آخر کہہ دینے میں کیا حرج ہے۔

کنڈ ولیزا رائس کے بارے میں یہ ہلکا پھلکا سا قصہ بیان کیا ہے تو اپنے سابق جنرل،صدر پرویز مشرف کا ایک حالیہ دلچسپ بیان بھی سن لیجئے۔کالا باغ ڈیم کے بارے میں انہوں نے پھر زور دیا ہے اور کہا ہے کہ وقت آنے پر یہ ڈیم لازماً بنے گا۔پانچ سال پہلے جب جنرل پرویز مشرف وردی نہیں اتار رہے تھے تو انہوں نے جواز دیتے ہوئے کہا تھا کہ وردی میں رہنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ میں کالا باغ ڈیم بنانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میرا باوردی رہنا مناسب ہوگا۔پانچ سال گزر گئے بلکہ جنرل پرویز مشرف کے کل اقتدار کو آٹھ سال گزر گئے۔کالا باغ ڈیم کی باتیں بہت سنائی جاتی رہیں لیکن عملاً اس پر دھیلے کا کام بھی نہیں ہوا۔کالا باغ ڈیم کے مسئلہ پر ان کے سارے رنگ ڈھنگ دیکھتے ہوئے انہیں اب بلاشبہ نواب آف کالا باغ ڈیم کہا جا سکتا ہے۔ان کی اس نوابی میں پہلے بھی عوام ہی ڈیم فول بنتے رہے ہیں اور آئندہ بھی عوام ہی ڈیم فول بنتے رہیں گے۔

۸؍دسمبر ۲۰۰۷ء

اِدھر اُدھر سے: ۲۰

اس سال کے آغاز پر اپنا پہلا کالم صدام حسین کی پھانسی کے ذکر سے شروع کیا تھا اور اب سال کے اختتام پر اپنا آخری کالم محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت کی خبر سے شروع کرنا پڑ رہا ہے۔۲۷؍دسمبر کو راولپنڈی میں لیاقت باغ کے گیٹ پر انہیں انتہائی بے رحمانہ طریقے سے شہید کر دیا گیا۔ پاکستان اور جمہوریت کے جسم پر انتہائی مہلک زخم لگایا گیا ہے۔اس کے اثرات بہت دور رس ہوں گے۔فوری طور پر حملہ آوروں کی نشاندہی کے سلسلے میں تین امکانات سامنے آئے ہیں۔

۱۔القاعدہ نے حملہ کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے کہا ہے کہ لشکرِ جھنگوی کے ذریعے یہ کام اس نے کرایا ہے۔

۲۔عام تاثر یہی ہے کہ گجرات کے چوہدریوں نے یہ حملہ کروایا ہے اور اس میں وہ سارے عناصر ملوث ہیں جن کی نشان دہی بے نظیر بھٹو نے پاکستان آنے سے پہلے کر دی تھی۔

۳۔یہ بھی عوامی رائے ہے کہ پرویز مشرف،خود اس گھناؤنے جرم کی سازش میں ملوث ہیں۔

میری دانست میں القاعدہ کا یہ کام نہیں ہے،اگر القاعدہ نے بے نظیر کو نشانہ بنانا ہوتا تو اس کے لیے عرب امارات اور برطانیہ میں بے نظیر کو نشانہ بنانا زیادہ آسان تھا،ہاں اس میں القاعدہ سے محبت کرنے والے پاکستانی مذہبی انتہا پسندوں کو ضرور استعمال کیا گیا ہے۔اس کے لیے خودکش حملہ آور کی تیاری انہیں ایجنسیوں نے کی ہے جنہوں نے کراچی میں عجلت میں کارساز بم دھماکے کرائے تھے۔اپنی پہلی اسکیم کی ناکامی کے بعد ایجنسیوں نے اس بار زیادہ موثر منصوبہ بندی کی۔خودکش دھماکے سے پہلے فائرنگ کر کے اصل ٹارگٹ حاصل کیا گیا۔یہ فائرنگ کا اسٹائل لشکرِ جھنگوی کی بجائے لشکرِ گجراتی ہے اور اس میں وہی طریق کار اختیار کیا گیا ہے جو پرویز الٰہی کی وزارت علیا کے دوران پنجاب میں ڈاکو حضرات کرتے رہے ہیں۔اس ساری سازش کے تانے بانے بعض اعلیٰ فوجی افسروں تک پہنچتے ہیں۔اعجاز شاہ کے علاوہ یا تو بعض ایسے فوجی افسر اس سازش میں شامل ہیں جو پرویز مشرف کو صدارت سے بھی چلتا کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر ایسے کوئی افسر نہیں ہیں تو پھر بلاشبہ سابق جنرل،صدر پرویز مشرف اپنے ہمنوا جرنیلوں کے ساتھ خود اس جرم کے اصل محرک اور سرپرست ہیں۔سو اب صورتحال یوں دکھائی دیتی ہے کہ سابق جنرل،صدر

پرویز مشرف نے بے نظیر کے قتل کی خواہش کی، ایجنسیوں نے اپنے حاضر اسٹاک میں سے ایک خودکش حملہ آور فراہم کر دیا۔ (میں ہمیشہ لکھتا رہا ہوں کہ اسلام آباد میں اسٹیبلشمنٹ کے اندر ساٹھ سے ستر فی صد تک انتہا پسندوں کے سرپرست اور ہمدرد بیٹھے ہوئے ہیں، حسبِ ضرورت انہیں خودکش حملہ آور بھی مل جاتے ہیں) گجرات کے چوہدریوں نے خودکش حملہ آور کو فائرنگ کی اضافی تربیت دلائی۔ اس کا مزید تانا بانا ۲۷ دسمبر ہی کو نواز شریف کے استقبالیہ جلوس پر فائرنگ کے واقعہ ہی سے مل جاتا ہے۔ یہ فائرنگ اسٹائل خالصتاً لشکرِ گجراتی کا ہے۔ یوں بعض اعلیٰ فوجی افسران، خفیہ ایجنسیوں اور گجرات کے چوہدریوں کے دل کا کانٹا نکل گیا، بے نظیر شہید ہو گئیں۔ لیکن یہ کانٹا جو مذکورہ قاتلوں کے دل سے نکلا ہے پاکستان کے دل میں پیوست ہو گیا ہے۔ میں غم کی موجودہ حالت میں اس موضوع پر اس سے زیادہ کچھ نہیں لکھوں گا۔ اللہ پاکستان کے حال پر رحم کرے۔

میں نے اپنے پہلے کالموں میں بھی کئی بار اس کا ذکر کیا ہے اور اس سال کے شروع میں اپنے دوسرے کالم میں بھی یہ موہوم سی خواہش کی تھی کہ شاید جنرل پرویز مشرف اپنے وعدہ کے مطابق قوم کی لوٹی ہوئی ساری دولت قوم کو واپس دلائیں۔ لیکن اب سال کے آخر میں یہ خبر آئی ہے کہ صرف پانچ بڑے قومی بنکوں کے ذریعے سال ۲۰۰۱ء سے لے کر سال ۲۰۰۶ء تک یعنی چھ سال کے عرصہ میں ایک کھرب اور چھ ارب روپے سے زیادہ کے قرضے معاف کیے جا چکے ہیں۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**

جنرل (ریٹائرڈ) پرویز مشرف نے قوم سے جو وعدہ کیا تھا کہ وہ قوم کی لوٹی ہوئی دولت کا ایک ایک پیسہ واپس لائیں گے، وہ صرف ایک جھوٹ اور فریب ثابت ہو گیا ہے۔ انہوں نے پہلے لٹیروں سے رقم کیا واپس لانی تھی خود قوم کا ایک کھرب اور چھ ارب روپیہ اس طرح استحصالی طبقات میں بانٹ دیا ہے جیسے یہ پاکستان کی دولت نہ تھی ان کی ذاتی جاگیر تھی جہاں سے خیرات تقسیم کی گئی ہے۔ اقتدار کی ہوس میں مبتلا جرنیل ہوں، یا سازشی بیوروکریسی، ٹھگ سیاستدان ہوں یا مختلف محکموں کے سفاک اربابِ اختیار۔۔۔ یہ سب مختلف حیلوں بہانوں سے اس قوم کو لوٹ رہے ہیں۔ پاکستان کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں۔ جب تک کوئی بے رحمانہ طریق سے قوم کی لوٹی ہوئی دولت واپس نہیں دلاتا، تب تک سب کچھ دھوکہ اور فراڈ ہے اور لٹی ہوئی قوم کو مزید لوٹنے کا ڈھونگ اور ڈرامہ ہے۔

اگلے سال کے آغاز میں پاکستان میں انتخابات ہونے جا رہے ہیں بے نظیر کو شہید کرنے کے بعد اب شاید انتخابات کو کچھ موخر بھی کر دیا جائے۔ لیکن جب بھی انتخاب ہوئے، اس کے نتیجہ میں کون آتا ہے، میرے لیے یہ اب اتنی اہم بات نہیں رہی۔ جو بھی آئے گا موجودہ سسٹم میں کوئی تبدیلی نہیں لا سکے گا۔ ہر آنے والا اسی طرح اپنے چہیتوں کو اربوں کے قرضے دلائے گا اور پھر انہیں معاف کرائے گا۔ خود ہر طرح کی کرپشن اور لوٹ کھسوٹ میں مشغول رہے گا۔ بلکہ اب شوکت عزیز نے جس طرح وائٹ کالر کرائم کے انداز میں کرپشن کے انوکھے طریقے ایجاد کیے ہیں ان سے مزید استفادہ کیا جائے گا۔ چینی اسکینڈل سے لے کر آٹا کی نایابی تک، اسٹیل مل سے لے کر سٹاک ایکسچینج تک۔۔ قومی خزانہ بھرنے کے اعلانات سے حکومت کے اختتام پر الٹا ملک کے مزید مقروض ہونے کے انکشاف تک۔ کتنے ہی وائٹ کالر کرائمز ہیں جو شوکت عزیز اور سلمان شاہ نے متعارف کرائے ہیں۔ نئے آنے والے بھی ان طریقوں سے استفادہ کریں گے۔ اور پاکستانی عوام اسی طرح بھوکے ننگے اور مفلوک الحال رہیں گے۔ یہ جو حالیہ دنوں میں ایک تواتر سے ''سول سوسائٹی'' کی ترکیب استعمال کی جا رہی ہے، یہ بھی شاید اسی کھلواڑ کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں عوام کالانعام کا اب نام بھی حقارت کے ساتھ لیا جائے گا۔ اسٹیبلشمنٹ کے ہر شعبہ سے وابستہ ریٹائرڈ افسران اور ان کی اولادوں کو نوازنے کے لیے ''سول سوسائٹی'' کے نام سے ''مہذب عوام'' اور **عوام کالانعام** میں ایک تفریق واضح کر دی گئی ہے۔ اس سول سوسائٹی میں امیر سے امیر تر بننے والے اور امیر تر بننے کی دوڑ میں شامل خاندانوں کو جمع کیا جا رہا ہے۔ اب عوام کا نام لینا بھی ضروری نہیں رہ گیا۔ سول سوسائٹی کا لفظ ہی کافی و شافی ہو جائے گا۔ سول کا مطلب سویلائزڈ سمجھیں۔ سو مہذب افراد کی سوسائٹی ہی اہم ہے۔ عوام غیر مہذب ہیں، اس کے لیے علماء سے فتویٰ لینا چاہیں تو کوئی دقت پیش نہ آئے گی۔ وہ **عوام کالانعام** کی نصِ صریح نکال کر بالائی طبقہ کے لیے مزید آسانی فراہم کر دیں گے۔

انتخابی گہما گہمی کے ساتھ مسلم لیگ قاف کے کئی افراد دھڑا دھڑ مسلم لیگ نون اور پیپلز پارٹی میں شمولیت اختیار کر رہے ہیں۔ ایک سطح پر یہ صورتحال اچھی ہے کہ اس سے قاف لیگ کی اصل اوقات ظاہر ہو رہی ہے۔ لیکن دوسری سطح پر اصولی سیاست کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ ویسی ہی لوٹا سیاست ہے جیسی مسلم لیگ قاف والے کرتے رہے ہیں۔ قاف لیگ کے وہی لوگ اب پیپلز پارٹی اور مسلم لیگ نون کے ٹکٹوں کے ذریعے پھر سے اسمبلیوں میں پہنچ گئے تو اس سے سسٹم میں کیا تبدیلی آئے گی؟

لے دے کر سرحد سے اسفندیار ولی خان اور سندھ سے ایم کیو ایم سے کچھ ایسی توقع کی جا سکتی تھی کہ سسٹم میں کوئی تبدیلی لانے کے لیے کوشش کر سکیں گے۔ اسفندیار ولی اکیلے کیا کریں گے؟ اور ایم کیو ایم کے ۱۲ مئی کے ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے والے ہولناک کردار کو نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی

اس سے کسی انقلابی تبدیلی کی توقع کرنا مشکل ہے۔ بس اس کے اندر سے اتنا ہی انقلاب آنا تھا کہ اس نے عام آدمی اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو بھی اسمبلی تک پہنچا دیا ہے۔ یہ بھی ایک حد تک غنیمت ہے۔

عمران خان بے چارے الطاف حسین کو برطانیہ کی جیل میں پہنچانے کے سیاسی بیانات دیتے دیتے خود اسلامی جمعیت طلبہ کے ہاتھوں بے آبرو کر کے پنجاب یونیورسٹی سے نکالے گئے اور ثابت قدم اتنے کہ اتنی ذلت اُٹھانے کے بعد بھی قاضی کے پلو سے بندھے بیٹھے ہیں۔ قاضی حسین احمد کے چہرے کی کرختگی کے باوجود عمران خان کو ان کی شیریں بیانی نے ایسا متاثر کیا ہے کہ وہ جمعیت سے دھکے اور گالیاں کھا کر بھی بے مزہ نہیں ہوئے۔

جنرل پرویز مشرف نے ۳ رنومبر کو ایمرجنسی نافذ کی، پی سی او آ گیا۔ یہ ایمرجنسی اصلاً مارشل لا تھا۔ لیکن پاکستان کی صورتحال پر گہری نظر رکھنی والی قوتوں کی مداخلت سے ایمرجنسی کے دوران جنرل پرویز مشرف آرمی چیف کے عہدہ سے الگ ہو گئے۔ یوں خون خرابہ والا اصل مارشل لا آنے سے بچت ہو گئی۔ ۱۵ دسمبر کو انہوں نے ایمرجنسی بھی اُٹھا لی۔ اس سارے کیے کرائے کا اتنا فائدہ ہوا کہ میڈیا اور عدلیہ کے غیر ضروری دباؤ سے انہیں نجات مل گئی۔ جب فوج کی کرپشن کی نمبرنگ 3.2 کے مقابلہ میں میڈیا اور عدلیہ کی اپنی کرپشن کی نمبرنگ 3.3 اور 3.5 ہو تو پھر بندہ ان کی حمایت بھی کس حد تک کر سکتا ہے۔ بس جتنی ہو چکی اتنی ہی کافی ہے۔ جنرل پرویز مشرف کی خرابیاں اپنی جگہ، انہوں نے جو وعدے پورے کیے ہیں، جنرل ضیاع الحق کے فوجی کردار اور اُس عہد کو سامنے رکھا جائے تو جنرل پرویز مشرف کا کردار بہر حال بہتر ہے۔ جو صحافی اُس زمانے میں جنرل ضیاع الحق کی ''دریوزہ گری'' کرتے رہے، کم از کم ان لوگوں کو آج جمہوریت کا راگ الاپتے ہوئے شرم آنی چاہئے اور جنرل پرویز مشرف کے خلاف لکھتے ہوئے اصولوں کی دُہائی دیتے ہوئے اپنے گریبان میں جھانک لینا چاہئے۔ جن سابق جرنیلوں اور صحافیوں نے مل کر پاکستان میں جمہوریت کا جنازہ نکالا تھا، اب وہ جمہوریت کے چیمپئن نہ ہی بنیں تو اچھا ہے۔

نجی میڈیا پر حالیہ سرکاری پابندی سے ایک بات ثابت ہوگئی کہ اس آزادی کو مہیا کرنے میں جنرل پرویز مشرف کا بڑا کریڈٹ تھا۔ بے شک انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنا یہ کریڈٹ بھی ڈس کریڈٹ میں بدل لیا ہے۔ تاہم وہ لوگ اتنا سچ نہیں لکھ رہے تھے جو یہ کہتے تھے کہ ہم نے جدوجہد کے ساتھ یہ آزادی حاصل کی ہے۔ ہاں اگر جنرل (ر) مشرف کے علاوہ کسی کو یہ کریڈٹ دیا جا سکتا ہے تو وہ امریکہ ہے۔

امریکہ نے نائن الیون سے پہلے مشرف حکومت کے ساتھ روابط بحال کرنے کے لیے میڈیا کی آزادی کا

مطالبہ کیا تھا۔ جنرل مشرف بھی بڑی حد تک اس کے حامی تھے۔ سو یوں پرائیویٹ چینلز کا سلسلہ چل نکلا۔ موجودہ ایمرجنسی کے بحران سے پہلے کی صورتحال دیکھی جائے تو بے شک حکومت سے بہت سی غلطیاں اور زیادتیاں ہوئی ہیں لیکن میڈیا کے بعض اسٹارز بھی خود کو ''کنگ میکر'' سمجھنے لگ گئے تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اب جو وہی میڈیا اسٹارز دوبارہ اسکرین پر جلوہ گر ہو رہے ہیں تو ان کے موضوعات اور اندازِ گفتگو سے ہی ان کی احتیاط کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ایک بات جو اس دوران جیو کے کسی میڈیا اسٹار کے ذہن میں نہیں آئی، یاد دلانا چاہتا ہوں۔ میاں نواز شریف کے زوال سے پہلے ان کی طرف سے ادارہ **جنگ** کے خلاف خاصا جارحانہ رویہ اختیار کیا گیا تھا۔ سرکاری طور پر کسی مستحکم ادارہ کو غیر مستحکم کرنے کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا تھا، میاں نواز شریف کی حکومت وہ سب کچھ کر رہی تھی۔ اسی دوران میاں نواز شریف کی حکومت ختم ہوئی۔ جنرل پرویز مشرف آئے تو ادارہ **جنگ** کو سکھ کا سانس ملا۔ پھر انہیں **جیو** کا لائسنس بھی مل گیا۔ **جیو** مقبول ترین چینل بھی بن گیا اور پھر جیو نے جنرل پرویز مشرف کا سانس لینا دوبھر کر دیا۔ بہر حال:

اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں

پرویز مشرف بھی تھوڑا سا سوچیں، ادارہ **جنگ** کو بے جا تنگ کرنے والے وزیر اعظم کی حکومت چلی گئی تھی تو اب اسی ادارہ کے چینل کو تنگ کرنے والے صدر پر بھی کوئی افتاد نہ پڑ جائے۔ ہاتھ ہولا رکھیں تو اچھا ہوگا۔

ادارہ جنگ کی دیکھا دیکھی دوسرے قومی اخبارات نے بھی ٹی وی چینلز کھولنا شروع کر دیئے ہیں۔ گویا ہر اخباری ادارہ ایک چینل کا بھی مالک بن رہا ہے۔ ایسی فضا میں ARY ٹی وی چینل جو پاکستان کا ایک مقبول ٹی وی چینل ہے، اس کی انتظامیہ نے بھی کچھ غور کیا ہے۔ اب خبر یہ ہے کہ نئے سال کی دوسری سہ ماہی میں ادارہ ARY بڑی سطح پر قومی اخبار کا اجراء کرنے جا رہا ہے۔ جس طرح جنگ اخبار والوں کا چینل جیو بہت مقبول ہوا تھا، امید ہے کہ اسی طرح ARY چینل والوں کا اخبار بھی قومی سطح پر مقبولیت حاصل کرے گا۔ ARY کا ایک بنیادی نوعیت کا کریڈٹ تو بہر حال ہے کہ نائن الیون کے بعد یورپ میں پاکستان اور عالمِ اسلام کی ترجمانی کا اس نے حق ادا کر دیا تھا۔ نجی چینلز میں اسے یہاں اولیت کا مقام حاصل ہے۔ مجموعی طور پر پاکستانیوں میں سیاسی و سماجی شعور کو بیدار اور متحرک کرنے میں خصوصی طور پر جیو، اے آر وائی اور آج چینلز کی خدمات کی اہمیت اپنی جگہ برحق ہیں۔ ان کے ناظرین کی تعداد ان کی مقبولیت کا ثبوت ہے۔ لیکن میڈیا میں کرپشن کی نمبرنگ 3.3 کی سطح تک پہنچانے والے کون لوگ ہیں؟ ان کا سراغ بھی لگایا جانا چاہئے اور اسی میڈیا کو لگانا چاہیے۔

ان کالموں کو لکھنے کا سلسلہ ۲رجنوری ۲۰۰۷ء سے شروع کیا گیا تھا اور اب دسمبر ۲۰۰۷ء کی آخری تاریخیں ہیں۔آج مجھے اپنے سال بھر کے کالموں کو ایک نظر دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔اس مطالعہ کے دوران مجھے دو تین خبروں نے خاص طور پر روکا۔ایران پر امریکی یا اسرائیلی حملہ کا خطرہ سال کے شروع میں اتنا زیادہ بڑھ گیا تھا کہ ایسا لگتا تھا یہ حملہ اب ہوا کہ اب ہوا۔اس دوران امریکی چالبازیوں کے ساتھ ساتھ عربوں کی ایسی میٹنگز بھی ہوتی رہی جن میں ایران پر امریکی حملہ کے خطرہ پر غور کیا جاتا رہا اور ایسی ہر کانفرنس میں ایران ہی کو مدعو نہیں کیا جاتا رہا۔ایران کی اس بہادری کی تو داد دی جانی چاہئے کہ امریکہ کے ہر دھمکی آمیز بیان کے جواب میں ایران نے فوراً منہ توڑ جواب دیا۔سفارتی سطح پر اپنی جدہ جہد بھی جاری رکھی۔اور اب اس وقت کی تازہ ترین صورتحال یہ ہے کہ امریکی انٹیلی جینس ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مثبت رپورٹ دے چکی ہے۔ہر چند امریکہ پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا وہ حالات کو حملہ کے لیے سازگار پا کر پھر جھوٹ کا سہارا لے سکتا ہے اور ایران پر حملہ کرنے کی خواہش پوری کر سکتا ہے۔لیکن پورا سال گزرنے کے بعد اب تک کی صورتحال یہ ہے کہ ایران نے فوری حملہ ہو جانے کے تمام تجزیاتی اندازوں کو غلط ثابت کر دیا ہے،سفارتی اور اخلاقی اور عسکری، ہر سطح پر اپنی پوزیشن کو بہتر بنایا ہے۔بلکہ امریکی ڈالر میں کاروبار بند کر کے امریکہ پر اقتصادی ضرب بھی لگا دی ہے۔میرا اپنا یہ ڈر دور تو نہیں ہوا کہ امریکہ ایران پر حملہ لازماً کرے گا۔لیکن اتنا ضرور ہے کہ ایران نے جس جرأت، دانشمندی اور سفارتی طور طریقوں کے مطابق امریکہ کا مقابلہ کیا ہے،اس سے وہ قوم سرخرو رہی ہے۔

میں نے سوویت یونین کے خلاف امریکی و اسرائیلی ''جہاد'' کے المیہ کے بارے میں بار بار لکھا ہے اور اس میں ایک خاص مکتب فکر اور ان کے فکری ہمنواؤں کا بار بار ذکر کیا ہے۔صرف ان کالموں ہی میں نہیں بلکہ **منظر اور پس منظر** کے پہلے کالم ہی سے میں نے اس کا ذکر کرنا شروع کیا ہے۔امریکہ اور اسرائیل کے یہ پرانے وفادار اور موجودہ باغی جو اَب خود کش حملوں کی راہ پر چل نکلے ہیں، میں نے ان کو اپنے کالموں میں بار بار اور پوری طرح نشان زد کیا ہے۔اب میں حرفِ آخر کے طور پر اتنا کہوں گا کہ امریکہ و اسرائیل کا جہاد کرنے والے ان سابق مجاہدین اور موجودہ دہشت گردوں کی کاروائیوں سے عالمِ اسلام کا کوئی بھلا ہو گیا تو اس کا پورا کریڈٹ اسی مسلک اور ان سے فکری قرب رکھنے والوں کو ہی دیا جانا چاہیے۔لیکن ان کی حرکتوں سے عالمِ اسلام مزید ذلت و مسکنت کا شکار ہوتا گیا تو اس کے ذمہ دار بھی اسی مسلک اور ان سے فکری قرب رکھنے والے مسالک کے لوگ ہوں گے۔میرے نزدیک یہ لوگ کل تک

پورے ہوش اور جوش کے ساتھ امریکی و اسرائیلی مفادات کا جہاد کر رہے تھے اور اب نادانستگی میں امریکی مفادات کو فائدہ پہنچائے جا رہے ہیں اور عالمِ اسلام کے جسم پر زخموں کا اضافہ کیے جا رہے ہیں۔(مجھے یقین ہے کہ انہیں مکاتبِ فکر کے لوگوں میں سے کسی اعلیٰ سطح پر ایک محدود تعداد اب بھی امریکی و اسرائیلی اشاروں پر دیدہ دانستہ عامتہ المسلمین میں انتہا پسندی پھیلانے کا فریضہ انجام دے رہی ہے)۔

حال ہی میں لندن انسٹی ٹیوٹ آف ساؤتھ ایشیا نے اپنے سہ ماہی جریدہ ''لیزا جرنل'' میں مشرقِ وسطیٰ سے پاکستان تک اسلامی ملکوں کا ایک نیا نقشہ شائع کیا ہے۔اس نقشہ کے مطابق پاکستان کے صوبہ سرحد کو افغانستان میں شامل کیا جائے گا (افغانستان کے بھی کئی ٹکڑے کیے جائیں گے)، بلوچستان کو خود مختار ملک بنایا جائے گا (اس میں ایران کا بلوچستان بھی شامل ہوگا)، قائدِ اعظم کا پاکستان اب صرف پنجاب اور سندھ کے دو صوبوں تک محدود ہوگا۔پاکستان، افغانستان، عراق، ایران اور سعودی عرب کو بھی کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔اس نئے نقشہ کی اشاعت پر پاکستان کے بعض صحافیوں نے غم و غصہ کا اظہار کیا ہے۔غم و غصہ کا اظہار اپنی جگہ بجا،لیکن اپنی غلطیوں کی قیمت قوموں کو خود ہی ادا کرنا پڑتی ہے۔عراق پر امریکی حملہ کے ساتھ ہی عراق کی تقسیم کی باتیں شروع کر دی گئی تھیں۔سعودی عرب کے تین حصوں میں تقسیم کی بات تو ۲۰۰۳ء ہی میں سامنے آ گئی تھی۔ہمارے میڈیا اور پریس نے جان بوجھ کر اس خبر سے لاعلمی ظاہر کی تو یہ میڈیا اور پریس کا اپنا معاملہ ہے۔میں نے تب ہی اپنے ۱۸رنومبر ۲۰۰۳ء کے **منظر اور پس منظر** کالم (تصویر کا ایک اور رُخ۔آئندہ امکانات) میں اس منصوبہ کے دستیاب حقائق تفصیل سے بیان کر دیئے تھے۔اس کے مطابق ارضِ حجاز یعنی مکہ و مدینہ کا سارا علاقہ اہلسنت والجماعت کے حوالے کر دیا جائے،ارضِ نجد سعودی شہزادوں کے پاس اور تیل کے ذخائر والا علاقہ وہاں کی اکثریتی شیعہ آبادی کے سپرد۔

یہ معاملہ نہ آج کا ہے اور نہ سال ۲۰۰۳ء کا۔۔۔اس کے ڈانڈے اس منصوبہ سے ملتے ہیں جسے اب ''گریٹر اسرائیل'' کے نام سے پاکستان کا عام آدمی بھی کسی حد تک جان چکا ہے۔نائن الیون کے بعد گریٹر اسرائیل کے پرانے منصوبہ کو سب سے پہلے میں نے اپنے کالموں میں بیان کیا تھا۔اس کے بعد میڈیا اور پریس میں کافی ہلچل مچی۔میں بار بار ایک پمفلٹ **الكفر ملة واحدة** کا حوالہ دیتا رہا۔جس میں اسرائیل کے قیام کے ساتھ ہی عالمِ اسلام کو مکہ و مدینہ کی عزت اور سلامتی کا واسطہ دے کر اسرائیلی منصوبہ سے آگاہ کیا گیا۔اور امت، مسلمہ کو عالمی اسلامی اتحاد کی دعوت دی گئی۔لیکن جو لوگ یہ کارِ

خیر کرنا چاہ رہے تھے،ان کے ساتھ وہی سلوک کر دیا گیا جو مرزا غالبؔ کے محبوب نے ان کے ساتھ کیا تھا:

میں نے کہا کہ بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کر ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں

اتحاد چاہنے والوں کے برعکس امت کو انتشار وافتراق اور فرقہ پرستی کی دلدل میں دھکیلنے کا منصوبہ بھی اوپر ہی سے آیا تھا اور اس میں بھی وہی گروہ اور طبقات سب سے زیادہ استعمال ہوئے جو بعد میں سوویت یونین کے خلاف امریکی جہاد میں مجاہدین بنے تھے۔ میں کوئی افسانہ نہیں گھڑ رہا اور کوئی سنسنی خیز کہانی نہیں بنا رہا،اس المیہ کی نشاندہی کر رہا ہوں جس کے نتیجہ میں عالمِ اسلام کو ذلت ومسکنت کے اس حال تک پہنچا دیا گیا ہے اور ابھی مزید بہت کچھ ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔

ہمارے قومی پریس والے اور میڈیا اسٹارز اگر واقعی عالمِ اسلام کے خلاف سازش کے کسی ابتدائی سرے تک پہنچنا چاہتے ہیں تو میں آج کے اس کالم میں ایک حوالہ دے رہا ہوں۔سازش کی ابتدا ۱۹۴۸ء ہی میں کر دی گئی تھی لیکن اس کا انکشاف کرنے والے نے چھ سال کے بعد کسی موقعہ پر اس کا انکشاف کیا۔ یہ انکشاف بغداد کے اخبار **الانباء** کے شمارہ ۲۱ ستمبر ۱۹۵۴ء میں محفوظ ہے۔اسے لکھنے والے ہیں اس وقت کے معروف عرب صحافی **الاستاذ علی الخیاط آفندی**۔

کیا قومی پریس اور میڈیا اسٹارز میں سے کسی میں اتنی ہمت ہے کہ محنت کے ساتھ تحقیق کر کے اس سازش کے ابتدائی سرے تک پہنچے اور پھر اتنی جرأت کرے کہ قوم کو بتا سکے کہ قوم کے خلاف سازش کیا تھی؟ اور اس میں کون کون کتنا قصوروار ہے؟۔۔۔اپنی غلطیوں کا ادراک کر لینے اور ان کی تلافی کا ارادہ کر لینے سے بھی قدرت کی طرف سے ملنے والی سزاؤں میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

جب ایک خاص حوالے سے بات چل نکلی ہے تو یہاں اپنا موقف واضح کر دوں۔اس وقت خود کش حملوں کی صورت میں جو مزاحمتی ''جہاد'' چل رہا ہے۔اس کے بارے سعودی حکومت اور سعودی مفتی جو رائے دے چکے ہیں میں ان کے بیانات سے متفق ہوں۔ جہاد کے حوالے سے میں یہ بات بھی واضح کر دوں کہ آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی اور مدنی زندگی کے حالات کا فرق ظاہر کرتا ہے کہ مکی زندگی جیسے حالات ہوں تو جہاد بالنفس کرنا چاہئے اور مدنی زندگی جیسے حالات ہوں تو پھر جہاد بالنفس کے ساتھ حملہ آوروں کے خلاف جہاد بالسیف بھی واجب ہے۔

اس وقت سارا عالمِ اسلام مکی زندگی جیسے ایام سے گزر رہا ہے،اس لیے اس وقت جہاد بالنفس ہی

واجب ہے۔جن لوگوں کو اس بات کی سمجھ نہیں آئے ان کی سہولت کے لیے واضح کر دوں کہ اسلامی حکومت غیر مسلموں سے جزیہ لینے کی پابند ہے۔ جہاد کرنے کے ساتھ جزیہ وصول کرنا بھی خدائی حکم ہے۔لیکن آج پچاس سے زائد مسلمانوں کی حکومتوں میں سے،سعودی عرب اور دوسری عرب ریاستوں،حتیٰ کہ ایران سمیت کوئی ایک بھی حکومت ایسی نہیں ہے جو جزیہ وصول کر رہی ہو۔سو جہاد اور جزیہ دونوں اس وقت واجب ہوں گے جب مسلمان من حیث القوم مدنی زندگی جیسی حالت میں ہوں گے۔اس وقت تو سارا عالمِ اسلام مکی زندگی جیسے حال میں ہے۔اور مکی زندگی میں تو آنحضرت ﷺ پر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کے دوران،حالتِ سجدہ میں کوئی ابوجہل اونٹ کی اوجڑی ڈال دیتا ہے تو اس پر بھی صبر اور دعا ہی مسلمانوں کا ہتھیار تھا۔

سو اب جہاد کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے اس سے نہ تو عالمِ اسلام کو کوئی فائدہ پہنچے گا اور نہ ہی دشمنوں کو کوئی نقصان پہنچے گا۔ بلکہ بیشتر مزاحمتی اقدامات اپنے آپ کو زخمی کرنے کے ساتھ امریکی و اسرائیلی مفادات کو ہی فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ان حملوں کے نتیجہ میں اب تو فلسطینیوں کے خود کش حملے بھی اپنی معنویت کھو بیٹھے ہیں ۔مسلمانوں کا تشخص عالمی سطح پر مجروح ہو رہا ہے۔سو اس وقت عالمِ اسلام کے حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اپنے ملکوں کے عوام کے لیے تعلیم،روزگار،صحت،جمہوریت، انصاف،صاف پانی،صاف ماحول،کی بنیادی سہولیات بہم پہنچائیں۔تعلیم اور صحت کے شعبوں میں بڑی نوعیت کے انقلابی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔فلاحی ریاست کے ایسے قوانین نافذ کیے جائیں جن کے نتیجہ میں ملک میں کوئی بھوکا نہ رہے۔لیکن اگر لوگوں کو مذہبی اشتعال انگیزی میں مبتلا رکھ کر اسی طرح ''جہاد'' ہوتا رہا تو جو کچھ امریکہ واسرائیل کرنا چاہتے ہیں وہ سب کچھ آسانی سے ہوتا چلا جائے گا۔

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھے تو سمجھائے گا خدا

۲۸/دسمبر ۲۰۰۷ء